خوفناک دنیا

ڈاکٹر سید محمد علی شاہ سبزواری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

یہ مختصر سی کتاب جو اسوقت ہدیۂ ناظرین ہے۔ مجموعہ ہے ان چند واقعات کا جو مصنف کو افریقہ کے سفر اور قیام کے دوران میں پیش آئے۔ اس سلسلہ میں مزید دلچسپی کیلئے چند مردم خور افریقی شیروں کی تباہ کاریوں اور ان مشکلات کا بھی ذکر ہے۔ جو ان کو ہلاک کرنے میں پیش آئیں۔ مصنف نے وہی واقعات قلمبند کئے ہیں۔ جن کو اپنے نقطۂ نظر سے اُس نے دلچسپ خیال کیا، باقی تمام غیر دلچسپ و غیر ضروری حالات کو طوالت کے خیال سے نظر انداز کر دیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ میں ناظرین ملاحظہ فرماویں گے کہ واقعات کو انکے گذرنے کے پورے سینتیس ۳۷ سال یعنی ایک تہائی صدی کے بعد اس کتاب کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ اس غیر معمولی تاخیر کی وجہ سستی اور کاہلی نہیں بلکہ مصنف کی انتہائی عدیم الفرصتی ہے مگر وہ دوست اور احباب جنہوں نے اس سفر کے روزنامچہ کو قبل از طباعت و اشاعت ملاحظہ فرما لیا تھا۔

شدید تقاضہ نہ فرماتے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس کتاب کی تیاری پر مصنّف کو مجبور نہ کرتے۔ تو غالباً نہیں۔ بلکہ یقیناً اب بھی یہ کتاب معزز ناظرین کے ہاتھوں نہ پہنچ سکتی۔ علاوہ عدیم الفرصتی کے ایک اور سبب بھی اس کا ہے وہ یہ کہ چند سال ہوئے وہ قلمی روزنامچہ اور دیگر کاغذات جن میں مصنّف نے تمام واقعات دورانِ سفر ہی میں قلمبند کیے تھے۔ بوجہ لاپروائی تلف ہو گئے۔ اگرچہ وہ سب حالات بجنسہٖ حافظہ میں محفوظ تھے اور ہیں۔ تاہم اُن کا تحریر میں لانا دشوار نظر آتا تھا۔ بالآخر واقعات نے مجبور کر دیا۔ اور شکر ہے خداوند عالم کا کہ میں ان سب حالات اور واقعات کو ہو بہو جیسے اور جس سلسلہ میں کہ وہ گذرے اور پیش آئے تھے قلمبند کرنے میں کامیاب ہوا۔ اب ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں ؎

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

آخر میں ایک عرض اور ہے وہ یہ کہ یہ کتاب ایک شکاری (Shikari) نے لکھی ہے جو نہ اہل زبان ہے اور نہ ہی زبان دان ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے بلکہ اپنی سادہ زبان اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اس نے اپنے مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے اس میں ناظرین کو الفاظ کی سنگینی عبارت کی رنگینی محاورات کی بوقلمونی نظر نہ آئے گی۔ اور نہ ہی صرف و نحو کی خوبیاں اور دیگر ادبی صنائع اس میں ملیں گے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جنگل کے شکاری کی تحریر میں ان اوصاف کے موجود ہونے کی توقع بھی نہیں کیجا سکتی اسکی تمام تر توجہ جنگلوں اور بیابانوں کے دشت نما یا خوفناک مناظر دکھلانے شیر ببر

کے شکار کے ہیبت ناک نظاروں کے پیش کرنے اور دیگر خونخوار درندوں
کی دہشت خیز مردم آزاریوں کے بیان کرنے کی طرف اس درجہ مبذول
ہوتی ہے کہ اُسے زبان کا خیال ہی نہیں رہتا اور رہ بھی نہیں سکتا پس
اگر اس حقیر نسخہ میں ناظرین کو ادبی نقائص ملیں تو یہ حقیقت ذہن نشین
کر کے صبر کر لیں کہ یہ ایک شکاری کی زبان ہے ۔ فقط

محمد علی شاہ

سہسرام ۱۵؍ اگست ۱۹۳۵ء

خوفناک دنیا

افریقہ کے جنگلوں میں سفر و شکار

بابُ اوّل

میرا پہلا سفر

۷ جولائی ۱۸۹۹ء کو ہمارا جہاز ۲۲ یوم کی مسافرت کے بعد بحیرہ ہند کو طے کر کے عدن ہوتا ہوا بندرگاہ ممباسہ (MOMBASA) پہنچا یہ مقام مشرقی افریقہ کا مشہور اور بڑا شہر ہے۔ جہاز کے لنگر انداز ہوتے ہی چھوٹی چھوٹی کشتیوں نے جہاز کو چہار جانب سے گھیر لیا۔ مسافر کشتیوں میں سوار ہو ہو ساحل کی طرف جانے لگے عجیب پر لطف نظارہ تھا۔ مسافروں سے لدی ہوئی کشتیاں۔ نہایت ہی قریب قریب بڑی تیزی سے ساحل کی طرف جا رہی تھیں۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ میں پہلے ساحل پر پہنچ جاؤں۔ مسافروں کے چہرے بشاش تھے۔ اس لئے کہ بمبئی چھوڑنے کے بعد تین ہفتوں سے سمندر اور آسمان کے نگاہوں کو تھکا دینے والے نظارے کے سوائے اور کوئی سین نظر نہ آیا تھا۔ اب بندرگاہ کو دیکھتے ہی آبادی

میں داخل ہونے کی امنگ دل میں پیدا ہو گئی۔ سمندر کے تلاطم طوفانی مناظر اور امید و بیم کی کیفیتوں سے نجات ملتی نظر آئی۔

بخیر و خوبی سفر ختم ہونے اور منزل مقصود پر پہنچ جانے کی سب کو بڑی مسرت تھی۔ بغرض ان جذبات اور احساسات کو دل میں لئے ہوئے ہم کشتیوں سے اتر کر چنگی کے دفتر (CUSTOM HOUSE) میں پہنچے جہاں ہمارا سامان روک لیا گیا۔ صرف بستر ہمارے حوالے کئے گئے۔ اور بقیہ سامان اگلے دن معاینہ کے بعد واپس کئے جانے کا وعدہ کیا گیا۔

اب ہم بندرگاہ سے پیدل روانہ ہوئے اور تین میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد مقام کلنڈنی (KILINDNI) پہنچے۔ شام ہو گئی تھی غروب آفتاب میں تھوڑی دیر باقی تھی۔ نیا ملک اور نیا مقام اور نئے لوگ کوئی دوست نہ کوئی واقف کار۔ رہنے کے لئے مکان کی تلاش کی مگر سوائے ناکامی کے کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ کلنڈنی چونکہ نئی آبادی تھی اس لئے کوئی ہوٹل یا سرائے بھی ابھی تعمیر نہ ہوئی تھی۔ نہایت پریشانی ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ بڑی تلاش کے بعد بازار کے کونے پر غیر آباد حصے میں ایک دوکان خالی پڑی دکھائی دی۔ مجبوراً اسکو ہی رات بسر کرنے کے لئے غنیمت خیال کیا۔ برآمدہ میں بستر بچھا کے اور کچھ چیزیں جو ساتھ موجود تھیں کھا پی کر لیٹ رہے رات اندھیری تھی سورج چھپے بڑی دیر ہو چکی تھی۔ عجیب ہو کا عالم تھا۔ چہار جانب وحشت برس رہی تھی خیالات کی ادھیڑ بن جاری تھی کہ اتنے میں پہرہ کا سپاہی گھومتا ہوا

ادھر آیا اور ہمیں وہاں موجود پاکر کہنے لگا۔ تم لوگ کون ہو اور اسطرح باہر کیوں لیٹ گئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ نو وارد ہو ورنہ ایسی غلطی نہ کرتے تمہارا خیال درست ہے۔ ہم یہاں آج ہی بلکہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی آئے ہیں۔ میں نے جواب میں کہا۔ اور کوئی ہوٹل یا مکان نہ ملنے کی وجہ سے رات گزارنے کے لئے یہاں لیٹنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ یہ سنکر سپاہی نے کہا ابھی آپ لوگ یہاں کے حالات سے واقف نہیں ہوئے ہیں یہ جگہ نہایت ہی غیر محفوظ ہے۔ دیکھئے یہ جنگل بالکل سامنے واقع ہے اور اصل یہ بازار بھی جنگل کاٹ کر بنائے جارہے ہیں۔ رات کو درندے اکثر بازار میں آجاتے ہیں۔ ہر شب کو کوئی نہ کوئی واردات ہوہی جاتی ہے۔ آپ لوگ دوکان کے اندر جگہ صاف کرلیں اور کواڑ بند کرکے سوئیں۔ یہاں سیکڑوں آدمی درندوں کا شکار ہوگئے۔ ایک چیتا تو اس بازار میں بہت نقصان کرچکا ہے اور ابھی تک نہیں مارا گیا ہے سپاہی سے یہ واقعات سنکر اور جنگل کو سامنے دیکھکر دل میں دہشت پیدا ہوئی۔ دوکان کے اندر بہت کوڑا کرکٹ تھا۔ مجبوراً کچھ حصہ صاف کرکے بچھونے بچھاکر رات کاٹنے کے لئے اندھیرے میں لیٹ گئے۔ میرے ہمراہی تو تھکے ماندے ہونے کے سبب سے جلدی گہری نیند کے مزے لینے لگے۔ مگر مجھے کسی پہلو چین نہ پڑتا تھا۔ خیالات کی کشمکش میں مبتلا تھا لاکھ آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرتا۔ مگر نیند تو کیا غنودگی بھی قریب نہ آتی تھی۔ باہر مکمل سناٹا تھا۔ ہاں کبھی

جنگل میں گیدڑوں اور کبھی دور پر چیتوں کی آواز البتہ تھوڑی دیر کے بعد سنائی دیتی تھی۔ اسی حال میں دو گھنٹے گذر گئے۔ اب یکایک کچھ فاصلہ پر آدمیوں کے بولنے کی آواز آنے لگی۔ رفتہ رفتہ وہ قریب آگئے اور برابر والی دوکان کے برآمدہ میں آکر رک گئے۔ ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ دو آدمی ہیں ان میں کا ایک بیمار یا زخمی معلوم ہوتا تھا۔ اسلیئے کہ اوسکی آواز نحیف اور کمزور تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ شدید درد میں مبتلا ہے۔ ہائے ہائے کی صدا منہ سے نکل رہی تھی آخر اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ خدا کے واسطے مجھے یہیں لٹا دو مجھ میں اب ایک قدم بھی چلنے کی طاقت نہیں ہے۔ میرا سر چکرا رہا ہے اور دل بیٹھا جاتا ہے۔ یہ کہکر وہ مریض جلدی سے زمین پر لیٹ گیا اور فوراً ہی بیہوش ہوگیا۔ اس کے کراہنے کی آواز اب موقوف ہو چکی تھی۔ لیکن پاؤں کی چاپ دور ہٹتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اور آخر بالکل غائب ہوگئی جس سے میں نے قیاس کیا کہ اسکا ہمراہی اسکو اسی حال میں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اب پھر ایک بار باہر وہی خاموشی طاری ہوگئی اور فضا سنسان ہوگئی ایک گھنٹہ تک یہی کیفیت رہی۔ مگر مجھے نہ نیند آنی تھی نہ آئی۔ یکایک پھر آہٹ پیدا ہوئی۔ مگر اس مرتبہ پہلی کی سی نہیں۔ بلکہ نہایت تلی ہوئی چال سے کوئی برآمدہ کیطرف بڑھتا ہوا معلوم ہوا۔ پانچ منٹ بھی نہیں گزرنے ہونگے کہ چیخ پکار کی صدا آئی اور بیمار آدمی کہتا ہوا سنائی دیا۔ دوڑو مجھے بچاؤ۔ شمشیر شمشیر۔ ہائے مجھے مار ڈالا۔ معلوم ہوتا تھا کہ شمشیر نے اسکے گلے سے پکڑ لیا کہ اسکا چیخنا موقوف ہوگیا۔ دو ایک ٹوٹے پھوٹے اور بے معنی الفاظ اسکی زبان سے نکلے

اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ اس شور سے میرے دونوں ہمراہی بھی جاگ اٹھے۔ ہماری عجیب حالت تھی یہ حادثہ ہمارے قریب ہی ہو رہا تھا ایک بے کس کی جان جا رہی تھی۔ مگر ہم بالکل بے دست و پا تھے اور اسکی امداد سے قاصر۔ باہر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اور ہمارے پاس لالٹین تک نہ تھی میری 405 بور رائفل اور بارہ بور شاٹ گن دفتر جنگی میں پڑی تھی۔ ایک لاٹھی بھی ہمارے پاس موجود نہ تھی۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا میں نے اٹھکر ٹین کے دروازہ کو زور سے کھٹکھٹایا اور پٹ کھولکر باہر نکل آیا۔ اتنے میں قرب و جوار سے کچھ لوگ لالٹین اور لاٹھیاں لئے ہوئے وہاں پہونچ گئے۔ مگر افسوس کہ مدد پہونچنے سے قبل آدم خور چیتا اس بے کس کو اٹھا کر لے جا چکا تھا۔ کچھ لوگوں نے لالٹینوں اور لاٹھیوں سے مسلح ہوکر کچھ دور تک جنگل میں تعاقب کیا۔ مگر سوائے خون کے دھبوں کے اور کچھ سراغ نہ ملا۔ اس غریب کا پتہ نہ تھا۔

برآمدہ میں یہاں آکر وہ لیٹا تھا ہر طرف خون ہی خون تھا۔ کچھ تازہ اور کچھ دیر کا جمع ہوا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ راستہ ہی کو زخمی ہوکر یہاں پہونچا تھا کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے اپنے ڈیرہ تک نہ پہنچ سکا۔ خیال ہوا کہ شاید ممباسہ سے کلنڈنی آتے وقت راہ میں کسی درندہ نے اسکو زخمی کر دیا ہو اور اسکا ساتھی جو اسکو یہاں تک پہونچا گیا تھا۔ کوئی دوسرا راہ گیر ہو گا۔ اس واقعہ کا دل پر بہت اثر پڑا۔ اس غریب کی جان جانے کا بڑا افسوس اور خود نہ قابل امداد ہونے کا بڑا رنج تھا۔ غرض رات کا بقیہ حصہ اسی افسوس

میں گذر گیا۔ افریقہ میں داخل ہونے کی پہلی ہی شب کو ایسا غم انگیز حادثہ کا ہونا سر منڈاتے ہی اولے پڑنے کا مصداق تھا۔

دوسرے دن تلاش اور جستجو کے بعد ایک مکان کا انتظام کیا گیا اور اپنا سامان بھی بندرگاہ سے منگا لیا۔ اب بودوباش کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ مجھے شکار کا بے حد شوق تھا۔ ایک تو مجھے یہ ذوق کہ وہاں اسکا موقعہ خوب ملیگا افریقہ میں کھینچ لایا دوسرے ہاتھی دانت کی تجارت بھی مقصود تھی۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں افریقہ کے جنگلوں میں ہاتھی دانت آسانی سے حاصل کئے جا سکتے تھے۔ علاوہ بریں ڈاکٹری کا سامان اور ادویات بھی میرے ساتھ تھیں

میرے دوسرے ہم سفر شیخ عبدالرشید رہنے والے تو پنجاب کے تھے مگر دہلی میں ان کا بڑا کاروبار تھا اپنے ساتھ بہت سا تجارتی سامان لائے تھے چنانچہ ایک دوکان لیکر انھوں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جبکہ افریقہ میں یوگنڈہ ریلوے (UGANDA RAILWAY) لائن نکالی جا رہی تھی کلنڈنی سے یوگنڈہ تک جو مشرقی افریقہ میں واقع ہے ریلوے لائن لے جائی جا رہی تھی چنانچہ لاہور میں وہاں کے لئے مزدوروں اور آفیسروں کی بھرتی ہو رہی تھی اور آدمیوں کے جہاز کے جہاز بھر کے افریقہ کو روانہ کئے جا رہے تھے۔ کلنڈنی اور یوگنڈہ کے درمیان جنگل کاٹے جا رہے تھے۔ یہاں کے مزدوروں و دیگر آفیسروں کی ضروریات کا سامان شیخ صاحب کے پاس موجود تھا جو ہاتھوں ہاتھ بکنے لگا۔ ان کو بڑا منافع ہوا اور کچھ عرصہ بعد وہ نیروبی NOiROBi چلے گئے۔

میرا تیسرا ہمراہی معراج الدین نامی لاہور کا ایک نائی تھا جس کو میں نے

بمبئی میں بیکار پھرتے دیکھکر کھانا پکانے پر نوکر رکھ لیا تھا اور اپنے ساتھ افریقہ لے آیا تھا۔ معراج کو پہلوانی کا بڑا شوق تھا۔ اور کچھ شکل و شباہت بھی پہلوانوں کی سی تھی۔ جسم اور بھاری تھا۔ کان مڑے ہوئے تھے۔ کھانا لذیذ پکاتا تھا اور خود بھی کھانے کا شوقین تھا مگر ساتھ ہی ساتھ احمق بھی تھا۔ گپی تو حد درجہ کا تھا اپنی بہادری اور پہلوانی کے ایسے عجیب و غریب قصہ سناتا کہ خواہ مخواہ ہنسی آتی اپنی طاقت کے گھمنڈ میں رستم اور اسفندیار کو بھی ہیچ جانتا تھا۔ جہاز کے سفر میں مسافروں کو تفریح طبع کے لئے اچھا مشغلہ ہاتھ آگیا تھا جب اسکو فرصت ہوتی دس بیس آدمی اسکو گھیر کر بیٹھ جاتے اور قصوں کی فرمائش ہونے لگتی وہ مسخرا بھی فوراً گڑھے ہوئے قصے بیان کرنا شروع کر دیتا۔ کبھی اندور میں اپنی بہادری کے جوہر دیکھاتا کبھی ریاست پٹیالہ میں بڑے بڑے نامی پہلوانوں کو آن کی آن میں چت کر دیتا۔ کبھی شاہ نامہ کے واقعات کیطرح جنگلوں میں دیو اور شیروں سے اپنی دو بدو جنگ کے قصے سناتا اور زمین و آسمان کے قلاوے ملاتا۔ دنیا کا کوئی جھوٹ بولنے میں کسر اٹھا نہ رکھتا تھا۔ اس پر طرہ یہ اگر کوئی بھلا آدمی اسکی غلط بیانی پر ذرا بھی اعتراض کرتا یا جھوٹ کا شبہ ظاہر کرتا تو فوراً لڑنے مرنے پر تل جاتا غرض جہاز والوں کی تفریح کے لئے ایک اچھا خاصا کھلونا تھا اسکی ایک داستان جو خود میں نے بھی سنی تھی عرض کرتا ہوں

اسوقت جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کلنڈنی اور یوگنڈہ کے درمیان جنگل کاٹے جا رہے تھے۔ اس لئے وہاں شیروں و دیگر آدم خور درندوں کے ہاتھوں بیسیوں آدمی مارے جا رہے تھے۔ چنانچہ جہاز میں اکثر اس عنوان پر گفتگو

چھڑ جایا کرتی تھی ہر مسافر ان شیروں کے متعلق کوئی نہ کوئی قصہ سناتا اور اظہار
خیال کرتا ایک دن ایسا ہی موقعہ پیش آیا شیر اور شکاریوں کے قصے بیان
ہو رہے تھے۔ معراج ایسے موقعہ پر خاموش نہ رہ سکا۔ ممکن ہے کہ لاہور کے
چڑیا گھر میں اس نے شیر کو کبھی دیکھا ہو۔ مگر قصے سناتا تھا شیروں سے خود اپنی
لڑائی کے۔ جھٹ بول اٹھا اور کہنے لگا کہ افریقہ کے شیر کیا چیز ہیں ان کو ابھی
تک کوئی استاد نہ ملا ہوگا۔ خدا معلوم کیسے نکمے اور بزدل لوگ ہیں جو اُن کے
ہاتھ سے مارے جا رہے ہیں۔ میں پا جاؤں تو چیتھڑے اڑا دوں اور یہ بھی
کوئی شیروں میں شیر ہیں۔ شیر تو اصل میں جنگلی بن کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے تو
کسی شیر کے میں ایک تھپڑ مار دوں تو خدا قسم بخار آجائے بخار۔ اس پر ایک قہقہہ
پڑا معراج بجائے خفیف ہونے کے اور شیر ہوا۔ اور کہنے لگا غضب خدا کا آپ
لوگ میری بات کا یقین نہیں کرتے ہیں۔ اچھی بات ہے افریقہ پہونچنے دو اگر
شیروں میں تہلکہ مچا کر قیامت نہ برپا کر دوں تو معراج الدین نام نہیں۔ لو سنو
تھوڑے عرصہ کا ایک واقعہ سناتا ہوں خود تمکو معلوم ہو جائے گا کہ میں شیر کے
ساتھ کیا سلوک کر سکتا ہوں۔ یہ کہکر معراج نے منہ بنا بنا کر کہنا شروع کیا۔
میں لاہور شہر میں رہتا تھا بڑے دنوں کا زمانہ تھا۔ پولیس کا بڑا صاحب جنگلی
بن میں شکار کھیلنے جا رہا تھا۔ پولیس والوں سے میرا میل جول تو تھا ہی۔ ایک
تھانہ دار نے صاحب سے میری بہت تعریف کی۔ صاحب کو مجھسے ملنے کا
بہت اشتیاق ہوا۔ فوراً مجھے اپنی گاڑی بھیج کر بلا بھیجا میں پہونچا تو صاحب
نے مجھے اپنے برابر کرسی پر بٹھایا۔ میں نے سگریٹ لیکر سلگایا اور پیتے ہوئے

صاحب سے پوچھا کیا حکم ہے صاحب بولا۔ ویل مسٹر معراج الدین۔ ہم آپ کا بہت تعریف سنا ہے کہ تم جنگل میں شیر سے لڑائی کرتا اور اُسکو ڈنڈے سے مار سکتا ہے تو میں نے کہا کہ میں ایک کمزور سا آدمی ہوں۔ لیکن اگر آپ کے سامنے کہیں جنگل میں شیر کا سامنا ہو جائے تو ایسے ہاتھ دکھاؤں کہ آپ خوش ہو جائیں اس پر صاحب نے مجھسے اپنے ساتھ بھی بن چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں تیار ہو گیا اور خاص صاحب صاحب کی ہمراہی میں روانہ ہو گیا۔ شکار گاہ میں کچھ اور شکاریوں کا انتظام بھی کیا گیا تھا جو وہاں کے شکار سے واقف تھے۔ کئی مچان اور بھینسے بندھوائے گئے۔ اگلے دن صبح ہی ایک شکاری خبر لایا کہ رات شیر نے ایک بھینسے کو مار دیا صاحب اس روز شام ہی سے بڑے انتظام کر کے کئی شکاریوں کے ساتھ مچان پر چڑھکر بیٹھ گئے۔ میں اُن سے آدھ میل کے فاصلہ پر تنہا ایک گھاٹی کے قریب جو بہت خطرناک جنگل میں تھی ایک درخت کی جڑ پر بیٹھ گیا اور اپنا ڈنڈا درخت کے تنہ کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ میں نے یہ جگہ اپنے لئے اس واسطے تجویز کی تھی کہ وہاں کے شکاریوں نے مجھے بتایا تھا کہ شیر اسی گھاٹی میں رہتا ہے اور وہ اسی راہ سے باہر آتا ہے۔ سورج چھپنے کا وقت تھا مگر دھندلی روشنی باقی تھی میں نے سگریٹ سلگا کر پینا شروع کیا اور شیر کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ میں نے آدھا ہی سگریٹ پیا ہو گا کہ بیس گز کے فاصلہ پر لمبی گھاس میں ایک سرخ سی چیز ہلتی ہوئی دکھلائی دی۔ میں سگریٹ پھینک ڈنڈا بغل میں دبا درخت کی آڑ میں ہو گیا اور اس پر نظر جمائے رہا دو ہی منٹ گزرے تھے ایک بڑا جسیم و زبردست شیر نر میرے قریب

آگیا سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی دوسرا میری جگہ ہوتا تو فوراً اسکی روح فنا ہو جاتی۔ مگر جناب میں برابر ڈٹا رہا اور اب اسکا رخ صاحب کے مچان کیطرف تھا اس نے مجھے نہیں دیکھا جیسے ہی وہ میری برابر پہنچا اور میں نے جو اپنی جگہ سے جست کی تو ایک دم سے اس کی کمر پر سوار تھا۔ شیر اس ناگہانی آفت سے پریشان ہو گیا۔ ایک تو میرا کل بوجھ اُس پر میں نے اس کے دونوں کان اس زور سے پکڑ کر کھینچے کہ اس کا بھیجا کھولنے لگا اور وہ مارے خوف کے تھرانے لگا۔ چند لمحوں بعد اس نے چوٹی ایڑی کا زور لگا کر اپنے کو میری گرفت سے رہا کرنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ آخر میں نے اس کو بالکل عاجز پا کر جیب سے ایک پیتل کی بالی نکال کر اس کے بائیں کان میں پہنا دی اور گرفت ڈھیلی کر دی۔ شیر چھٹتے ہی دم دبا کر بھاگا کرنا خدا کا کیا ہوا کہ وہ سیدھا صاحب کے مچان کے پاس جا پہنچا۔ صاحب نے دیکھتے ہی دن دن اس پر دو فیر کر دیئے شیر زخمی ہوا۔ میری مار پیٹ سے ادھ مرا تو ہو ہی رہا تھا۔ فوراً گر پڑا۔ اب مچان پر سے نیچے اترنے کا کسی کو حوصلہ نہ ہوا اتنے میں وہاں ٹہلتا ہوا اور سگریٹ پیتا جا پہنچا۔ مجھے وہاں موجود پا کر سب کی جان میں جان آئی۔ وہ سب نیچے اُترے شیر مر چکا تھا صاحب نے قریب پہنچکر مردہ شیر کے کان میں بالی جو دیکھی تو حیران رہ گئے اور میرا منہ تکنے لگے۔ میں ہنسا اور ان کو کل واقعہ بتلایا۔ اور کہا کہ اگر اسوقت میں شیر کو ایک منٹ بھی اور اپنی گرفت میں رکھتا اور ایک آدھ گھونسا یا ڈنڈا

اسکے مار دیتا تو فوراً جہنم میں پہنچ جاتا مگر میں تو یہ چاہتا تھا کہ وہ آپکے ہاتھ سے مارا جاوے۔ اس لیئے اسکو بالی پہنا کر آپکے پاس روانہ کر دیا تھا صاحب بے انتہا خوش ہوئے۔ فوراً جیب سے ایک سو روپیہ کے نوٹ نکالکر مجھے دیئے اور میرا نام خاں معراج الدین بہادر رکھدیا۔

غرض معراج اسی طرح کے قصے سنا سنا کر اپنی حماقتوں سے لوگوں کو خوش کیا کرتا تھا۔ کلنڈنی میں پہلی شب کے حادثہ کے اگلے دن لوگوں نے اسکو کہا کہ تو جو اپنی بہادری اور شیروں سے لڑائی کے راگ گایا کرتا ہے کیا تجھسے رات کو ایک بیکس آدمی کو چیتے کے پنجہ سے چھڑایا نہ گیا۔ بلکہ تو شور سننے کے باوجود بھی دم سادھے اپنے بستر پر پڑا رہا۔ اسوقت تیری بہادری اور جوانمردی کہاں گئی تھی۔ یہ سنکر مسخرا جواب کیا دیتا ہے کہ بھئی اسوقت میں جاگ تو ضرور رہا تھا مگر میری طبیعت ذرا خراب تھی مجھے زکام کی تکلیف زیادہ تھی۔ ورنہ اگر میری طبیعت اچھی ہوتی تو مجال تھی اس مردود چیتے کی ایک قدم بھی بڑھاتا

ناظرین یہ ہے مختصر سرگذشت میرے ہمراہیوں کی۔ میرے ہندوستان سے افریقہ تک کے سفر اور کلنڈنی میں بود و باش اختیار کرنے کی۔ اب اسکے بعد میں نے مختلف مقامات و دیگر عجائبات جو دیکھے ان کا حال قلمبند کرتا ہوں۔

باب دوسرا

شہر ممباسہ اور اُس کے مختصر حالات

ممباسہ مشرقی افریقہ کے ساحل پر ایک بڑا شہر ہے اسکی شکل بالکل ایک چھوٹے جزیرے کی ہے۔ جس کی تین جانب سمندر رہے اور چوتھی طرف اسکو براعظم افریقہ سے ایک بڑی اور گہری ندی جدا کرتی ہے۔ اس جزیرہ کے دوسری جانب مقام کلنڈنی آباد کیا گیا ہے۔ ندی اتنی چوڑی اور گہری ہے کہ بڑے بڑے جہاز جو انگلستان سے ریلوے سامان سے لدے ہوئے آتے ہیں۔ ندی کے راستے کلنڈنی پہنچ جاتے ہیں۔ جس سے ریلوے کے لئے بڑی آسانی ہے۔ ممباسہ شہر میں بھی خوب رونق ہے یہاں کے اصلی باشندے سواحلی کہلاتے ہیں۔ عرب بھی یہاں کے پرانے باشندے ہیں۔ ان کے علاوہ ہندوستان کی بہت سی قومیں خوجہ بوہرہ، گجراتی اور پارسی لوگ کثرت سے آباد ہیں۔ اور یہاں کی بڑی تجارت انھیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ یورپین شکلیں بھی یہاں دیکھائی دیتی ہیں۔

یوگنڈا ریلوے کی وجہ سے ممباسہ ایک بڑا تجارتی مرکز بن گیا ہے۔ اور کل ضروریات انسانی کی اشیا یہیں سے خرید کر ریل ہیڈ تک بھیجی جاتی ہیں۔ سوداگری کی بہت سی بڑی بڑی دوکانیں بھی یہاں موجود ہیں اور ہر قسم کا مال یہاں مل سکتا ہے ایک نووارد کو قدم قدم پر نئی اور دلچسپ چیزیں نظر آتی ہیں۔ شہر کے اندر اور چہار جانب

سبزہ زار ہے۔ علاوہ اس کے کہیں تو سفید رنگ کے پختہ مکانات ہیں اور کہیں سواحلی
لوگوں کی کچی جھونپڑیاں۔ پام کے سبز اور ناریل کے لمبے لمبے درختوں کے درمیان
دکھائی دیتے ہیں اور آموں کے درخت بھی کثرت سے ہیں۔ شہر سے کچھ فاصلہ
پر سبز گھنے جنگل اور پہاڑیوں کا نظارہ بڑا دلکش ہے۔ سمندر کے کنارہ پر
ایک بہت بڑا قلعہ واقع ہے۔ جسکو ساڑھے تین سو برس قبل پرتگیزوں نے
بنایا تھا۔ ایک پرتگیزی امیر ڈی گاما (DEGAMA) بہت سے جہازوں
سمیت یہاں داخل ہوا۔ اور عربوں سے یہ علاقہ فتح کر کے قلعہ کی تعمیر کی۔ ممباسہ
میں اب بھی ایک بازار اس کے نام سے موسوم ہے لیکن عربوں نے جلد ہی
کچھ عرصہ کے بعد پرتگیزوں کو مار کر وہاں سے نکال دیا اور قلعہ و شہر پر قبضہ
کر لیا۔ اور پھر قدیم طریقہ پر وہاں کے حکمراں ہو گئے۔ رفتہ رفتہ عربوں کے زیر اثر
وہاں کے اصلی باشندے بھی مہذب ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ اب انہیں سے
بہت سے کاروباری لوگ ہو گئے ہیں۔ عام طور پر سواحلی زبان یہاں رائج
ہے یہ سب علاقہ اور جنگلات سلطان زنجبار (ZANGIBAR) کے زیر حکومت
تھا ۱۸۸۵ء میں سید برغاش سلطان زنجبار سے ایک انگریزی کمپنی نے کچھ
سالانہ معاوضہ پر یہ کل علاقہ یعنی ممباسہ سے یوگنڈا تک لے لیا اور یہ دی امپیریل
برٹش ایسٹ افریقہ کمپنی THEIMPERIALBRITISHEASTAfrica C/
کے نام سے مشہور ہوئی۔ مگر برٹش گورنمنٹ نے اس کمپنی سے سمجھوتہ کر کے اس خطہ
کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ بعدہ ۱۸۹۵ء میں فارن ڈیپارٹمنٹ نے اپنا دخل کر کے اور
یوگنڈا ریلوے اسکیم کو منظور کر کے اس ریلوے کی بنیاد ڈالی۔ اس کی تیاری

کے لئے ہندوستان سے بہت بڑی امداد لی گئی۔ لاہور میں اسکے لئے آدمیوں کی بھرتی کا کام شروع ہوگیا اور ہزاروں ہندوستانی مشرقی افریقہ پہونچا دیئے گئے ہندوستان میں اسوقت زمانہ قحط سالی کا تھا۔ ہندوستانیوں کو علاوہ تنخواہ کے راشن بھی ملتا تھا۔ لہذا غریب اور مفلس ہندوستانیوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ہر قسم کے پیشہ ور لوگ جوق در جوق جانا شروع ہوگئے ایک مزدور کی ماہواری تنخواہ بارہ ۱۲ روپیہ ان کے جمعدار کی پچیس ۲۵ روپیہ بڑھئی لوہار فیٹر اور معماروں کی پینتالیس روپیہ علاوہ راشن کے تھی اسی طرح کلرک نقشہ نویس لوگ بھی کثرت سے جارہے تھے۔ راشن ایک آدمی کو اسکی ضرورت سے زیادہ ملتا تھا۔ اکثر لوگ جو کچھ فالتو بچ رہتا تھا اسکو بیچ بھی لیتے تھے۔

جب کلنڈنی میں ریلوے دفاتر قائم ہوئے اور لائنوں کی تیاری شروع ہوگئی تو ایک سواحلی سردار نے جس کا نام مبارک بن رشید تھا اس علاقہ کا دعویدار ہوکر سلطان زنجبار کے خلاف بغاوت پیدا کر دی اور انگریزوں کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اور برٹش فوجی طاقتوں نے اسکو اس علاقہ سے باہر نکال دیا۔

اب روز بروز کلنڈنی کی رونق بڑھنا شروع ہوگئی۔ جہازوں کی بکثرت آمد و رفت نے اسے ایک تجارتی بندرگاہ بنا دیا۔ علاوہ بریں ریلوے کے کارخانے اور دفاتر میلوں کے رقبہ میں پھیل گئے۔ بازار، دوکانیں اور مکانات بن گئے گو کہ یہ عمارات جست کی نالی دار چادروں سے تیار کی

گئی تھی۔ تاہم نہایت اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ بازاروں میں ہر قسم دوکاندار
پہونچ گئے۔ پنجابیوں کی ضرورت کی کل اشیا بازار میں مہیا ہو سکتی تھیں
اور کسی قسم کی دقت پیش نہ آتی تھی۔ بزاز۔ درزی۔ دھوبی، منہیار۔
حجام وغیرہ سب قسم کے پیشہ ور لوگ پنجاب سے آکر یہاں آباد ہو گئے
تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدائی زمانہ میں بڑی گرانی تھی۔ یہانتک
کہ حقہ کی ایک چلم جو ہندوستان میں ایک پیسہ کو ملتی تھی وہ وہاں آٹھ
آنہ سے کم میں فروخت نہ ہوتی تھی۔ دیسی جوتہ کم سے کم پانچ چھ روپیہ
میں بکتا تھا۔ معمولی قمیص کی سلائی دو روپیہ سے کم نہ ہوتی تھی۔ غرضکہ بے
انتہا مہنگا سمان تھا۔ لیکن پنجاب والوں نے بھی کمال کر دیا۔ تھوڑے ہی
عرصہ میں اپنے دیس اور صوبہ کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز تک یہاں لاکر موجود کر دی
دیسی تمباکو مٹی کے حقہ چلمیں، پان سگریٹ نہایت آسانی سے بکثرت ملنے لگے
حلوائی۔ نان بائی، پنساری، بساطی اور پرچونی دوکانیں بیسیوں کھل گئیں۔
انتہا یہ ہے کہ ہندوستانی پیشہ ور رنڈیاں بھی یہاں آکر قیام پذیر ہو گئیں
شام کے وقت اگر کہیں بازار میں سے گذر ہو گیا تو اپنی حالت مسافرت
فراموش ہو جاتی تھی غیر ملک کا احساس ہونا تو درکنار یہ معلوم ہوتا تھا کہ کلنڈنی
خاص پنجاب کا کوئی شہر ہے۔ ہر طرف پنجابی صورتیں نظر آتی تھیں اور پنجابی
بولی کی آوازیں چہار جانب سنائی دیتی تھیں۔ ہاں مگر یہاں سے صرف
تین میل کے فاصلے پر ممباسہ میں یہ کیفیت نہ تھی وہاں البتہ ہر وقت بھی
خیال رہتا تھا کہ ہم دور از وطن افریقہ میں مقیم ہیں اسلیئے قدم قدم پر

اجنبی لوگوں اور اجنبی اشیاء سے سابقہ پڑتا ہے۔
اسی دوران میں ریلوے لائن کافی بڑھ چکی تھی۔ دوکاندار اور پیشہ ور لوگ بکثرت بڑھ چکے تھے۔ اور موجودہ ریل ہیڈ تک پہونچ چکی تھی اور ریل ہیڈ کے ساتھ ساتھ یہ لوگ بھی بڑھتے چلے جاتے تھے۔ جسوقت میں ممباسہ پہونچا ہوں ریل ہیڈ نیروبی کے آگے تک پہونچ چکا تھا۔ یعنی ممباسہ سے تقریباً ساڑھے تین سو میل کے فاصلہ تک لائن طیار ہو چکی تھی۔ راستہ میں لائن پر کئی اسٹیشن قائم ہو چکے تھے اور ریلوے ٹرین بھی چلنا شروع ہو گئی تھی۔ نیروبی چونکہ ممباسہ اور یوگنڈہ کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ اسلئے اسکو ریلوے کا ہیڈ کوارٹر قرار دیا گیا اور اسطرح ایک بڑے شہر کی بنیاد ڈالی گئی۔ میلوں زمین صرف کر کے ایک بہت بڑے اور عالیشان شہر کا نقشہ تیار کیا گیا۔ ریلوے اسٹیشن۔ ریلوے دفاتر۔ ریلوے ورکس شاپ اور دیگر کوارٹر بہت جلد تعمیر ہو گئے اور آباد کر دیئے گئے۔ اور اچھی خاصی چہل پہل ہو گئی۔
کلنڈنی میں میرا قیام ایک ماہ تک رہا اسی دوران میں کئی مرتبہ میں شکار کے لئے بھی گیا۔ جنگل تو چاروں طرف موجود ہی تھا۔ دو چار میل کے فاصلے تک چلا جاتا اور کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹتا۔ معراج کے علاوہ ایک سواحلی نوجوان جس کا نام قاسم بن منصور تھا میرے ساتھ شکار میں رہتا۔ یہ نوجوان کچھ دن پہلے ریلوے ورکشاپ میں ملازم رہ چکا تھا لیکن ان دنوں بیکار تھا اور تنہا تھا۔ لہذا یہ میرے پاس رہنے لگا

یہ بعد میں نہایت ہی اچھا خدمتگار ثابت ہوا۔ میں ایک مہینہ ہی میں سواحلی زبان اچھی خاصی سیکھ گیا اور گفتگو بآسانی کرنے لگا۔

اب مجھے نیروبی جانے کا خیال پیدا ہوا۔ افریقہ پہونچنے سے ایک سال قبل ۱۸۹۸ء میں جبکہ ریل ہیڈ ساؤ تک پہونچا تھا۔ ساؤ ممباسہ سے ایک سو بتیس ۱۳۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں ساؤ دریا پر ایک بہت بڑا پل تعمیر کیا جارہا تھا جسکی وجہ سے ایک مدت تک ریل ہیڈ کا کیمپ ساؤ میں رہا۔ اسوقت دو مہیب شیر ببر آدم خور مشہور ہو گئے تھے۔ آدمی کا خون ان کے منہ کو لگ گیا تھا۔ اور انھوں نے روزانہ کیمپ میں سے آدمیوں کو غائب کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس سے ہیجان برپا ہو گیا تھا تمام کیمپ میں انتہائی بے چینی پھیل گئی تھی ان دنوں تمام لائن پر شیروں اور دیگر درندوں کی خونخواری کے واقعات ہر مقام پر مشہور اور ہر شخص کی نوک زبان پر تھے۔ جو کہ دہشت کے ساتھ سنے جاتے تھے۔ دنیا کے تمام اخباروں میں ان واقعات اور حادثات کا چرچا تھا ساؤ کے شیروں نے تو ایسا اودھم مچایا کہ خدا کی پناہ۔ ہر طرف کھلبلی پڑی ہوئی تھی۔ لوگ مارے خوف کے کام سے جی چراتے تھے۔ ہر وقت ہر گھڑی اور ہر جگہ جان کا خطرہ تھا۔ چنانچہ اس پریشانی کے سبب سے ایک عرصہ دراز تک ریلوے لائن کا کام بند رہا۔ آخرکار کرنل پٹرسن انجینیر انچارج ریل ہیڈ ساؤ نے اپنی زندگی کو محض خطرہ میں ڈال کر یکے بادیگرے ان دونوں آدم خوروں کا شکار کیا اور لاتعداد انسانوں

کی تشویش اور پریشانی کو رفع کیا اس مہم کے تفصیلی حالات آئندہ پیش کیے جائینگے۔

باب تیسرا

سفر نروبی

اب میرے دل میں نروبی جانیکا خیال پیدا ہو چکا تھا قاسم بن منصور نے اسوقت میرے ساتھ نروبی چلنے کی خواہش ظاہر کی اس نے کہا کہ میں آپ کی خدمت کرونگا جنگل اور شکار میں آپ کے ساتھ رہونگا۔ مجھے درحقیقت ایک بہادر آدمی کی ضرورت بھی تھی قاسم ایک دلیر اور نڈر نوجوان تھا اور اسکی وفاداری اور خدمتگذاری نے میرے دل میں جگہ پیدا کر لی تھی، چنانچہ میں نے بخوشی اسکو اپنے ساتھ ماہواری پر لیجانا منظور کر لیا وہ بھی بہت مسرت کے ساتھ میرے ساتھ چلنے کو تیار ہوگیا میرا ارادہ تھا کہ نروبی پہونچکر اسکو اپنا ہیڈ کوارٹر بنالوں، اور اسکے قرب وجوار کے جنگلات میں وقتاً فوقتاً چکر لگاتا رہوں، اور جنگلی قوموں کی قیام گاہوں میں دورہ کر کے ہاتھی دانت اور گینڈے کے سینگ حاصل کروں، اسوقت یہ ہزاروں روپیہ کی چیزیں ان لوگوں سے کوڑیوں کے مول دستیاب ہو جاتی تھیں ان دنوں ہاتھی دانت کے بڑے سوداگر ممباسہ میں حاجی سیٹھ اسمٰعیل تھے ان سے میں نے مال کی سپلائی کے متعلق گفت وشنید کر لی تھی، انھیں کے مشورہ

سے میں نے ممباسہ میں نقلی موتی اور لوہے اور تانبے کی موٹی تاروں کے بنڈل اور کپڑے ان جنگلیوں کے لیئے خریدے۔ ایک چھولداری اور دیگر ضروری سامان خورد و نوش بھی اپنے لئے خرید کر میں معہ معراج اور قاسم کے پوری طرح سفر نروبی کے لیئے کمربستہ ہوگیا۔

بالآخر ۱۲ اگست ۱۸۹۹ء کی صبح کو ہم نروبی جانیوالی گاڑی پر سوار ہو گئے اور ممباسہ و کلنڈنی کو خیر باد کہدیا گاڑی کلنڈنی سے روانہ ہوئی دس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہر دو جانب جنگل شروع ہو گئے۔ یہ نظارہ بڑا دلفریب تھا یہ وحشت نہیں بلکہ چمن معلوم ہوتے تھے۔ عجب بہار چھائی ہوئی تھی۔ جی بے اختیار اُسی جانب دیکھنے کو چاہتا تھا۔ ہوا کے جھونکے نہایت فرحت بخش تھے۔ اس کیفیت میں گاڑی کی پشت کی جانب جو نظر کی تو عجب دلکش سماں نظر آیا دور دور تک نیلی نیلی پہاڑیوں کے بیچ میں ممباسہ اور کلنڈنی کی سفید سفید عمارات اور سنہری دھوپ میں سمندر کا چمکتا ہوا پانی صاف نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ مگر انقلاب دہر کی طرح یہ فرحت افزا مناظر نظروں سے اوجھل ہونا شروع ہوئے حتیٰ کہ اب چمنستانوں کی بجائے لائن کی دونوں جانب ریگستان اور ویران صحرا نظر آنے لگے اور سامنے کی طرف ربائی کے بلند پہاڑوں کی چوٹیاں دکھائی دینے لگیں۔ ریگستان میں کہیں کہیں پر خشک درختوں کے جھنڈ اور کہیں کہیں پر چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کی قطاریں تھیں۔ حد نظر تک سوائے ریگستان کے چمکتے ہوئے ریت کے دوسری چیز نہ تھی۔ تقریباً بیس میل تک یہی نظارہ

نگاہوں کے سامنے رہا۔ اب پھر تبدیلی واقع ہوئی اور گاڑی ایک بہت
بڑے اور گھنے جنگل میں داخل ہوئی اس جنگل میں جانور بے انتہا معلوم ہوتے
تھے۔ گو کہ وہ صاف دکھائی نہ دیتے تھے۔ اس لئے کہ جنگل بے حد گھنا تھا۔
ہاں مگر گاڑی کی گڑگڑاہٹ سے خوفزدہ ہو کر اکثر قریب کے جانور بھاگتے
اور چوکڑیاں بھرتے دکھائی دیتے تھے۔ گاہے گاہے جنگلی انسانوں کی جھونپڑیاں
اور اُن کے بچے بھی نظر آجاتے تھے۔ دوپہر ڈھل چکی تھی سفر بھی تقریباً اسی میل
سے زیادہ طے ہو چکا تھا، اور اب بجائے گھنے جنگل کے وسیع میدان اور کھلے جنگل
ہمارے سامنے تھے۔ ہم میدان اور جنگل پر نظر جمائے ہوئے تھے کہ ایسا نظارہ
دیکھا جو کبھی نہ بھولا۔ انجن کی سیٹی اور ریل گاڑی کی آواز سے شتر مرغوں کا
ایک بڑا غول نکل آیا اور خوفزدہ ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کیا۔ بعض تو
ان میں سے ایسے بدحواس ہوئے کہ گاڑی کے ساتھ ہی ساتھ دور تک دوڑتے
چلے آئے انکی چال عجیب بے ڈھنگی اور تیز تھی۔ تھوڑی دیر بعد جنگلی گدھوں
نے بھی ہو بہو یہی منظر پیش کیا۔ بڑا لطف آ رہا تھا۔ جانوروں کی بدحواسی
اور سراسیمگی قابل دید تھی کہ بجائے گاڑی سے دور بھاگ جانے کے بہت
سے گاڑی کے بالکل قریب آکر وحشت میں ساتھ ہی ساتھ دوڑنے لگتے
یہ ریل کا سفر کیا تھا۔ بائیسکوپ کا فلم تھا جو صبح سے شام تک ریل کی رفتار کے ساتھ چلکر
نوع اقسام کے سین دکھاتا رہا۔ سہ پہر کے وقت گاڑی بوئی اسٹیشن پر
پہونچی جو کہ ممباسہ سے تقریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہاں گاڑی
کچھ دیر رکی اور ہم نے ذرا ٹہل کر اپنا کسل دور کیا پھر سوار ہو گئے۔ گاڑی

روانہ ہوئی اور پھر ایک مرتبہ خوشنما جنگلوں میں گذرنے لگی، جنگل دور دراز تک سرسبز اور شاداب نظر آتے تھے۔ جنوبی حصہ میں ہرے بھرے بہار دیکھائی دے رہے تھے یہ پہاڑ نڈائی (NDII) کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں واٹائی ٹا (WATAITA) قوم کے جنگلی لوگ آباد ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بڑے ساحر اور جادوگر ہیں۔ انکی قوت اور سحر کے کارناموں کے متعلق بہت سے افسانے مشہور ہیں تقریباً ایک گھنٹہ مسافت کے بعد جنگلوں کا سین پھر بدل گیا ایکی دفعہ یہاں تک نظر کام کرتی تھی جنگل میں خشک پستہ قد کانٹے دار اور بغیر پتوں کے درخت دیکھائی دیتے تھے اور اتنے گھنے تھے کہ کسی چھوٹی سی چیز کا گذر بھی ان میں سے ناممکن تھا۔ جنگل کے عقب میں فاصلہ پر سرخ سیاہی مائل پہاڑوں کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد پہاڑ صاف معلوم ہونے لگے یہ کلیما بخارو مشرقی افریقہ کے مشہور پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔

۴ بجے شام کے بعد گاڑی ساؤ اسٹیشن پر پہنچی۔ یہ وہی مقام ہے جو آدم خور شیروں کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کر چکا ہے، اور یہیں ساؤ دریا کا پل تعمیر ہوا تھا۔ جب ریلوے لائن یہاں تک پہنچ چکی تھی تو ریلوے کیمپ ایک عرصہ دراز تک یہیں رہا۔ جس میں چار پانچ ہزار آدمی موجود تھے جن میں سے سیکڑوں ان آدم خور شیروں نے کھا ڈالے۔ یہ کہنا کہ ساؤ پل اور یوگنڈا ریلوے ہم انسانی خون سے تعمیر ہوئی ہے۔ بیجا نہ ہوگا۔ یوں تو کل لائن پر اس قسم کے واقعات کم و بیش پیش آتے رہے مگر اس حصہ میں خصوصاً ساؤ اسٹیشن کو خاص شہرت حاصل ہے۔ یہاں تو قیامت برپا تھی۔ جبتک گاڑی یہاں

کھڑی رہی میں ہر طرف اس مقام کی موجودہ حالت دیکھتا رہا۔ اور میں نے قوت متخیلہ سے کام لیکر یہاں کی ایک سال قبل کی حالت کا نقشہ دماغ میں کھینچا تو مجھے ہر طرف ٹیبری ہی ٹیبر نظر آئے۔ اور ریل ہیڈ کے کیمپ والوں کی مصیبت زدہ زندگی نظروں میں پھر گئی۔ ساؤ اسٹیشن سے روانہ ہونے کے بعد شام ہو گئی۔ آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ اسکی رخصتی اور سرخی مائل کرنیں گرد و نواح کی اشیاء پر پڑکر عجیب لطف پیدا کر رہی تھیں۔ ہوا میں خنکی پیدا ہو گئی تھی اور رفتہ رفتہ اندھیرا چھا گیا۔ گاڑی کی سب کھڑکیاں بند کر دی گئیں اور رات کا کچھ حصہ گذرنے کے بعد ہم لوگ سو رہے۔ دن چڑھنے پر کھڑکیاں کھولی گئیں۔ اور ہماری گاڑی مختلف و دلکش مناظر سے گذر کر بالآخر ۱۵ اگست ۱۱ بجے دن تک نیروبی اسٹیشن تک پہونچ چکی تھی اور اسطرح ہمارا یہ سفر بھی بخیر و خوبی تمام ہوا۔

باب چہارم

نیروبی میں قیام اور مصروفیت

نیروبی اسٹیشن سے ہم لوگ سیدھا بازار پہونچے وہاں حسن اتفاق سے ڈاکٹر رحمت علی سے ملاقات ہو گئی اور ہم اس دن ڈاکٹر رحمت علی اسسٹنٹ سرجن کے مہمان رہے۔ بعد ازاں بازار میں ایک مکان

کا انتظام کر لیا۔ نئی آبادی ہونے کے سبب سے ہر قسم کے پیشہ وروں کی
بہت ضرورت تھی۔ جب لوگوں کو اس کا علم ہوا کہ میں ڈاکٹر ہوں تو میرے
پاس کثرت سے مریض آنا شروع ہو گئے۔ مجھے اپنے پیشہ کے فروغ کے لئے
کسی اشتہار کی ضرورت نہ پڑی اس لئے کہ اول تو میری آمد کی خبر جبار مریضوں
کے ذریعہ سے بہت جلد ادھر ادھر پھیل گئی اور دوسرے معراج جیسا مجسم
اشتہار میرے ساتھ تھا۔

میرے پاس زیادہ تر ایک ہی مرض کے مریض آنا شروع ہوئے۔ یعنی کسی
کے پاؤں زخموں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور کوئی ہاتھ پر زخم لئے ہوئے ہے
یہ ایک عام مرض تھا جس کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ ایک بہت چھوٹی قسم
کا کیڑا اس علاقہ میں پایا جاتا ہے جسکو وہاں کی زبان میں ڈُدڈُو کہتے ہیں
یہ کیڑا پلنگ کے کیڑے کی طرح انسان کے بدن میں خصوصاً ہاتھ پاؤں میں
داخل ہو جاتے ہیں۔ کیڑے کے داخل ہونے کے تین چار روز بعد اس مقام
پر سخت خارش اور کھجلی شروع ہو جاتی اور وہ پک کر پھوڑے کی شکل
اختیار کر لیتا اور جب اسوقت اسکی جگہ کو نشتر سے کھولا جائے تو اندر
سے ایک لیسدار چیز نکلتی ہے۔ جس کے نکل جانے کے بعد خالی جگہ سے
مواد نکلنا شروع ہوتا ہے۔ مجھے چونکہ سرجری کے کام سے گہری دلچسپی تھی
اس وجہ سے مریضوں کی دیکھ بھال اور ان کے مرض کا علاج نہایت
دلچسپی سے کرتا۔ مریض خدا کے فضل سے اچھے ہونے لگے اور میرے
یہاں مریضوں کا ایک بڑا ہجوم روزانہ صبح سے شام تک رہنے لگا

اور یہاں مریضوں کے اتنا محو ہو گیا کہ کچھ عرصہ تک اپنی اسکیم پر عمل کرنے سے قاصر رہا کبھی کبھی معراج اور قاسم چند روز کیلئے جنگل میں چلنے اور شکار کی خواہش کرتے لیکن میں اب یہ چاہتا تھا کہ اپنی معلومات وسیع کر کے ان تمام خطرات سے آگاہ ہو جاؤں جو جنگل میں پیش آ سکتے تھے چنانچہ اس حال میں مجھے وہاں چند مہینے گذر گئے۔ نیروبی کے اور تھوڑے سے حالات بھی قلمبند کرتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کو میری بود و باش کا مکمل اندازہ ہو جائے نیروبی ممباسہ سے ۲۲۷ میل ہے یہ شہر چونکہ یوگنڈا ریلوے کا ہیڈ کوارٹر بنایا گیا ہے اس لئے اس کی آبادی دیکھتے ہی دیکھتے میلوں کے رقبہ میں پھیل گئی۔ گو کہ جتنی عمارت بن رہی تھی۔ کلنڈنی کی طرح عارضی اور جست کی چادروں سے بنائی جا رہی تھی۔ لیکن آبادی اور رسوخ یہاں کلنڈنی سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔ بازاروں میں بڑی رونق اور چہل پہل تھی۔ ریلوے دفاتر اور ورک شاپ کے علاوہ دوسرے محکموں کے دفتر کوارٹر، ہسپتال۔ کوتوالی، کچہری اور ڈاکخانہ سب بن گئے تھے۔ بازاروں میں ہر قسم کا مال آنے لگا۔ جگہ جگہ خوانچہ والے صدائیں لگاتے پھر رہے ہیں۔ شام کو دیکھئے تو پنجابی قلی آلو چھولے اور چاٹ کھا رہے ہیں۔ طرح طرح کی مٹھائیاں۔ پوری کچوری اور کباب وغیرہ سب بک رہے ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ پوری ایک درجن رنڈیاں مع اپنے اپنے استادوں کے نیروبی کے آباد ہوتے ہی یہاں پہنچ گئیں۔ ان کی آمد سے بازاروں کی رونق اور بڑھ گئی۔ پنجابیوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں انکے

مکانوں کے گرد چکر لگانے لگیں۔ سرِ شام ہی ہر جگہ طبلہ ٹھنکنے اور تالوں کی صدا آنے لگتی اور لوگوں کا ان کے ہاں خوب مجمع ہو جاتا۔

چندہ جان۔ موتی جان۔ بوٹا جان جو گھر سے غالباً کرایہ بھی ادھار لیکر آئی ہونگی خوب روپیہ اکٹھا کرنے لگیں ہاتھ پیروں میں سونا ہی سونا ہوگیا ایک روز شام کو مغرب کے بعد میں اپنے مکان میں بیٹھا تھا۔ چند آدمی میرے ملنے والے اور بھی موجود تھے ایک رنڈی (جس کا نام بعد میں معلوم ہوا بوٹا جان تھا اور لاہور کی رہنے والی تھی۔ ہاتھوں میں پیتل کا ایک تھال لئے ہوئے اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ تھال میں ایک آٹے کا چراغ جل رہا تھا۔ ایک ہاتھ کا پنجہ چاندی کے پتر کا کٹا ہوا تھا۔ ایک سبز ریشم کی جھنڈی، کچھ مٹھائی تھی۔ وہ یہ سب لیکر میرے سامنے پہنچی اور تھال کو میز پر رکھ دیا اور بڑے ادب سے ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر میرے سامنے کھڑی ہوگئی۔ زبان سے صرف اتنا ہی کہا۔ سید بادشاہ تیرے دربار میں یہ نیاز حاضر ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا، حیران تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں اسکو کیا جواب دوں۔ نہ میں اسکو جانتا ہوں اور نہ کبھی اسے دیکھا۔ پھر اس نے ایسی جرأت کیونکر کی۔ میں اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ میرے ایک ساتھی نے آہستہ سے کہا۔

یہ لوگ سید زادوں پر بہت اعتقاد رکھتی ہیں۔ اور ان کو بہت مانتی ہیں۔ اسکی دل شکنی مناسب نہیں ہے۔ ابھی تک وہ اسی طرح سر جھکائے اور ہاتھ جوڑے کھڑی تھی آخر میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا

اور دعا دی۔ یہی اسکا منشا تھا اس نے میرے ہاتھ پر بوسہ دیا اور سلام کر کے واپس چلی گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں معراج نشکی آمد و رفت ہے لہذا خیال ہوا کہ اس کارروائی میں معراج کا بھی حصہ ہوگا شروع میں اس مقام پر بھی شیروں اور چیتوں نے نقصان پہونچائے۔ بہت سے انسانوں کی جانیں گئیں۔ مردم خور انسانوں نے بہت سے ہنجا بیوں کا شکار کیا۔ اسوقت نیروبی کے گرد نیلی نیلی پہاڑیاں اور جنگل بکثرت تھے اور آبادی سے ملی ہوئی ایک ندی بہ رہی تھی اس علاقہ میں دو بڑے جنگلی قومیں آباد ہیں۔ ایک واکیکویو دوسری میسائی آخرالذکر قوم بڑی جنگجو اور خونخوار ہے ان لوگوں کے گروہ کے گروہ دن بھر نیروبی کے بازاروں میں پھرتے نظر آتے تھے۔ مرد بالکل ننگے۔ بعض کے پشت پر کسی جانور کی کھال کا ٹکڑا لٹکتا رہتا ہے۔ ہر ایک کے پاس تیر کمان اور نیزہ کا ہونا لازمی ہے۔ گویا ہر وقت جنگ و جدل کے لئے تیار رہتے ہیں۔ جسم پر سرخ روغن سا ہر وقت ملے رہتے ہیں۔ یہ اپنے سردار کے بڑے فرمانبردار ہوتے ہیں۔ کچا گوشت ان کی عام خوراک ہے۔ اپنے ہاتھ سے ہر قسم کے جانور کا شکار کرتے ہیں اور کچا کھا جاتے ہیں۔ یہ اپنے اوپر کے سامنے والے دو دانت کسی تیز چیز سے کاٹ کر نوکیلے بنا لیتے ہیں۔ جو کچا گوشت نوچنے میں خوب مدد دیتے ہیں۔ یہ نیزہ اور تیر کے نشانہ پر خوب قادر ہیں۔ کبھی ہاتھ خطا نہیں کرتا۔ جنگلوں میں یہ لوگ گھاس اور تنکوں کا گھر تیار کر کے رہتے ہیں۔ بھیڑ، بکری وغیرہ پالتے ہیں۔ انکی عورتیں

ستر پوشی کے لئے کمر میں چمڑہ لپیٹ لیتی ہیں۔ ہاتھوں اور ٹانگوں میں موٹی لوہے اور تانبے کے تاروں کو بل دیکر چوڑیوں کی طرح پہنتی ہیں اور گلے میں نقلی موتی بڑے شوق سے پہنتی ہیں۔ شروع میں جب ریل ہیڈ کا کیمپ یہاں تک پہونچ گیا تھا تو جنگلی مرد اور عورتیں انسانوں کا تماشا دیکھنے آتے تھے۔ اگر کوئی قلی ان کو روٹی دیتا تو وہ اُسے سونگ کر پھینک دیتے لیکن آہستہ آہستہ یہ لوگ ان چیزوں کی طرف راغب ہونے لگے پھر تو مانگ کر بھی روٹی چاول کھا لیتے۔ اب تو انکی عورتیں جنگل سے جلانے کی لکڑی اور دودھ لا کر بیچتی ہیں۔ مرد بھی مزدوری یا نوکری کرنے لگے ہیں۔ زمانہ کی رفتار کے ساتھ وہاں کی حالت بدلتی گئی وہ نیروبی جو کبھی وحشت ناک جنگل تھا بعد غروب آفتاب لوگوں کی ہمت گھر سے باہر قدم نکالنے کی نہ ہوتی تھی۔ آج وہی ایک عالیشان شہر کی حیثیت رکھتی ہے۔ عمدہ بازار پختہ سڑکیں۔ بجلی کی روشنی کئی کئی منزل کے پختہ مکانات باغات، گھوڑ دوڑ کے میدان، عالیشان مسجدیں اور مندر گوردوارے بائسکوپ۔ تھیٹر، غرض کون سی ایسی چیز ہے جو وہاں نہیں ہے یہ تو ہے اسکی موجودہ زمانہ کی کیفیت۔ مگر جس حال میں میں نے اسکو دیکھا اور جیسا دیکھا اس کا حال میں نے ہو بہو پیش کر دیا۔ یہ جو کچھ ترقی وہاں ہوئی سب میرے بعد ہوئی۔ نیروبی میں اپنی ڈاکٹری کے پیشہ میں مصروف تو تھا ہی مگر ساتھ ہی ساتھ جنگلی قوموں کے متعلق بھی معلومات حاصل کرتا رہا۔ جو کہ میری اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اشد ضروری تھے۔ مجھے کرنل پیٹرسن سے

ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ میری خواہش تھی کہ ان سے ملکر ساؤ کے آدم خوروں کے واقعات خود انکی زبان سے سنوں۔ اتفاق سے وہ ان دنوں نروبی ہی میں موجود تھے اور کہا جاتا تھا کہ جلد ہی انگلستان واپس جانیوالے ہیں ایک روز میں ان سے ان کے دفتر میں جاکر ملا۔ بہت اخلاق سے پیش آئے اور میرے عرضِ مدعا پر انھوں نے مجھے اگلے اتوار کی شام کو اپنے یہاں چائے پر مدعو کیا چنانچہ وقت مقررہ پر میں ان کے خیمہ میں جا پہونچا۔ اور وہاں ان سے دو گھنٹہ سے زیادہ گفتگو رہی۔ تمام حالات تفصیل کے ساتھ حادثات کے انھوں نے مجھے بتائے اور صرف یہی نہیں بلکہ از راہ کرم انھوں نے بہت سے حالات مجھے نوٹ کرا دیئے اور جنگلی قوموں کے متعلق بہت سی معلومات میں نے ان سے حاصل کرکے نوٹ کرلیں اس پہلی ملاقات کے بعد اکثر میں ان سے ملتا رہا۔ آخرکار دسمبر ۱۸۹۹ء میں واپس انگلستان چلے گئے۔

باب پانچواں

بادشاہ دشت اور اسکے خصائل!

براعظم افریقہ شکار کے نقطۂ خیال سے روئے زمین پر اپنا ثانی نہیں رکھتا اس کا بیشتر حصہ گھنے جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے خصوصاً وسطی افریقہ کہ جہاں صحرائے اعظم جیسا جنگل موجود ہے۔ ہزاروں قسم کے خونخوار درندوں وحشی جانوروں اور جنگلی و خونخوار انسانوں سے بھرا پڑا ہے۔ علاوہ اس کے ملک کے جنوبی اور مشرقی خطوں کی بھی یہی حالت ہے جنگلی ہاتھی، خونخوار بھینسے مارخور سانڈ، جنگلی بیل، گینڈے، چیتے، اژدہے، گھڑیال، ہیپوپوٹامس بہ کثرت سے موجود ہیں۔ لیکن سب سے زبردست جانور جو یہاں ہے وہ شیر ببر ہے کہ جسکو دنیا تمام جانوروں کا بادشاہ تسلیم کر چکی ہے۔ درحقیقت یہ ذی رعب جانور جنگلات افریقہ کا شہنشاہ ہے۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا جانور بھی عادات و خصائل میں اسکا مقابل نہیں ہو سکتا جسقدر یہ یہ جانور طاقتور اور خونخوار ہے اسی قدر حسن جسمانی میں یکتا ہے اور شریف طبیعت ہے۔ دوسرے جانور ہاتھی گینڈا وغیرہ اگرچہ طاقتور اور بہت بڑے جانور ہیں۔ مگر نہ تو شیر کی طرح خوبصورت ہیں اور نہ ہی ویسے نیک خصلت، بلکہ بدصورت بھدے اور بدطبیعت ہیں۔ لیکن شیر میں بہت سے

اوصاف اور خوبیاں موجود ہیں۔

بہت سے لوگوں نے جنگل کے اس بادشاہ کو جنگل میں پوری آن بان کے ساتھ نہ دیکھا ہوگا۔ میں نے اسکو جنگل میں پوری شان اور برسر حکومت دیکھا ہے اس لئے میرے دل میں اس کا اصل رعب و دیگر خصائل نقش ہیں ناظرین نے اگر اس کو دیکھا بھی ہے تو ایک آزاد شہنشاہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک بے کس و بے بس قیدی کی طرح کسی چڑیا خانہ میں اسکا مشاہدہ کیا ہوگا۔ جہاں کہ وہ ایک مدت مدید سے حالت اسیری میں پڑا ہوا زندگی کے دن کاٹ رہا ہوگا۔ لہٰذا اسوقت اس قیدی اور شہنشاہ دشت میں کیا نسبت ہو سکتی ہے ایک زمین آسمان کا فرق ہوگا جسکو وہی سمجھ سکتا ہے کہ جس نے بچشم خود اسکو برسر حکومت اور بحالت اسیری دیکھا ہو۔ شیر اور خصوصاً افریقہ کا شیر نہایت ہی طاقتور جانور ہے۔ دماغی قوت بغیر کسی مشاہدہ کے اس کی طاقت کا اندازہ نہیں لگا سکتی۔ افریقہ کا جنگلی بھینسا جو طاقت میں مست ہاتھی سے کم نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلہ میں کمزور ثابت ہوتا ہے اور یہ اسکی کمر کی ہڈی ہاتھ کے ایک جھٹکے سے توڑ ڈالتا ہے اور بڑے سے بڑے جانور کو اپنے منہ میں ایسے پکڑ لیتا ہے جیسے بلی چوہے کو۔ شیر سوا افریقہ کے علاوہ ایشیا کے کچھ حصوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ افریقہ میں اس کی تین قسمیں موجود ہیں۔ قسم اول وہ ہے جسکے ایال زرد رنگ کی ہوتی ہے یہ سب سے زبردست قسم کا شیر ہوتا ہے اور قد میں بھی سب سے بڑا ہوتا ہے۔ عموماً اسکی لمبائی ۱۱ فیٹ تک ہوتی ہے۔ دوسرے وہ کہ وسطی اور جنوبی خطوں میں زیادہ تر وسطی اور

مشرقی خطوں میں موجود ہے۔ یہ دس فیٹ سے کچھ لمبائی میں زائد ہوتا ہے
براون رنگ کے شیر تیسری قسم کے ہیں جو کہ مشرقی اور شمالی حصوں میں ملتے
ہیں۔ ان کا قد ساڑھے نو فٹ تک ہوتا ہے۔ ایشیا میں چھوٹے قد کا صرف
براؤن قسم کا شیر پایا جاتا ہے۔

شیر کے عادات واطوار میں ایک بہادر شہنشاہ سے بہت مشابہت
ہے یہ درندہ خونخوار اور قہار ہونے کے باوجود رحمدل بھی ہے۔ یہ کبھی کسی
جانور پر حملہ نہیں کرتا۔ تاوقتیکہ بھوکا نہ ہو۔ محض تفریح طبع یا کسی بے کس جانور
کو ستانے کے لئے اسکو نہیں مارتا۔ جیسے کہ چیتے اور دیگر خونخوار درندے بلاضرورت
اپنے سے کمزور جانوروں کو مار ڈالتے ہیں۔ علاوہ بریں یہ چیتے کی طرح پشت
سے اچانک اور بزدلانہ حملہ بھی نہیں کرتا۔ جسوقت اس کا پیٹ بھرا ہوتا
ہے اور زیبرا یا ہرن وغیرہ اس کے پاس سے گذرتے ہیں تو یہ مزاحم نہیں ہوتا
ہاں مگر جب یہ بھوکا ہوتا ہے تو بلاشبہ بے حد غضبناک ہوتا ہے۔ اسوقت
جو کوئی بھی سامنے پڑ جاوے خوراک کے لئے مار ڈالتا ہے۔

ایک بات اس میں اور عجیب میں نے یہ دیکھی ہے کہ وہ شیر جسکو ہم رات
میں دیکھ چکے ہیں۔ اگر دن کے وقت ہمیں نظر آجائے تو دونوں میں بہت
فرق معلوم ہوگا۔ اس لئے کہ دن میں یہ اسقدر خوفناک نہیں معلوم ہوتا۔
دن میں یہ شکار بھی بہت کم کرتا ہے اور بولتا بھی کم ہے۔ لیکن رات کو یہ
نہایت ہی غضبناک دکھائی دیتا ہے۔ اسکا رعب مارے ڈالتا ہے اسکی
گرج سے جنگل میں زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ انسان تو انسان

خونخوار درندے بھی اسوقت کانپ جاتے ہیں۔ بھوک کے وقت یہ بہت بے چین ہوتا ہے اور معمول سے زیادہ گرجتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ انسان پر بھی حملہ کر بیٹھتا ہے اور انسان کا خون ایک دفعہ منہ کو لگنے کے بعد یہ آدم خور ہو کر بہت خطرناک ہو جاتا ہے پھر تو انسان کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر شکار کرتا ہے اور جہانتک اسکو مل سکتا ہے انسان ہی کا گوشت کھاتا ہے۔ اکثر موقعوں پر جب اسکا پیٹ بھرا ہوتا ہے تو انسان کو بھی رحم کھا کر چھوڑ دیتا ہے ایک چشم دید واقعہ قلمبند کرتا ہوں۔

ایک روز ہم صبح کے وقت جنگل میں ہرن کے شکار کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے ہمراہ ایک بابو صاحب بھی تھے جو مجھسے کچھ فاصلہ پر ایک جھاڑی کے عقب میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہانکا شروع ہو چکا تھا کہ دفعتاً بابو صاحب کو خیال آیا کہ بندوق میں ایک نال میں گولی بھی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ وہ فوراً اٹھکر مجھسے گولی لینے کے لیئے آنے لگے۔ جیسے ہی وہ جھاڑی سے باہر نکلے ہانکے کی طرف سے اچانک ایک جسیم شیر ان کے سامنے دس بارہ گز کے فاصلہ پر آکھڑا ہوا اور جیسے ہی اس نے منہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا ان کے حواس جاتے رہے بدن کانپنے لگا۔ بندوق ہاتھ سے گر گئی ہاتھ جوڑ کر شیر کے سامنے کھڑے ہو گئے اور ملتجی نگاہوں سے رحم کے آرزومند ہوئے اس موقع پر میں بالکل بے بس تھا۔ میری بندوق کی دونوں نالوں میں بھی گراب کے کارتوس لگے ہوئے تھے۔ شیر کے اسقدر اچانک اور قریب موجود ہونے سے کوئی دوسری تدبیر کرنیکا موقع نہ تھا۔ اپنے مقام سے جنبش کرنا یا اسپر گراب کا فائر کرنا اپنے آپکو

سخت خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ میں اس عالم شش و پنج میں تھا کہ بابو صاحب بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ شیر ان کے قریب آیا اور دیکھ کر چلا گیا ان کی حالت پر رحم کھا کر ان پر حملہ آور نہ ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ جس خدا نے شیر کو بے انتہا طاقت دی ہے اُسی نے اسکو اتنا حساس بنایا ہے کہ وہ احسان فراموش نہیں ہے۔ اسکے ثبوت میں بہت سے واقعات موجود ہیں۔ جب کبھی کسی نے شیر پر کوئی احسان کیا ہے تو شیر اسکو کبھی نہیں بھولا۔ اسکی احسان شناسی اور وفاداری کا مشاہدہ چڑیا خانہ میں بھی ہو سکتا ہے کہ حالت قید میں بھی یہ اپنے محافظ کھلانے والے کا احسان مند رہتا ہے۔ اور جب وہ اسکو راتب دیتا ہے اور ہر طرح خبر گیری کرتا ہے تو یہ بھی اسکو محبت بھری نظروں سے دیکھتا ہے۔ اور اگر موقع ملے تو زبان سے اُسکے ہاتھ پاؤں چاٹ کر اظہار شکریہ کرتا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے بذات خود یہ عجیب نظارہ دیکھا ہے۔ میں سنہ ۱۹۰۱ء میں زنجبار جو کہ مشرقی افریقہ میں واقع ہے اور ایک مشہور شہر ہے سکونت پذیر تھا وہاں سرکاری باغ کے اندر ایک چڑیا گھر بھی ہے۔ جسمیں علاوہ دیگر جانوروں کے ایک پنجرے میں شیر ببر بھی بند تھا۔ یہ باغ ہر روز شام کے وقت کھلتا تھا جبکہ تماشائیوں کا ایک بڑا ہجوم وہاں موجود ہوتا تھا۔ ایک شام کو میں بھی وہاں پہونچا اور کھڑا ہوا شیر کو دیکھ رہا تھا۔ میرے قریب ہی ایک پرتگیزی تماشائی بھی کھڑا تھا بلکہ اپنے ایک دوسرے پرتگیزی دوست کی آمد پہ پنجرے کی جانب پشت کر کے کھڑا ہو گیا اور اس سے باتیں

کرنے لگا۔ پنجرے کی سلاخوں اور اس پرتگیزی کے درمیان صرف ایک فٹ
کا فاصلہ تھا۔ شیر نے فوراً دونوں ہاتھ پنجرے سے باہر نکالکر اسکے دونوں کندھے
پکڑ لئے۔ پرتگیزی بہت خوفزدہ ہوگیا۔ شیر اسکا سر اپنے منہ میں پکڑنے کی
بے سود کوشش کر رہا تھا اس لئے کہ اسکا سر سلاخوں کے درمیان سے باہر
نہیں آسکتا تھا۔ شیر بہت زور سے غرا رہا تھا۔ سیکڑوں آدمی کا ہجوم ہوگیا
کوئی اپنی چھتری سے شیر کو مار رہا تھا کوئی اپنی چھڑی سے شیر کو پیچھے دھکیل دینے
کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کشمکش میں پرتگیزی بری طرح لہولہان ہوگیا۔ مگر
سب کی کوشش بیکار ثابت ہو رہی تھی کیونکہ شیر اپنی کوشش میں مصروف
تھا۔ چند منٹ عجیب منظر پیش نظر رہا۔ لوگ گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دوڑتے
پھر رہے تھے۔ ایک چیخ پکار مچی ہوئی تھی۔ مگر شیر کا محافظ حبشی دوڑتا ہوا
آیا اور فوراً پنجرے کا تالا کھولکر اندر داخل ہوا اور کھڑکی اندر سے بند
کرلی۔ جاتے ہی شیر کے کان پکڑ کر دو تھپڑ اسکے منہ پر مارے۔ وہی شیر
جو چند لمحہ قبل اسقدر غضبناک تھا اپنے محافظ کو دیکھتے ہی اپنی گرفت چھوڑ
کر اسکے سامنے بلی کی طرح دبکر زمین پر لیٹ گیا اور دم ہلانے لگا۔ حبشی انتہائی
غصہ میں اسکو گالیاں اور گھڑکیاں دے رہا تھا۔ مگر یہ قیدی بادشاہ سر
تسلیم خم کئے ہوئے زمین پر پڑا تھا۔ گویا اپنی حرکت پر نادم تھا اور دم ہلا
ہلا کر معافی مانگ رہا تھا۔

غرضیکہ شیر حقیقی معنی میں جنگل کا بادشاہ ہے اور اسمیں بہت شہنشاہی
اوصاف موجود ہیں جنگل میں کوئی جانور ایسا نہیں ہے جو اسکو خائف کرسکے

ہاں کبھی ان میں آپس میں جنگ ہو جاتی ہے۔ یہ اکثر بلبیر یا بخار سے بیمار ہو کر بھی مر جاتے ہیں۔ اسکی عمر انسان کی عمر کے برابر ہوتی ہے۔ پچاس برس کے بعد یہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔

باب چھٹا

مہیب مردم خور

ساؤ میں مردم خوروں کی خونخواری کے جو واقعات مجھے مختلف ذریعہ سے معلوم ہوئے بالترتیب پیش کرتا ہوں۔ اس زمانہ میں یہ تمام واقعات وہاں کے بچہ بچہ کے زبان پر تھے اس لئے کہ مردم خور شیروں کے پے در پے اور وحشتناک حملے اور ان کی ہر مرتبہ کی کامیابی کچھ کم سنسنی خیز نہ تھی اسپر کل انسانی طاقتوں کا ان پر قابو نہ پا سکنا اور بھی زیادہ غم انگیز تھا۔ رات کو کسی کیمپ میں واردات ہوئی اور صبح ہوتے ہی دور دراز اس حادثہ کی خبر پہونچکر مشہور ہو گئی۔ جہاں دو آدمی بیٹھے سوائے اس ذکر کے دوسرا کوئی عنوان گفتگو نہ ہوتا تھا۔ ایک ایک واقعہ پر خوب تبادلۂ خیالات اور طویل بحثیں ہوتیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنتے سنتے تمام واقعات لفظ بہ لفظ حفظ ہو گئے جو مجھے کبھی نہ بھولے۔

کرنل پیٹرسن شروع سال ۱۸۹۸ء میں ممباسہ پہونچے۔ وہاں انکو

ساؤ جانے کا حکم ملا۔ ساؤ ممباسہ سے ایک سو بتیس میل کے فاصلہ پر واقع
ہے ریل ہیڈ اسوقت ساؤ دریا کے کنارے تک پہونچ چکا تھا۔ کرنل پیٹرسن
وہاں ریل ہیڈ کے انجینیر انچارج کی حیثیت سے بھیجے گئے تھے۔ دریا کے کنارے
کنارے ہزاروں ہندوستانیوں کا کیمپ تھا۔ جس میں چار یا پانچ ہزار کے
قریب آدمی موجود تھے۔ کرنل صاحب کو وہاں پہونچے پورا ایک ماہ بھی
نہ ہوا تھا کہ ایک آفت کا سامنا شروع ہو گیا۔ پورے کیمپ پر مصیبت
ٹوٹ پڑی۔ تمام انسانوں کو اپنی اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ ساؤ اسٹیشن
(جو حال ہی میں تیار ہوا تھا) اور ارد گرد کے کل علاقہ میں ہل چل مچ گئی۔
دو زبردست شیر آدم خور یہاں ہو گئے۔ ان کے منہ کو انسانی خون لگ
گیا۔ ساؤ کیمپ میلوں کے رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔ ہر شب کو کیمپ میں
سے ایک دو آدمی غائب ہونا شروع ہو گئے۔ یہ خونخوار درندے آدھی رات
کے قریب خاموشی سے کیمپ میں داخل ہوتے اور بڑی دلیری سے جو آدمی
سامنے پڑ جاتا اُسے اٹھا لیجاتے اور قریب کے جنگل میں پہونچکر چیر پھاڑ کر
کھا جاتے۔ تعجب تو اس امر پر تھا کہ یہ خونخوار اور جسیم درندے ایسی مکمل
خاموشی اور آہستگی کے ساتھ اپنا کام کرتے اور سوائے ان بد قسمتوں کے جو خود
پنجۂ اجل کا شکار ہوتے۔ کیمپ کے کسی دوسرے آدمی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی
بلکہ کچھ دن تو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ کیمپ میں کیا بلا نازل ہوتی ہے جو رات
کو آدمی غائب ہو جاتے ہیں۔ سرزمین افریقہ اور وہاں کے گھنے جنگل ہی
کیمپ والوں کے لئے کیا کم دہشتناک تھے کہ اب انکو ایک نئی مصیبت سے

سابقہ پڑا۔ ابتدا میں قدرتی طور پر لوگوں نے جنات اور بھوتوں کو ان حادثات کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ افریقہ جیسے ملک میں جاہل طبقہ کے لوگوں کو یہ گمان ہونا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ چند دن بعد کچھ لوگوں نے شیروں کو کیمپ میں آتے دیکھ لیا۔ اب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال واثق ہو گیا کہ جن یا بھوت شیروں کی شکل میں نمودار ہو کر انسانوں کی جان لیتے ہیں اس خبر کے پھیلتے ہی لوگوں پر سخت ہیبت چھا گئی۔ ہر شخص کو اپنی جان کی حفاظت کی فکر پڑ گئی۔ سب لوگوں نے اپنی اپنی عقل کے مطابق انتظامات کیے۔ اپنی حفاظت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مگر سب بے سود۔ آدمیوں کے غائب ہونے کا سلسلہ منقطع نہ ہوا۔ سر شام ہی سے کیمپ پر خوف و ہراس چھا جاتا ایک خاموشی اور سناٹے کا عالم ہو جاتا اور لوگ دم بخود ہو جاتے۔ آدھی رات کے قریب آدم خور بلا کیمپ میں نازل ہوتی اور آدمی غائب ہو جاتے۔

اس متواتر مصیبت سے تنگ آکر کرنل پیٹرسن ان مردم خوروں کو بندوق سے ہلاک کر ڈالنے پر کمر بستہ ہوئے لیکن لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کی کوشش فضول ثابت ہوگی اس لیے کہ جانور پر تو بندوق کی گولی اثر کر سکتی ہے۔ لیکن جنات کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتی خواہ مخواہ آپ اس جد و جہد میں اپنی جان کھوئینگے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ ملک جنات اور بھوت کا ہے اور اس پر ان کی حکومت ہے۔ اب انھوں نے انسانوں کی مداخلت ریلوں کے بچھائے جانے اور شہروں کے آباد کیے جانے کو دیکھ کر سمجھا کہ ہمارا ملک چھینا جاتا ہے۔ اس لیے انسانوں کے قبضے سے اسکو بچانے کے لیے

انھوں نے اپنے دو سرداروں کو شیروں کی شکل میں، ہم لوگوں کو تباہ کرنے اور یہاں سے بھگا دینے کے لیے بھیجا ہے کرنل صاحب نے اس کہانی پر کچھ توجہ نہ کی بدستور اپنے ارادہ پر قائم رہے اور تدابیر سوچنے لگے۔

اگلے ہی روز خبر ملی کہ کیمپ کے دو قلی غائب ہیں۔ رات کو اپنے خیمہ میں سو رہے تھے۔ دونوں ہموطن تھے اور پنجاب واپس جانے والے تھے۔ گھر لیجانے کے لیے انھوں نے کافی روپیہ جمع کر لیا تھا۔ ان کے غائب ہو جانے پر صاحب کو یہ شک ہوا کہ شاید دوسرے قلیوں نے روپیہ کے لالچ سے انھیں قتل کر کے انکی لاشوں کو چھپا دیا ہے لیکن یہ شبہ اس لیے رفع ہو گیا کہ ان کا روپیہ اور سامان بجنسہ ان کے خیمہ میں موجود تھا۔

چند روز تک کوئی واردات نہ ہوئی ایک دن صبح ہی رپورٹ آئی کہ ایک پٹھان سرحدی جمعدار جو نہایت طاقتور اور جسیم جوان تھا۔ رات کو خیمہ سے غائب ہو گیا اور صبح کو اسکی لاش کا کچھ حصہ قریب کی جھاڑیوں میں پڑا ملا صاحب سنتے ہی اپنی 3 0 3 بور رائفل لیکر موقع پر پہونچے۔ خیمہ کا معائنہ کیا لاش کا باقی حصہ دیکھا۔ ریت پر شیر کے پنجے کا نشان صاف طور پر نمایاں تھے۔ اس ٹینٹ میں کچھ قلی اور بھی سو رہے تھے۔ ایک تو جمعدار کے بالکل قریب ہی لیٹا ہوا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ آدھی رات کے قریب شیر نے اپنا منہ خیمہ کے اندر ڈالا جمعدار کا سر قریب تھا۔ شیر نے اسکو سر سے پکڑ کر گھسیٹا اور باہر کھینچ لایا۔ جمعدار زور زور سے چیخا اور چلایا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے زور دیکر اپنے کو شیر کی گرفت سے رہا کرنے کی کوشش کی مگر

بے سود۔ آخر شیر اٹھا کر لے گیا۔ اور قریب ہی بیٹھ کر کھانے لگا۔ خیمہ کے بقیہ آدمیوں کی یہ حالت تھی کہ مارے خوف کے دم بخود تھے۔ زبان ہلا کر کسی کو مدد کیلئے نہ پکار سکے۔ لاش کو دیکھا تو آدھی سے زائد کھائی جا چکی تھی۔ گوشت بالکل خشک پڑا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ تمام خون چوس لیا گیا ہے۔ جمعدار کا سر جس پر بڑے بڑے دانتوں کے نشان تھے بقیہ حصہ جسم سے الگ تھوڑے فاصلہ پر پڑا تھا۔ لاش کے مختلف ٹکڑے اور سر یکجا کئے گئے۔ بدنصیب کی آنکھیں کھلی ہوئی حسرت سے اپنی مظلومیت کا اظہار کر رہی تھیں لاش کو مٹی ڈالکر دبا دیا گیا۔ پیٹرسن صاحب کو بڑا افسوس تھا۔

جب رات ہوئی تو صاحب جمعدار کے خیمہ کے قریب ایک درخت پر بیٹھ گئے 303 بور رائفل بھر کر اپنے پاس رکھ لی۔ صاحب کا خیال تھا کہ مردم خور آج بھی اپنی خوراک کی تلاش میں اسطرف آئیگا۔ وہ بہت خوش تھے۔ اور انھیں پوری امید تھی کہ آج مردم خور میرے ہاتھ سے ضرور مارا جائے گا۔

کچھ وقت یوں ہی گذر گیا۔ پھر یکایک دور پر آدم خور کے بولنے کی آواز سنائی دی اسکی گرج سے تمام جنگل گونج رہا تھا۔ آواز قریب ہوتی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد رک گئی اور جنگل پر پھر وہی وحشتناک سناٹا چھا گیا۔ پورے دو گھنٹہ تک یہی کیفیت رہی اسکے بعد نصف میل کے فاصلہ پر ایک دم شور و غل اٹھا۔ چیخنے پکارنے کی صدا آئی جس سے معلوم ہوا کہ شیر نے اسوقت دوسرے حصہ کیمپ سے اپنا شکار حاصل کر لیا کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی۔ اور پھر کوئی دوسرا واقعہ پیش نہ آیا۔ صبح ہوتے ہی خبر پہنچی کہ وہاں سے ایک قلی شیر اٹھا کر لے گیا

غرض دوسری رات کو پیٹرسن صاحب نے گذشتہ شب کے حادثہ والے مقام کے

قریب بیٹھنے کا انتظام کیا۔ ایک بکری قریب کے درخت میں باندھ دی اور درخت پر بیٹھ گئے۔ اور مردم خور کا انتظام کرنے لگے۔ آدھی رات کے گذرنے کے بعد ظالم شیر کیمپ کے ایک دوسرے حصہ سے ایک قلی کو اٹھا کر چلتا بنا۔ کیمپ بہت بڑے رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔ شیر ہر شب کو نئے مقام پر حملہ کرتا۔ اب یہ بڑا مشکل سوال تھا کہ کہاں اور کس مقام پر اسکا مقابلہ کیا جائے۔ جبکہ اس سے لاعلمی تھی کہ آج وہ کہاں حملہ کرے گا۔

اسی طرح ہفتے گذر گئے۔ پیٹرسن صاحب ہر رات کو کوئی اچھا موقع دیکھکر مردم خور کی گھات میں بیٹھ جاتے اور اس کے انتظار میں ساری رات آنکھوں میں کاٹ دیتے مگر نتیجہ یہی ہوتا کہ وہ ہمیشہ ان سے فاصلہ پر حملہ آور ہوتا اور اپنی خوراک حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا۔ اور ان کو کبھی گولی چلانے کا موقع نہ دیتا۔ صاحب کو اس کا بڑا رنج اور افسوس تھا اسی طرح دن گزرتے گئے۔

باب ساتواں

نئے انتظامات اور حادثات

ساؤ کیمپ کے چاروں طرف گھنے جنگل تھے۔ لہذا یہ اندازہ کرنا بھی ناممکن تھا کہ خونخوار شیر کس جنگل سے نکلکر حملہ آور ہوتے ہیں۔ ان کے پیروں کے نشانات چہار جانب نظر آتے تھے گھنے جنگل مردم خوروں کی کامیابی میں بڑی مدد دے رہے تھے۔ کیمپ دس بارہ میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔ اور اسمیں تقریباً چار پانچ ہزار

آدمی موجود تھے صرف اتنا ہی پتہ چل سکا کہ شیر اپنا پیٹ بھر لینے کے بعد خشک دریا میں سے گذر کر جنگل میں داخل ہوتا ہے۔ متواتر ناکامیابیوں کے باوجود کرنل پیٹرسن نے امید اور استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ انھوں نے کوشش ترک نہ کی۔ بلکہ نئی نئی تدابیر سوچنے لگے۔ انکو اسبات کی قوی امید تھی کہ کبھی نہ کبھی انسانوں کو ان ظالم مردم خوروں سے نجات دلائیں گے۔

خود کرنل صاحب کا خیمہ بھی محفوظ حالت میں نہ تھا انھوں نے ڈاکٹر بروک کو جو کہ ریل ہیڈ کیمپ کے سرجیکل انچارج تھے اپنے ساتھ شریک کر کے چند خیمے ایک مقام پر لگوائے۔ اور ان کے چاروں طرف کانٹے دار جھاڑیاں کٹوا کر بلند اور موٹی باڑ لگوا دی۔ اس احاطے میں ایک چھوٹا سا دروازہ رکھا۔ جو کہ رات کو بند کر دیا جاتا تھا اور تمام رات احاطے کے اندر آگ جلتی رہتی تھی۔ اسی طرح قلیوں نے بھی اپنے بچاؤ کی خاطر ہر کیمپ میں ایسے کانٹے دار باڑیں لگا دیں اور رات بھر آگ روشن رکھنے لگے۔ یہ انتظامات اور تدابیر کر کے لوگ مطمئن ہو گئے اور اپنے کو احاطے کے اندر محفوظ سمجھنے لگے۔

مگر افسوس کہ یہ انتظامات سودمند ثابت نہ ہوئے۔ چند دن کو امن رہا لیکن پھر وہی آدمی غائب ہونا شروع ہو گئے۔ اب ظالم آدم خور درندے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک جست کر کے بارہ چودہ فٹ کی بلند احاطے کی باڑ کے اندر آجاتا اور جب اپنا شکار حاصل کر چکنے میں کامیاب ہو جاتا تو شکار سمیت کانٹے دار باڑ کو زور سے توڑ کر باہر نکل جاتے کیونکہ باڑ سے نکلتے وقت آدمی سامنے اس کے منہ میں ہوتا اسلیے جس جگہ کہ باڑ کو توڑ کر وہ نکلتا وہیں کی طرح انسانی گوشت کے ٹکڑے اور کپڑوں کے

چیتھڑے کانٹوں میں دکھائی دیتے۔ پیٹرسن صاحب اپنی ناکامیوں پر بہت آزردہ خاطر تھے اور جب ان کے پاس کسی نئے حادثہ کی خبر پہونچتی تو وہ بہت رنجیدہ ہوتے۔ مہینوں اسی طرح گذر گئے۔ سیکڑوں آدمی کیمپ سے غائب ہو چکے۔ مگر کوئی بندوبست اس بلا سے چھٹکارہ کا نہ ہو سکا۔

ریل ہیڈ اب ساؤ سے بہت آگے بڑھ چکا تھا اس لئے کیمپ کا کچھ حصہ لائن کے ساتھ آگے جانا بہت ضروری تھا۔ تقریباً نصف کیمپ کو دس بارہ میل آگے بڑھا دیا گیا۔ بقیہ نصف کیمپ دریا کے پل کی تیاری کے لئے وہاں قائم رہا۔ کیمپ کا آدھا حصہ چلے جانے کے بعد باقی ماندہ قلیوں نے اپنے خیمہ کے قریب قریب لگا کر چاروں طرف مضبوط کانٹے اور جھاڑیوں کی دیواریں کھڑی کر دیں اور رات بھر آگ اور روشنی تیار رکھی جانے لگی۔ علاوہ اسکے ہر احاطہ میں ایک اور درخت پر تیل کے پانچ چھ خالی ٹین لٹکا دیئے گئے اور ان میں ایک لمبی رسی باندھ دی گئی۔ جسے چوکیدار رات بھر اپنے خیمہ میں بیٹھا ہلاتا رہتا۔ ٹینوں کے آپس میں ٹکرانے کی آواز سے شکاری شیر کو خوفزدہ کرنا تھا۔ مگر آدم خور درندوں پر کسی بات کا اثر نہ ہوا اور کوئی چیز انکو خوفزدہ نہ کر سکی کیمپ سے آدمی برابر غائب ہوتے رہے۔ غضب خدا کا کہ جسقدر انتظامات انسانوں کی جان بچانے کے لئے کئے گئے اسی قدر یہ خونخوار دلیر ہوتے گئے اور اپنے شکار میں کامیابی کے لئے نئے نئے راستے نکالتے رہے۔ یہ ایک ایسا لاعلاج مرض تھا کہ کوئی انسانی دوا کارگر نہ ہوتی تھی۔

جب کیمپ کے باقی ماندہ آدمی یکجا ہو گئے تو ہسپتال کا کیمپ بدستور اپنی جگہ پر قائم رہا۔ اسکے گرد بہت بلند باڑھ تھی جو بہت مضبوط بنائی گئی تھی۔ ہسپتال

اور کیمپ میں آدھ میل کا فاصلہ ہو گیا تھا۔ ایک رات کو ہسپتال کا ہندوستانی ڈاکٹر
اسسٹنٹ سرجن شیر کے ہاتھ سے بال بال بچ گیا۔ وہ اپنے خیمہ میں سو رہا تھا۔ آدھی
رات کے وقت ایک دھماکے کی آواز سے اسکی آنکھ کھل گئی وہ بستر سے اٹھا اور خیمہ کا
کا پردہ اٹھا کر باہر دیکھا۔ دیکھتے ہی اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ جب چار پانچ گز
کے فاصلہ پر ایک مہیب شیر کھڑا تھا۔ ڈاکٹر کو دیکھتے ہی خیمہ کے اندر گھس آیا۔ ڈاکٹر
مارے خوف کے چیختا ہوا دوائیوں کی الماری کے پیچھے چھپنے کے لئے دوڑا۔ گھبراہٹ میں الماری
سے ٹکر لگی۔ الماری جسمیں بڑی بڑی بوتلیں ادویات کی رکھی ہوئی تھیں الٹ کر گری
بوتلوں اور شیشیوں کے ٹوٹنے کی آواز سے شیر گھبرا گیا اور خیمہ سے باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر کی
جان تو بچ گئی مگر شیر دوسرے خیمہ پر کودا۔ اسمیں چند بیمار قلی پڑے سو رہے تھے شیر
خیمہ کو پھاڑ کر اندر داخل ہوا۔ اور دو قلیوں کو زخمی کر کے تیسرے کو اٹھا کر باہر
نکل گیا۔ اور حسب معمول باڑ میں سے گزر کر رفو چکر ہو گیا۔ صبح جب یہ خبر مسٹر پیٹرسن
اور ڈاکٹر بروک کو ملی انھوں نے فوراً ہسپتال کے کیمپ کو وہاں سے ہٹوا کر اپنے
قریب لگوا دیا اور شام ہونے سے پہلے سب مریضوں کو وہاں منتقل کر دیا۔

مسٹر پیٹرسن کو یہ خیال ہوا کہ اب کیمپ کا رقبہ کم رہ گیا ہے۔ اگر کسی عمدہ موقع
پر بیٹھا جائے تو ضرور شیر پر فائر کرنے کا موقع مل سکے گا۔ آخر ایک مناسب جگہ تجویز
کر کے ایک درخت پر رائفل لیکر بیٹھ گئے۔ بہت کچھ امید ان کو اپنی کامیابی کی تھی
حالت انتظار میں وقت گزار رہے تھے کہ شیر کی گرج سنائی دی۔ اندھیری رات
جنگل میں سناٹے کا عالم اور اس پر شیر ببر کی گرج غضب ہے جنگل گونج اٹھتا
ہے۔ زمین میں زلزلہ آتا ہوا معلوم ہوتا ہے انسان اور جیوانوں کے دل دہل جاتے

ہیں۔ کچھ دیر گذر جانے کے بعد ہسپتال کے کیمپ میں شور و غل سنائی دیا۔ پیٹرسن صاحب کی رات بےچینی سے گذری۔ صبح موقعہ پر پہونچے معلوم ہوا کہ رات کو ہسپتال کا سقہ مارا گیا۔ دوسرے قلی جو اس خیمہ میں سو رہے تھے بیان کرنے لگے کہ شیر چھلانگ مار کر احاطہ کے اندر داخل ہو گیا اور اس خیمہ کی طرف آیا شیر نے خیمہ کے اندر ایک طرف سے سر ڈالا۔ اسطرف سقہ کے پیر تھے۔ شیر نے پیر پکڑ کر اسکو باہر گھسیٹا۔ سقہ جاگ اٹھا۔ اور اپنی جان بچانے کے لئے ایک بھاری صندوق سے لپٹ گیا اور چیخنے چلانے لگا۔ مگر صندوق ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اب خیمہ کی رسی ہاتھ میں آ گئی۔ مگر وہ بھی ٹوٹ گئی۔ شیر اسکو باہر کھینچ لایا یہ بیچارہ ابھی تک مدد کیلئے چلا رہا تھا۔ لوگ جاگ رہے تھے۔ مگر کسی کی ہمت خیمہ سے باہر نکلنے کی نہ ہوتی تھی۔ شیر اُسے چوہے کی طرح منہ میں پکڑ کے بدستور باڑ کو توڑ کر نکل گیا۔ صبح کو حسب معمول وہی دلخراش نظارے سامنے تھا۔ باڑ کے کانٹوں میں بدقسمت سقہ کے کپڑوں کے چیتھڑے اور گوشت کے ٹکڑے پھنسے ہوئے تھے۔ کچھ فاصلہ پر جھاڑیوں میں لاش کا باقی ماندہ حصہ پڑا تھا۔ سر الگ تھا۔ ایک ہاتھ چند انگلیوں سمیت کٹا ہوا ایک طرف پڑا تھا غریب کی ایک انگلی میں چاندی کی انگوٹھی تھی۔ ہڈیوں کے ٹکڑے بھی ادھر اُدھر پڑے تھے پیٹرسن صاحب کو اس حادثہ سے بڑا صدمہ ہوا بیچارے کیا کرتے کوئی کسر انھوں نے اٹھا نہ رکھی تھی۔ مگر کامیابی ان کے اختیار کی بات نہ تھی پھر کوشش میں مصروف ہو گئے

باب آٹھواں

آدم خوروں کی ناکامی

جس طرح پیٹرسن صاحب باوجود انتہائی کوششوں کے ناکام ہوتے رہے ہیں اسی طرح بہت سے موقعے ایسے ہوئے ہیں کہ خونخوار مردم خور بھی اپنے شکار میں ناکامیاب رہے۔ گذشتہ واقعات کے چند دن بعد ایک بنیے کو جس کی ریل ہیڈ کیمپ میں پرچون کی دوکان تھی کچھ سامان کی فوری ضرورت ہوئی۔ چنانچہ وہ گدھے پر سوار ہو کر کیمپ کے دوسرے حصہ والی دوکان سے مال لانے کے لئے روانہ ہو گیا۔ ٹین کے دو خالی کنستر ایک رسی میں باندھ کر اپنے آگے گدھے کی گردن پر لٹکا دیئے۔ شام ہو چکی تھی ذرا اندھیر بھی ہو گیا تھا۔ لالہ صاحب گدھے پر سوار جا رہے تھے۔ ایک میل کے قریب گئے ہوں گے کہ دفعتاً جھاڑیوں میں سے نکل کر شیر سامنے آ گیا۔ اور آتے ہی ایک تھپڑ گدھے کی گردن پر مارا۔ گدھا اور لالہ صاحب دونوں زمین پر آ رہے۔ مگر کنستروں کی رسی شیر کے پنجے میں پھنس رہی۔ اُس نے چھڑانے کے لئے جو جھٹکا دیا تو خالی کنستروں کے آپس میں ٹکرانے سے عجیب آواز پیدا ہوئی۔ شیر گھبرا گیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ جوں جوں وہ بھاگتا جاتا تھا کنستر جو رسی کے ذریعہ اسکے ساتھ تھے زور زور سے آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ایک بلند آواز پیدا کر رہے تھے۔ شیر کی پریشانی کی کوئی حد نہ تھی۔ اسی جنجال میں پھنسا ہوا ٹین بجاتا ہوا بھاگتا چلا گیا۔ بالآخر جنگل میں غائب ہو گیا۔ لالہ صاحب کو جو

ہوش آیا تو خلاف توقع اپنے کو زندہ اور شیر کو غائب پایا۔ تو پہلا کام جو لالہ صاحب نے کیا وہ یہ تھا کہ دوڑ کر ایک اونچے درخت پر چڑھ گئے۔ گدھا مر چکا تھا۔ لالہ صاحب نے ساری رات خوف سے کانپتے ہوئے درخت کی چوٹی پر کاٹ دی۔ آخر صبح ہوئی اور لالہ صاحب درخت سے اتر کر ہانپتے کانپتے کیمپ میں پہونچے اور اپنی واردات سنائی۔ ٹھیکے دار نے انکی جان بچائی۔ ایک اور واقعہ مردم خور کی ناکامیابی کا یوں ہے کہ ایک شب کو ایک بڑے خیمہ میں بہت سے قلی سو رہے تھے۔ رات کو شیر اس خیمہ پر حملہ آور ہوا خیمہ کے چاروں طرف گھومتا رہا۔ آخر راستہ نہ پاکر اس کے اوپر کودا۔ اور اسے گرا کر پھاڑ ڈالا۔ شیر کا پنجہ ایک قلی کے کندھے پر پڑا۔ جس کے گہرا زخم آیا۔ سب قلی خیمہ کے نیچے جہاں جس کو جگہ ملی دبک گئے۔ چاولوں کی ایک بوری بھری ہوئی خیمہ میں رکھی تھی شیر جلدی اور گھبراہٹ میں اسے آدمی سمجھ کے بھاگا اور باڑ کے باہر نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی کیمپ میں شور مچ گیا شیر کو باہر جا کر جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو غضبناک ہو کر جنگل میں چلا گیا۔

باب نواں

گڈس ویگن کا حادثہ

دن کے وقت ایک قلی ریلوے لائن کے کنارے پر جا رہا تھا۔ دور سے اس نے ایک شیر کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ فوراً دوڑ کر قریب کے درخت پر چڑھ گیا شیر جھپٹا مگر قلی

چوٹی پر پہنچ چکا تھا۔ شیر تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے چلا یا اور ساؤ اسٹیشن پر پہنچ گیا چند سنتریوں نے اُسے آتے دیکھ لیا۔ انھوں نے دوڑ کر اسٹیشن میں پناہ لی۔ سارے سٹاف سمیت کمروں میں بند ہو گئے۔ مردم خور کچھ دیر ادھر اُدھر پھرتا رہا آخر جنگل میں چلا گیا۔

جب پیٹرسن صاحب کو خبر ملی تو وہ فوراً تیار ہو گئے اور شام سے پہلے مال گاڑی کا ایک ڈبہ انھوں نے کیمپ سے تقریباً ایک میل فاصلہ پر ایک مناسب جگہ پر کھڑا کرا دیا اور اس کے قریب ہی ایک خیمہ لگوا کر اس میں مویشی بندھوا دیئے۔ گاڑی کے ڈبہ میں کرنل نے خود اپنے اور ڈاکٹر بروک کے بیٹھنے کا انتظام کیا۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر کیمپ سے روانہ ہوئے۔ رات کے اندھیرے میں بے وقت ایک میل کا فاصلہ طے کرنا اگرچہ غلطی تھی۔ مگر بہر صورت وہ جائے مقصود پر جا پہنچے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ایک طرف کھلے دروازہ کا آدھا نچلا حصہ بند کر دیا اور اوپر کا نصف کھلا رہا کرنل اور ڈاکٹر خاموشی کے ساتھ آدم خور کا انتظار کرنے لگے جنگل میں مکمل سناٹا تھا وہ بے چینی سے کسی کی آمد کے منتظر تھے۔ کچھ عرصہ اسی حال میں گذر گیا۔ اب داہنی طرف تھوڑی دور پر سوکھی گھاس میں پیروں کی آہٹ سنائی دی اور اس کے بعد فوراً ہی ایک بھاری جست کی آواز آئی۔ تاریکی کے سبب کچھ نظر نہ آتا تھا۔ خیمہ کے اندر جو مویشی بندھے ہوئے تھے وہ بے چین اور خوفزدہ معلوم ہوتے تھے۔ ان کے پیروں کی چاپ سنائی دے رہی تھی پھر یکایک بالکل خاموشی طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد پیٹرسن نے چاہا کہ وہ باہر نکل کر ٹینٹ کے قریب کسی اچھے موقع پر بیٹھ جاویں۔ جہاں سے وہ ہر بات اچھی طرح دیکھ سکیں۔ اسلیئے کہ گھٹا ٹوپ اندھیرا ہونے کی وجہ سے باہر کوئی چیز صاف

نظر نہیں آتی تھی۔ ڈاکٹر بروک نے انکو سختی سے روکا اور گاڑی سے باہر جانے سے باز رکھا چند ہی منٹ گزرے ہونگے کہ صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس لئے کہ شیر گاڑی کے قریب ہی کھڑا نہایت خاموشی سے انکی نگرانی کر رہا تھا۔ یہ اس سوچ میں تھے کہ شیر جانوروں پر حملہ کیوں نہیں کرتا۔ جو خیمہ میں دبے سے گھسا ہوا ہے۔ اگر اسوقت باہر نکل آتے تو خونخوار درندہ ایک جست میں ان کا خاتمہ کر دیتا ایک دہشت ناک خاموشی طاری تھی کہ پیٹرسن نے دیکھا کہ کوئی چیز اندھیرے میں جنبش کرتی ہوئی انکی جانب بڑھ رہی ہے۔ انھوں نے ڈاکٹر سے کان میں کہا۔ دیکھ رہے ہو یہ کیا چیز ہے؟ ڈاکٹر نے خوفزدہ حالت میں جواب دیا۔ ہاں

کرنل نے اپنی رائفل سنبھال لی اور اندھیرے میں اندازاً اس متحرک شے پر فائر کر دیا چند لمحوں کے لیے وہ شئی غائب ہو گئی۔ مگر پھر فوراً ہی ایک زلزلہ سا آیا اور ایک مہیب گرج کیساتھ ایک زبردست شیر ان پر کود پڑا۔ دونوں کی زبان سے بہ یک وقت نکلا۔ لائن (شیر)

گاڑی شیر کی جست کا بوجھ سنبھال نہ سکی دوسری جانب کو الٹ گئی۔ گاڑی کے الٹنے کے جھٹکے سے اوپر کا دروازہ جو کھلا ہوا تھا خود بخود بند ہو گیا۔ یہ بھی ان کی خوش قسمتی تھی۔ اگر شیر کا ایک قدم بھی گاڑی کے اندر پڑ جاتا تو ان دونوں کا زندہ بچنا محال تھا۔ خدا کی شان ہے جسکو وہ زندہ رکھنا چاہے اسے کون مار سکتا ہے خود بخود زندگی کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں صبح کو قلیوں نے آکر گاڑی کو سیدھا کر کے دونوں کو باہر نکالا

اتفاق کی بات اس حادثہ کے بعد شیروں کے حملے یکایک بند ہو گئے اور کچھ

عرصہ کے لئے امن قائم ہو گیا لوگ مطمئن ہو کر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ مسٹر پیٹرسن کی توجہ بھی اب ساؤ پل بنانے کی طرف پوری طرح مبذول ہو گئی۔ تاکہ جلد از جلد پل کا کام مکمل کرکے وہاں سے ڈیرہ اٹھا دیا جائے۔

بابُ دسواںُ

پھر وہی حملے

صاحب اور مزدور لوگ نہایت اطمینان سے پل کی تعمیر میں مشغول تھے اور اب انکو آدم خوروں کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ مگر واہ رے بد نصیبی کہ چند روز بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ پھر وہی کیفیت ہو گئی۔ ہر شب کو مردم خوروں کے حملے اور ہر روز آدمی غائب ہونا شروع ہو گئے۔ کیمپ والوں کا اطمینان رخصت ہو گیا۔ پھر وہی بے چینی اور بدامنی پھیل گئی۔ ہر شخص کو اپنی موت دیکھائی دینے لگی۔ انھیں دنوں میں دو فوجی سکھ جوان صوبہ دار کشن سنگھ اور جمعدار لوٹا سنگھ ممباسہ سے روانہ ہو کر معہ اپنی فوجی رائفلوں کے ساؤ کیمپ پہنچ گئے۔ یہ مردم خوروں کے شکار کی پوری تیاری کرکے آئے تھے۔ یہاں پہنچکر ایک ہفتہ متواتر وہ جنگلوں میں گشت کرکے اس بات کا پتہ لگانے میں کوشش کرتے رہے کہ شیر کس جنگل سے نکلکر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اس کے معلوم کرنے میں وہ کامیاب ہو گئے تو نہایت اطمینان کے ساتھ ایک موقع کے درخت پر رات کے وقت بیٹھ گئے۔ دو بکریاں نیچے باندھیں۔ ان کو پورا یقین تھا کہ چونکہ وہ جگہ مردم خور کی گذرگاہ ہے۔ اسلئے انکا سامنا ہو جانا ضروری

ہے۔ مگر افسوس کہ آدم خور نے اس رات کو اپنا راستہ بدل دیا وہ دوسری جانب سے
کیمپ میں داخل ہو کر اپنا شکار لے گیا۔ اس کے بولنے کی آواز یہ لوگ دور سے سنتے
رہے۔ آخر ناامید ہو کر ۳ بجے کے قریب سو رہے۔ اسوقت ایک چیتا بکریوں پر
پہنچ گیا۔ اور ان کی چیر پھاڑ میں مشغول ہو گیا۔ اُن کی آہٹ اور بکریوں کے چلانے
سے سردار صاحبان بیدار ہو گئے۔ گھبراہٹ میں اٹھے اور چیتے کو شیر سمجھ کر دونوں نے
ایک دم چار فائر کر دیئے۔ چیتے نے ایک سانس بھی نہ لیا اور فوراً ٹھنڈا ہو گیا۔
اندھیرے کی وجہ سے صاف دکھائی نہ دیتا تھا۔ سردار صاحبان اپنی کامیابی پر بہت
خوش تھے۔ صبح صادق کے نمودار ہوتے ہی وہ درخت سے اترے مردم خور کی بجائے
چیتے کو مردہ پاکر بہت رنجیدہ ہوئے۔ اگلی شب کو انھوں نے کیمپ کے قریب
دوسرے مقام پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ ایک مہینہ متواتر یہ شیر کے شکار کی کوشش میں
لگے رہے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ سارے
جتن کر ڈالے۔ مگر شیروں کی صورت نہ دکھائی دینا تھی نہ دی۔ البتہ ہر شب کو ان
کی آواز دوسرے مقامات پر سنتے رہے۔ آخر یہ لوگ تنگ آ گئے اور نہایت مایوسی
کے ساتھ ممباسہ واپس چلے گئے۔ اگلے اتوار کو کیمپ کے ایک سکھ جمعدار کھڑک سنگھ
نے شام کے وقت خوب شراب پی اور نشہ کی حالت میں دوسرے لوگوں سے لڑتا جھگڑتا
رہا۔ احاطہ کے اندر ایک بہت بڑا خیمہ تھا جا کر اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔ اور بدمستی کی
حالت میں مردہ خوروں کو گالیاں دینے لگا۔ ہزاروں گالیاں دے ڈالیں لوگ
لیٹے اس کے کلام کو سنتے رہے آخر دس بجے کے قریب خود ہی بک جھک کر سو گیا
آدھی رات کے قریب مہیب آدم خور ایک جست میں احاطہ کے اندر گرا۔

ہوا کے لئے خیمہ کا دروازہ کھلا تھا۔ شیر بآسانی اندر داخل ہو گیا۔ دروازے کے سامنے جو قلی پڑے تھے ان پر سے گزرتا ہوا اندر کو بڑھتا گیا۔ اور اتفاق کی بات کہ اس جمعدار کو جا دبوچا (جو آدم خوروں کو گالیاں دیتا ہوا سویا تھا) لوگ جاگ اٹھے اور غل مچ گیا۔ شیر کانٹے دار باڑ کو توڑ کر اپنا شکار لیکر باہر نکل گیا اور کچھ دور پر بیٹھ کر مزے سے کھا گیا۔ صبح کو اسکی لاش کا بقیہ حصہ مٹی میں دبا دیا گیا۔ چاروں طرف ایک سنسنی پھیل گئی۔ لوگ پھر ان آدم خوروں کو جن بھوت تصور کرنے لگے۔ اسلیئے کہ گذشتہ شب کو شیر کا اسی جمعدار کا شکار کرنا جس نے ان کو گالی دی تھی۔ تھا تو یہ ایک اتفاقی امر۔ مگر جاہل لوگوں نے سمجھا کہ چونکہ جنات کو ہر بات کی خبر ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایسا واقعہ پیش آیا کرنل پٹرسن سخت پریشان تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر ان بلائے جان درندوں سے کس طرح نجات حاصل کیجائے۔ ان کے مارنے کی ہر طرح کوشش کی مہینوں راتیں درختوں پر گزریں۔ طرح طرح کی صعوبتوں کو برداشت کیں۔ مگر کبھی انکا سامنا نہ ہوا۔ جو دل کی حسرت نکالنے کا موقع ملتا۔ آخر سوچتے سوچتے انھوں نے ایک نئی تدبیر ان ظالموں کے ہلاک کرنے کی سوچی۔

انھوں نے ایک اچھے موقعہ پر گارڈر اور ریل کے سلیپر بہت سے جمع کیئے جن سے ایک ٹریپ[1] بنایا گیا تاکہ انہیں شیر زندہ گرفتار کیا جا سکے۔ چھ چھ انچ کے فاصلہ پر گارڈر اور سلیپر کھڑے کر کے بارہ فٹ کے قریب اونچا پنجرا سا بنا کر اوپر سلیپروں کی چھت بنا دی۔ اس پنجرے کے دو حصے کر دیئے سامنے کے حصہ کا دروازہ لوہے کی چادروں کا اوپر سے گرنے والا بنایا گیا۔

[1] TRAP

اور ترکیب یہ رکھی گئی کہ جیسے ہی شیر اندر داخل ہو اور فرش کے تختوں پر اسکا قدم پڑے بھاری دروازہ اوپر سے خود بخود گر جائے۔ سلیپر اور گارڈر آپس میں زنجیروں اور ٹیلیگراف کے تاروں سے باندھ دیئے گئے۔ ایک چھوٹا سا خیمہ پنجرے کی چھت پر لگا دیا گیا اور پنجرے کی پشت والے خانہ میں چند مویشی باندھ دیئے گئے۔ مسٹر پیٹرسن اوپر والے خیمہ میں خود تین راتیں پڑے رہے۔ شیر کے انتظار میں رات بھر آنکھوں میں کاٹ دیتے۔ مگر شیر کچھ امید سے زائد چالاک ثابت ہوا۔ وہ دو رات تو ان کے نزدیک نہ آیا۔ تیسری رات کو مسٹر پیٹرسن کی آنکھ دس بجے کے قریب ہی لگ گئی۔ وہ سو گئے۔ جب آدھی رات ہوئی۔ تو شیر ٹریپ پر پہونچ گیا۔ وہ اسکے چاروں طرف گھوما۔ شیر کو دیکھتے ہی مویشیوں میں ہل چل مچ گئی۔ وہ سب خوفزدہ ہو گئے۔ صاحب کے خراٹے سنائی دے رہے تھے۔ شیر نے مویشیوں کی طرف توجہ نہ کی۔ ٹریپ کے دروازہ کی طرف آیا اور ایک ہی جست میں چھت پر پہونچ گیا۔ اب پیٹرسن صاحب کی زندگی سخت خطرہ میں تھی۔ وہ بالکل موت کے منہ میں تھے۔ شیر نے اوپر پہونچتے ہی چھولداری کو گرا دیا۔ صاحب جاگ اٹھے۔ اور اپنے آپ کو شیر کے پنجہ میں دیکھ کر بدحواس ہو گئے۔ رائفل کو تو چھوڑا چھولداری کے اندر دبک کر اسمیں لپٹ گئے۔ آدم خور نے چھولداری کو منہ میں پکڑا اور ایک ہی جھٹکے میں رسیاں توڑ ڈالیں اور پیٹرسن سمیت چھولداری کو لیکر نیچے کودا۔ اس کے کودتے ہی پیٹرسن تو عین ٹریپ کے دروازہ کے سامنے گرے اور مردم خور اپنے زور میں خالی چھولداری منہ میں لئے ہوئے کوئی پندرہ گز کے فاصلہ پر آگے بڑھ کر گرا۔ پیٹرسن گرتے ہی فوراً اٹھے اور ٹریپ کے اندر

بھاگے اور کمانی والے تختہ پر جا کھڑے ہوئے۔ تختہ پر انکا بوجھ پڑتے ہی پنجرے کا آہنی دروازہ زور سے نیچے گرا۔ اب صاحب کی زندگی محفوظ تھی یہ آدم خور کے منہ سے بال بال بچ گئے۔

اب ان مردم خوروں کا دورہ لمبا ہونے لگا۔ کبھی یہ دس بارہ میل اوپر ریل ہیڈ کے کیمپ میں حملہ کرتے اور کبھی ساؤ کیمپ یا ساؤ ریلوے اسٹیشن پر دھاوا بولتے اندھیری راتوں میں ان کے حملے عموماً زیادہ ہوتے۔ چاندنی راتوں میں یہ بہت کم حملہ آور ہوتے کچھ دن بعد ان کے کل حملے ریل ہیڈ کیمپ پر ہونے لگے اور ساؤ کیمپ میں انکی آمد و رفت قطعی بند ہو گئی۔ کچھ عرصہ اسی طرح گزرنے کے بعد یہاں والے پھر بے خوف ہو گئے اور اطمینان کی نیند سونے لگے۔ سمجھے کہ ہمیشہ کے لیئے یہ بلا ہماری سر سے اتر گئی۔

گرمیوں کے دن تھے خیمہ چھوڑ کر باہر احاطوں میں سونے لگے۔ ایک رات کو شیر کی گرج سے سارے کیمپ والے جاگ اٹھے۔ آج اس کا دورہ پھر اسی کیمپ پر تھا۔ شیر دیر تک بولتا رہا۔ پھر خاموش ہو گیا۔ لوگ مارے خوف کے دم بخود اپنے بستروں پر پڑے ہوئے تھے۔ یکایک کیمپ میں شور و غل ہوا۔ شیر احاطہ کے اندر جست کر کے اندر داخل ہو چکا تھا۔ سینکڑوں آدمی وہاں موجود تھے ایک بھاگڑ پڑ گئی۔ جدھر جسکا منہ اٹھا بھاگ نکلا۔ شیر شیر کا شور سنائی دے رہا تھا۔ شیر بجلی کی طرح لوگوں کے بیچ میں گرا اور ایک موٹے تگڑے آدمی کو اٹھا کر بھاگ گیا۔ کیمپ کے دوسرے آدمی چیختے چلاتے رہ گئے۔ اور وہ ظالم باڑ کو توڑ کر حسب معمول باہر پہنچ گیا۔ تقریباً پانچ فٹ موٹی باڑ کو ایسے توڑ کر باہر نکل جاتا

تھا کہ گویا کاغذ پھاڑ کر نکل گیا۔ کسی مضبوطی کی اُسکے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی
غریب مخلوق عاجز ہو چکی تھی۔ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ دنیا میں اس بلا سے نجات
ہو سکنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ یہ موٹی باڑیں مضبوط خیمہ آگ کے شعلے سب
بیکار ثابت ہو چکے تھے۔ بڑے بڑے شکاری تھک کر بیٹھ رہے تھے۔ جب
یہ شیر باہر پہونچا تو اسکا ایک اور ساتھی اسکا منتظر دکھا گیا دونوں نے ملکر
شکار کو کھانا شروع کر دیا۔ اس کیمپ کے جمعدار نے جب کہ یہ کھانے میں مشغول
تھے۔ ان پر کئی فائر کئے۔ مگر کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ انھوں نے ذرا بھی پرواہ نہ کی
جبتک کہ اپنا پیٹ نہیں بھر لیا وہاں سے نہ ہٹے۔

اگلی صبح مسٹر پیٹرسن کو یہ خبر پہونچی تو انھوں نے بقیہ حصہ لاش کا وہیں پڑا
رہنے دیا۔ اور رات کو قریب کے ایک درخت پر خود بیٹھنے کا انتظام کیا
اندھیرا ہوتے ہی اپنی رائفل لیکر درخت پر چڑھ گئے اور تمام رات اُن خونخوار
درندوں کے انتظار میں بیٹھے رہے مگر افسوس وہ سامنے نہ آئے۔ رات بھر تکلیف
اٹھانیکے بعد صبح کے قریب کیا دیکھتے ہیں کہ ایک لکڑ بھگا ان کے درخت کے نیچے
کھڑا لاش کھا رہا ہے۔ انھوں نے اس پر گولی چلانا فضول سمجھا۔ صبح ہونے
پر ان کو اطلاع ملی کہ آدم خور نے اپنی خوراک رات کو کیمپ کے دوسرے
حصے سے حاصل کرلی اور بالکل خاموشی کے ساتھ صاحب نے دلی صدمہ
کے ساتھ اس خبر کو سنا اور خاموش ہو گئے

باب گیارہواں

دیگر حادثات اور بغاوت

جبکہ رات کے وقت تمام جنگل میں ایک ہیبت چھا جاتی۔ آدم خور کی گرج سے تمام مخلوق کے دل دہل جاتے۔ اور ہر چیز بذات خود خوفناک نظر آتی جنگل اور پہاڑوں میں زلزلہ آجاتا۔ تمام انسان جو گہری نیند سوتے ہوتے کانپ اٹھتے اور وہ منجمد ہو جاتے۔ اپنی جگہ سے ہلنے کی ہمت نہ ہوتی۔ جدھر نگاہ کرتے وہم کے مارے شیر ہی شیر دکھائی دیتے۔ ایسے وحشتناک وقت میں ایک درخت پر بیٹھنے والا انسان اس فکر میں ہوتا کہ تھوڑی ہی دیر میں کیمپ والوں میں سے ایک نہ ایک اس ظالم درندہ کا شکار ہو جائے گا۔ ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ متفکر انسان کون ہوگا۔ یہ کیمپ والوں کے سچے ہمدرد مسٹر پیٹرسن تھے۔ ان کے دل میں یہی خیالات موجزن ہوتے۔ کبھی کبھی ہلکی سی سرد آہ اُن کے منہ سے نکل جاتی۔ اپنی متواتر ناکامیوں کے سبب اکثر ان کے دل میں ایک کمزور خیال یہ بھی پیدا ہوتا کہ شاید مردم خور دراصل بھوت پریت ہی ہوں جیسا کہ کیمپ والوں کا خیال تھا۔ کئی مرتبہ ان پر فائر بھی ہوئے۔ مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ ان شیر نما درندوں کے سب کرتب بالکل بھوتوں کے سے تھے۔ مسٹر پیٹرسن نہایت بہادر اور دلیر شخص تھے انھوں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ جو کچھ بھی ہو وہ اپنی جان پر کھیل کر

اس طلسم کو توڑ دیں گے اور ان بھوتوں کے مارنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ یا وہ خود اس کوشش میں اپنی جان کھو دیں گے۔

اتفاق سے ان دنوں کچھ فوجی اور جہازی افسران آدم خور شیروں کی مردم خوری کے واقعات سنکر ممباسہ سے ساؤ کیمپ میں پہونچگئے۔ وہاں مسٹر پیٹرسن کے مہمان ہوئے یہ لوگ کئی راتیں متواتر کیمپ کے قریب جنگل میں موقع کے درختوں پر مچانیں بندھواکر بیٹھے رہے۔ قریب ہی مویشی بھی بندھوا دیئے جاتے تھے۔ چند دن میں تمام کوششیں ان لوگوں نے کر ڈالیں۔ کئی کئی بندوقیں بھر کر اپنے پاس رکھ لیتے اور اس خواہش میں رات بھر بیٹھے رہتے کہ کسی طرح آدم خور پر گولی چلانے کا موقع مل جائے مگر ان کی قسمت ایسی کہاں چند روز ہی میں عاجز ہوگئے اور نا امید ہوکر واپس ممباسہ چلے گئے۔ شیر اپنا شکار برابر حاصل کرتے رہے۔

ایک اندھیری رات میں شیر نے ریلوے اسٹیشن سے ایک آدمی کو اٹھا کر لے گیا اور اسے صاحب کے خیمہ کے پاس لاکر پھاڑ ڈالا اور اطمینان سے بیٹھ کر کھانے لگا ہڈیوں کے ٹوٹنے اور چبائے جانے کی آواز صاف آرہی تھی۔ صاحب کے احاطہ کے دوسری جانب دس بارہ قلی لیٹے ہوئے تھے۔ شیر کو اپنے قریب آدمی کو کھاتے سنکر وہ بے حد خوفزدہ ہوگئے گلے پھاڑ پھاڑ کر صاحب کو پکارنے لگے۔ اور ان کے احاطہ میں داخل ہونیکی اجازت چاہی صاحب نے سب کو اپنے پاس بلالیا۔ مگر فوراً ہی یہ معلوم ہوکر بہت افسوس ہوا کہ وہ لوگ اپنے خیمہ میں ایک بیمار قلی کو تنہا چھوڑ آئے ہیں۔ وہ بیچارہ خود چلکر آنے سے معذور تھا۔ چنانچہ یہ لوگ اس کو کس مپرسی کی حالت میں وہیں چھوڑ کر اپنی جان بچانے چلے آئے۔ صاحب فوراً روشنی اور چند آدمیوں کو لے کر وہاں پہونچے

وہاں دیکھا کہ وہ غریب بیچارہ مر چکا تھا۔ جب دوسرے مزدوروں نے اسکو تنہا چھوڑ دیا تو مارے دہشت کے جاں بحق ہوگیا۔ ان آدم خوروں کا عموماً یہی رہا کہ اگر ایک مقام پر دونوں ایک بار حملہ آور ہوتے تو ان میں سے ایک جست کر کے احاطہ کے اندر داخل ہو جاتا اور دوسرا باہر منتظر رہتا اور جب پہلا شکار لیکر باہر نکلتا تو دونوں ملکر اسکو ہضم کر جاتے۔ مگر اب چند روز سے یہ ہونے لگا کہ دونوں جست کر کے احاطہ کے اندر آجاتے اور ایک ایک آدمی کو منہ میں پکڑ کر باہر نکل جاتے اور دونوں ساتھ ہی بیٹھکر کھا جاتے۔

قلی بیچارے برابر کھائے جا رہے تھے۔ شاید ہی کسی رات کو ناغہ ہوتا ہو۔ ایک رات کو اسی طرح انھوں نے ایک خیمہ سے دو قلی اٹھا لئے۔ پہلا شیر جو باڑ کو توڑ کر نکلا وہ اپنے شکار کو چیر پھاڑ کر کھانے میں مشغول ہوگیا۔ بعد میں دوسرا شیر بھی اپنے شکار کو منہ میں لئے ہوئے باہر آیا۔ اور اسکو ایک جھاڑی کے پاس چھوڑ کر پہلے شیر کے پاس جا کر اسکے ساتھ کھانے میں مشغول ہوگیا۔ شیر کے ہٹتے ہی زخمی قلی اٹھکر چپکے سے بھاگا اور احاطہ کی ایک جھاڑی کے نیچے چھپ گیا۔ شیر نے ادھر ادھر خوب تلاش کیا مگر وہ اسکی نظر نہ پڑا۔ صبح کو وہ جھاڑی کے نیچے سے زندہ اور زخمی نکالا گیا۔ زخم اسکے گہرے اور خطرناک تھے۔ بیچارہ دوسرے روز ہسپتال میں مر گیا۔

کیمپ کا ایک بڑا حصہ اسٹیشن سے ملا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی ریلوے آفیسر کا کوارٹر تھا۔ ایک اندھیری رات میں جبکہ چاروں طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔ دونوں آدم خور شیر کیمپ کے اندر ایک زور کے دھماکے کے ساتھ گرے۔ سارے کیمپ میں اودھم مچ گیا۔ قلیوں کا شور اور چلانے کی آواز صاحب کے کانوں تک پہونچ

رہی تھی۔ صاحب کا خیمہ وہاں سے تھوڑے فاصلہ پر واقع تھا۔ تھوڑی دیر بعد یکایک "لیکئے لیکئے" کا شور سنائی دیا۔ دونوں شیر باڑھ توڑ کر باہر نکل گئے اور قریب ہی بیٹھ کر اپنا اپنا شکار کھانے لگے۔ ریلوے آفیسر نے اندھیرے میں جس طرف سے شیروں کے کھانے کی آواز آ رہی تھی۔ اپنی کھڑکی سے تقریباً پچاس فائر اندازاً ان پر کر دیئے۔ مگر ان درندوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بلا خوف و خطر کھانے میں مشغول رہے۔ اور جب تک ختم نہ کر لیا وہاں سے نہ ہٹے۔ صبح کو صاحب اور آفیسر نے موقع کا معاینہ کیا شیروں کے پیروں کے نشانات سے معلوم ہوا کہ آفیسر کے فائروں سے ایک شیر کا بازو زخمی ہوا۔ اس لئے کہ ایک پنجہ کا نشان ریت پر ہلکا پڑ رہا تھا اور خون کے نشانات بھی تھے جو دور تک جنگل میں ریت پر چلے گئے تھے۔ رات جو قلی مارے گئے تھے۔ ایک تو ان میں سے پورا کھا لیا گیا تھا۔ اور دوسرے کی لاش کا آدھا حصہ ویسے ہی پڑا ہوا تھا۔

ان آدم خور شیروں کے منہ کو جب سے انسان کا گوشت لگ گیا تھا۔ دوسرے جانوروں کا شکار کرنا انھوں نے ترک کر دیا تھا۔ انسان ہی کو روز شکار کر کے کھاتے کیمپ سے آدمیوں کو اٹھانے میں حد سے زیادہ دلیر ہو گئے تھے۔ ہر رات کو بڑی آسانی سے اپنی خوراک کیمپ سے حاصل کر لیتے۔ بلکہ بعض موقعوں پر تو ایسے نڈر ہو کر جنگل سے دن دہاڑے نکل آتے اور لائن پر کام کرتے ہوئے قلیوں پر حملہ آور ہوتے اور ایک نہ ایک بدنصیب کو منہ میں دبا کر چلتے ہوتے۔ طرہ یہ کہ ایسے اطمینان سے اپنے شکار کو چھانٹتے کہ ہمیشہ موٹا تگڑا آدمی ہی ان کے ہاتھوں پنجۂ اجل میں گرفتار ہوتا۔ دبلے اور کمزور آدمی بچ جاتے۔ انسانوں کے دلوں پر

ان آدم خوروں کا اتنا رعب بیٹھ گیا تھا کہ شیر کو دیکھتے ہی سکتہ کی حالت ہو جاتی
ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔ اگر کسی کے پاس بندوق بھی ہوتی تو اُسے فائر کرنیکا ہوش
نہ رہتا۔ جب وہ اپنا شکار لیکر دور نکل جاتا تو سب چیختے پکارتے اور شور مچاتے
ایک صبح کو قلی حسب معمول ریلوے ٹریک (چھکڑے) میں بھر کر کام پر چار
پانچ میل کے فاصلے پر بھیجے جا رہے تھے۔ انجن دس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا
تھا۔ اچانک ایک بھوکا شیر جنگل سے باہر نکلا۔ اور گاڑی کے قریب آگیا۔ دیکھتے
ہی سب کی روح فنا ہوگئی وہ زور سے گرجا اور ایک جست میں گاڑی پر پہونچ
گیا۔ اور ایک جسیم آدمی کو منہ میں دبا کر نیچے کود گیا اور آناً فاناً جنگل میں غائب ہو گیا
اس چھکڑے میں ایک جمعدار کے ہاتھ میں بھری ہوئی بندوق تھی۔ مگر شیر کو دیکھکر وہ
مردے سے بدتر ہو گیا۔ اور چپکے سے بیٹھے رہا۔ تعجب تو اس امر کا ہے کہ شیر جس آدمی
کو پکڑ لیتا۔ اپنے بچاؤ کیلئے ذرا بھی ہاتھ پاؤں نہ مارتا۔ بلکہ خاموشی کے ساتھ اپنے
کو شیر کے رحم پر چھوڑ دیتا۔

ان ظالم درندوں نے سارے علاقہ ساوؔ میں قیامت برپا کر رکھی تھی کیمپ
اور ریلوے اسٹیشن کے کل آدمیوں کی جانیں ہر گھڑی خطرہ میں تھیں۔ یہ لوگ اپنے
وطنوں سے ہزاروں میل کے فاصلہ پر پڑے ہوئے تھے۔ پیٹ کی خاطر اپنے بال بچوں
عزیز و اقارب کو چھوڑ کر آئے تھے اور ان کی مفارقت برداشت کر رہے تھے
یہاں ان غریبوں کو شیطان آدم خوروں نے اپنا راشن بنا لیا تھا۔ جب اور جس
قدر ضرورت ہوتی اٹھا کر چل دیتے۔ ہر شخص اپنی موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ
رہا تھا۔ بیٹا باپ کے سامنے۔ باپ بیٹے کے سامنے اور دوست دوست کے

سامنے موت کے گھاٹ اتر رہے تھے۔ مگر کوئی روکنے والا نہ تھا۔ اپنے پرائے
شیروں کے منہ میں جا رہے تھے۔ مگر کسکی مجال تھی کہ بچاتا۔ اپنی آنکھوں سے یہ
دردناک اور دلخراش مناظر دیکھتے۔ مگر ایسے بے بس بے کس اور لاچار تھے کہ انگشت
بدنداں ہو کر رہ جاتے۔ اپنوں کو رو پیٹ لیتے۔ پھر اپنی جان کی فکر پڑ جاتی۔
ہزاروں امیدیں لیکر اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ آہ۔ مگر یہاں پہونچکر خاک کا پیوند
ہو گئے۔ اگر انہیں اس حشر کا علم ہوتا تو کاہے کو گھر سے قدم نکالتے۔ وہاں بڈھے ماں
باپ۔ جوان بیویاں اور چھوٹے چھوٹے بچے ان کے انتظار میں بے قرار ہوں گے
مگر یہاں یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا کو الوداع کہہ گئے۔ افسوس جب انکی دردناک
موت کی خبر ان کے گھر پہونچی ہو گی تو گھر والوں پر کیا گذرتی ہو گی۔ سیکڑوں ماں
باپ بے اولاد اور عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے۔ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ مگر ان
خونخوار درندوں کا پیٹ نہ بھرا۔

سختی اور مصیبت کی بھی حد ہوتی ہے، قوت برداشت کی بھی انتہا ہے۔ نو دس
مہینہ سے یہ لوگ اس قہر و غضب میں گرفتار تھے اور اب بھی جان کی حفاظت کا کوئی
بندوبست نہ تھا۔ بالآخر عاجز اور پریشان ہو کر ساؤ کیمپ کے تمام لوگوں نے
کام چھوڑ دیا اور اس ملک کو الوداع کہہ دینے کا ارادہ کر لیا۔ سب جمع ہو کر ایک
مجمع کثیر کی شکل میں کرنل پٹرسن کے خیمہ کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ اور ان سے
کہا کہ ہم لوگ باز آئے ایسی نوکری سے۔ اب ہم لوگ اس ملک میں نہیں رہیں گے
ہم لوگ یہاں ریلوے کا کام کرنے کے لئے لائے گئے تھے۔ نہ کہ شیروں اور بھوتوں کے
راشن کے لئے۔ خدا کیلئے ہم پر رحم کیجئے اور ہم کو ہمارے وطن پہونچا دیجئے۔ چند

سو قلیوں نے جواب کا بھی انتظار نہ کیا۔ پہلی ٹرین جو ممباسہ جانے کے لئے وہاں سے گزر رہی تھی۔ اسکے سامنے لیٹ گئے۔ گاڑی رک جانے پر اپنے سامان سمیت اس میں سوار ہو کر ممباسہ چلے گئے اور باقی قلیوں نے باوجود صاحب کی کوشش کے کام سے انکار کر دیا۔ ایک مدت تک ریل کا کام بند رہا ان بیکاری کے دنوں میں مسٹر پیٹرسن نے یہ کیا کہ ٹین کے مضبوط کوارٹر بنوا کر بہت سے قلیوں کو ان میں بھر دیا۔ بہت سے لوگوں نے اپنے خیموں کے اندر گہرے گڑھے کھود کر ان میں سونے کا انتظام کیا۔ اوپر سے لکڑی کے سلیپر ڈھک لیتے تھے۔ ریلوے اسٹیشن پر پانی کا بلند حوض تھا۔ بہت سے قلی بیچارے رات اس پر گذارتے تھے۔ سیکڑوں قلیوں نے اپنی چارپائیاں ارد گرد کے اونچے درختوں پر باندھ دی تھیں اور وہ رات کو ان پر سوتے تھے۔
غرض ہر شخص نے اپنے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور کر لی تھی۔ تمام درخت چارپائیوں سے بھر گئے تھے۔ کسی بڑے درخت پر خالی جگہ نہ دکھائی دیتی تھی۔ بعض درختوں پر تو حد سے زائد قلی سوار ہو گئے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ شیر کی گرج کی آواز سنائی دی۔ کچھ لوگ ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے وہ بیدار ہو کر درختوں پر چڑھنے لگے۔ ایک درخت جو پہلے سے کافی لدا ہوا تھا کہ اسپر اتنے قلی اور چڑھ گئے کہ وہ بوجھ برداشت نہ کر سکا اور ایک کرخت آواز کے ساتھ سب کو لیکر نیچے گرا اسی دوران میں دونوں مردم خور آ پہونچے تھے اور ایک بدنصیب انسان کا شکار کر کے قریب ہی چیر پھاڑ کر کھانے میں مشغول تھے انھوں نے درخت کے ٹوٹنے اور آدمیوں کے ادھر ادھر بھاگنے کی کچھ پروا نہ کی۔ اطمینان سے اپنا شکار کھاتے رہے اور کھا چکنے کے بعد آہستہ آہستہ جنگل کی طرف چلے۔ جس کے بعد چند دن تک امن رہا۔

باب بارہواں

مسٹر واہٹ کی آمد اور انکا مردم خور کے ہاتھ سے بچنا

کرنل پٹرسن نے اب دق ہو کر واہٹ (MR.WHITE) ڈسٹرکٹ آفیسر کو ایک خط بھیجا۔ جس میں لکھا تھا کہ یہاں دو خونخوار آدم خوروں نے بڑی آفت مچا رکھی ہے۔ آپ اگر چند دن کے لئے آجائیں تو ہم آپ ملکر انکو شکار کرنیکی تدبیر اور کوشش کریں۔ مسٹر واہٹ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ تیسرے دن رات کے کھانے پر میرا انتظار کیا جائے۔ ان کی گاڑی شام کو چھ بجے ساؤ اسٹیشن پر پہنچتی تھی۔ اسدن کرنل صاحب نے ایک سواحلی لڑکے کو گاڑی کے وقت اسٹیشن پر بھیجا تھا۔ تاکہ وہ مسٹر واہٹ کا سامان وغیرہ لانے میں مدد دے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ لڑکا ہانپتا کانپتا پسینہ میں تر دوڑتا ہوا واپس آیا اور کہنے لگا کہ نہ تو اسٹیشن پر گاڑی کا پتہ ہے اور نہ ہی کسی آدمی کا۔ لیکن بڑا بھاری شیر پلیٹ فارم پر کھڑا ہے۔ صاحب کو اس کا یقین نہ آیا۔ انھوں نے سمجھا کہ اس لڑکے نے راستہ میں کوئی لکڑ بھگا دیکھ لیا ہے۔ چنانچہ خوفزدہ ہو کر بھاگ آیا ہے۔ لیکن اگلے دن ہی لڑکے کے بیان کی تصدیق ہو گی اور معلوم ہوا کہ واقعی شیر وہاں موجود تھا۔ جسکے خوف کی وجہ سے اسٹیشن ماسٹر اور بقیہ اسٹاف وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔

کرنل صاحب کچھ دیر تک مسٹر واہٹ کا انتظار کرتے رہے۔ جب وہ

دیر تک نہ آئے تو انھوں نے سمجھ لیا کہ آج کسی مصروفیت کے سبب سے نہ آسکے ہونگے۔ غالباً وہ کل آجائینگے۔ یہ خیال کر کے انھوں نے اپنا کھانا منگوایا اور کھانے لگے جب وہ کھانا کھا رہے تھے۔ تو انھیں اسٹیشن کی طرف چند فائر ہونے کی آواز سنائی دی انھوں نے اسکا کچھ خیال نہ کیا۔ اس لیئے کہ ہر شب کو ادھر ادھر فائروں کا ہونا ان دنوں ایک معمولی بات تھی۔ غرضکہ کھانے کے بعد وہ حسب معمول اپنی رائفل لیکر رات کو شیر کی گھات میں بیٹھنے کے لیئے روانہ ہوگئے۔ انھوں نے چند دن پہلے ریلوے سلیپروں اور گارڈروں سے ایک بلند مچان بنوایا تھا۔ وہ اس پر جا بیٹھے۔ ان کو بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ۶۰ یا ۷۰ گز کے فاصلے سے ایسی آواز آنے لگی کہ جیسے شیر کسی چیز کو کھا رہا ہو۔ ہڈی توڑنے اور چبانے کی آواز صاف آرہی تھی۔ ان کو تعجب اس بات پر تھا کہ شیر کیا چیز کھا رہا ہے۔ اس لیئے کہ نہ تو حسب معمول شیر کے گرجنے کی آواز آئی تھی اور نہ ہی کیمپ میں کہیں شور و غل ہوا تھا جس سے معلوم ہوتا کہ وہ اپنا شکار کیمپ سے حاصل کر چکا ہے۔ فوراً ہی ان کو خیال ہوا کہ شاید یہ جنگل سے کسی جنگلی آدمی کو اٹھا لایا ہوگا۔ نصف گھنٹہ گزرنے کے بعد آگ کی طرح چمکتی ہوئی دو بڑی بڑی آنکھیں ان کو دکھائی دیں انھوں نے رائفل سنبھالی۔ دونوں آنکھوں کے درمیان کا نشانہ لیکر گولی چلا دی۔ مگر کوئی علامت شیر کے زخمی ہونے کی نہ پائی گئی۔ بلکہ وہ اپنے شکار کو لیکر کچھ دور آگے بڑھ گیا اور وہاں بقیہ حصہ کھا کر رخصت ہوگیا۔ رات صاحب کی تشویش میں بسر ہوئی۔ صبح کی روشنی نمودار ہونے پر یہ مچان سے اتر کر اسطرف روانہ ہوئے جدھر انھوں نے گولی چلائی تھی۔ ان کو سخت حیرت ہوئی۔ جب انھوں نے قریب کے درختوں سے ایک سرنگوں اور پریشان حال یوریشین کو اپنی جانب آتے دیکھا

قریب آنے پر صاحب نے دیکھا کہ ان کے مہمان مسٹر واہٹ بیمار صورت اور خستہ حال چلے آرہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے اور نہایت حیرت کے لہجہ میں پکار کر پوچھا مسٹر واہٹ آپ کہاں سے آرہے ہیں۔ رات آپ کہاں تھے اور کھانے پر کیوں نہیں پہونچے۔؟ رات میرا نہایت اعلیٰ استقبال ہوا جو کہ آپ کے ایک دوست نے کیا جسکو غالبًا آپ نے کھانے کے لیئے مدعو کیا ہوگا۔ یہ مسٹر واہٹ کا جواب تھا۔ کیا کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ صاحب نے چلا کر کہا۔

مسٹر واہٹ نے کہا۔ تمہارے آدم خور دوست نے رات بھر ہمیں اپنا مہمان رکھا کیا لغو ہے۔ کیا کوئی خواب کی بات کر رہے ہو۔ صاحب نے پوچھا۔ اسکے جواب میں مسٹر واہٹ نے پلٹ کر اپنی پشت صاحب کو دیکھائی اور کہا کہ یہ رات کے خواب کی تعبیر ہے۔ انکے کپڑے پشت پر کالر سے لیکر کمر کے نیچے تک پھٹے ہوئے تھے اور پشت لہولہان تھی شیر کے پنجہ کے نشان تھے۔ یہ حالت دیکھکر کرنل صاحب انکو فورًا اپنے خیمہ میں لائے۔ انکو نہلایا۔ زخموں کی مرہم پٹی کی۔ کپڑے بدلوائے اور ہر طرح کا آرام دیا تو انکے ہوش ذرا ٹھکانے ہوئے اور انھوں نے رات کا واقعہ یوں بیان کرنا شروع کیا۔۔۔۔۔ کل شام ہماری گاڑی لیٹ ہوکر بجائے ۶ بجے کے رات کو نو بجے ساؤ اسٹیشن پر پہونچی۔ گاڑی سے اتر کر ہم پیدل کے راستے سے روانہ ہوئے۔ میرا سوا حلی سارجنٹ عبداللہ نامی روشن لالٹین لیئے ہوئے میرے قریب ہی کچھ فاصلہ پر چل رہا تھا۔ نصف راستہ بخیریت گذر گیا۔ یہ راستہ پہاڑی کاٹ کر بنایا گیا تھا اس لیئے دونوں جانب بلندی تھی) نصف راستہ گذرنے کے بعد بلندی سے ایک زبردست شیر اچانک مجھ پر کود پڑا۔ اور مجھے دبا لیا۔ پشت کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کمر زخمی کردی۔ خوش قسمتی

سے عبداللہ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی میگزین رائفل بھری ہوئی تھی۔ اس نے لالٹین زمین پر رکھ کر شیر پر متواتر فائر کیے اور میگزین ختم کر دیا۔ ان فائروں نے چند سکنڈ کیلئے شیر کو وہاں سے ہٹا دیا۔ میں زخمی ہو کر اس کے پنجہ سے رہا ہو گیا۔ چند سکنڈ ہی گذرے ہوں گے کہ شیر بجلی کی طرح چمک کر عبداللہ پر گرا اور اسکو اٹھا کر لے بھاگا غریب کے منہ سے آخری الفاظ جو نکلے وہ یہ تھے۔ "آہ ۔ بابا سمبھا (آہ ماسٹر شیر) شیر نے بلندی سے گزر کر تھوڑے فاصلہ پر بیٹھکر اسے چیر پھاڑ ڈالا اور کھانا شروع کر دیا۔ میں نے اندازاً کئی فائر کیے جسکا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ شیر اپنے شکار کو اٹھا کر اور آگے بڑھ گیا۔ میں نے تمام رات ایک درخت پر کاٹ دی اور اب صبح ہونے پر آپ سے ملاقات ہوئی۔ رات کو صاحب نے جو شیر کے کسی جانور کے کھانے کی آواز سنی تھی وہ اس شیر کے عبداللہ کو کھانے کی تھی۔ مسٹر وایٹ شیر کے ہاتھوں بال بال بچ گئے۔ زخم بھی ان کے گہرے نہ تھے چنانچہ جلد اچھے ہو گئے۔

اتفاق سے اسی روز مسٹر لی کوہر (MR.LIQUHAR) سپرنٹنڈنٹ پولیس ممباسہ سے سپاہیوں کا ایک پورا دستہ لیکر آدم خوروں کے شکار کی غرض سے ساؤ کیمپ پہونچ گئے۔ چند اور آفیسر بھی ان کے ہمراہ تھے یہ سب آکر صاحب کے مہمان ہوئے۔ ان ظالم درندوں کی خونخواری کے حالات دور دور پہونچ چکے تھے دنیا کے اخباروں میں تہلکا مچا ہوا تھا۔ بڑے بڑے مضامین نکل رہے تھے ہر مقام کے شکاریوں کے دلوں میں ولولے اٹھتے تھے۔ اس پارٹی کو بھی یہی شوق ساؤ کھینچ لایا۔ رات سے پہلے ہی تمام موقع دیکھے گئے کیمپ کے چاروں طرف جگہ جگہ سپاہیوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا اور صاحب نے جو شیر پکڑنے کا پنجرہ بنایا تھا اسے ٹھیک ٹھاک کر لیا گیا۔ سب

لوگ تیار ہو گئے۔ رات ہونے سے قبل تمام سپاہی اور آفیسر موقعہ موقعہ سے بیٹھ گئے۔ مسٹر وایٹ جو کہ مجروح تھے انھیں کرنل صاحب نے اپنے ساتھ رکھا اور دونوں جاکر ایک مچان پر بیٹھ گئے۔ اور پنجرے کے پشت والے خانہ میں بجائے مویشی باندھنے کے دو مضبوط اور دلیر سپاہیوں کو رکھا گیا۔ ان کے پاس مارٹینی نمونہ کی دو رائفلیں اور ایک پور ایکس کارتوسوں کا اور ایک روشن لالٹین تھی۔ ان کی سختی سے اس بات کی ہدایت تھی کہ اگر شیر پنجرہ میں پھنس جائے تو فوراً اس پر گولیوں کی بارش کر دیں۔ سب انتظامات رات ہونے سے پہلے ہی مکمل ہو گئے اور سب لوگ بڑی بڑی امیدوں کے ساتھ آدم خور کا انتظار کرنے لگے۔

باب تیرھواں

آدم خور کی گرفتاری اور رہائی

سب لوگ بڑی بےچینی سے مردم خور درندہ کے منتظر تھے ایک ایک گھڑی کاٹنا مشکل ہو رہی تھی۔ وقت گزر رہا تھا۔ دس بجے کے قریب آدم خور کی گرج سے تمام جنگل گونج اٹھا۔ سب کے دل دہل گئے۔ پھر تقریباً بارہ بجے کے یکایک پنجرے کا آہنی اور وزنی دروازہ زور سے نیچے گرا۔ پنجرا بند ہو گیا۔ سب نے سمجھ لیا کہ مردم خور پنجرے میں پھنس گیا۔ سب کے سب مارے خوشی کے پھول گئے۔ خونخوار درندے نے زمین کو سر پر اٹھا لیا۔ گرج گرج کر لوہے کے دروازہ اور سلیپروں کی دیواروں

کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا اسکے شور اور گرج کی آواز دور دور پہونچ رہی تھی
سب کو بے انتہا تعجب تھا کہ فائروں کی آواز کیوں نہیں آتی۔ سپاہیوں کو کیا ہو گیا
وہ خاموش کیوں ہیں۔ دونوں سپاہی جو پنجرے کے پچھلے خانے میں تھے۔ شیر کے خوف
سے بالکل بدحواس ہو گئے تھے۔ ڈر کی وجہ سے عقل سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور مردوں
کی طرح ساکت ہو گئے۔ جب چند منٹ اسی حالت میں گزر گئے تو مسٹر لی کو ہر جو
قریب ہی درخت پر بیٹھے تھے۔ انھوں نے جھنجھلا کر سپاہیوں کو زور سے ڈانٹا
اور کہا کہ فوراً فائر کرنا شروع کر دو۔ آفیسر کی ڈانٹ سے ان کو کچھ ہوش آیا۔ ذرا
تقویت ہوئی تو فائر شروع کر دیئے۔ مگر سب بے نشانہ اور اندھا دھند۔ صاحب
اور مسٹر واہٹ جہاں بیٹھے تھے ان کے دونوں جانب سے گولیاں شائیں شائیں کرتی
ہوئی نکل رہی تھیں بدبخت سپاہیوں نے پورا بکس گولیوں کا خالی کر دیا۔ مگر
سب بیفائدہ۔ آخر شیر نے سخت غضبناک ہو کر اپنی پوری طاقت سے دروازہ
کو دھکا دیا۔ جھنجھلائے ہوئے شیر ببر کی طاقت کا کیا ٹھکانا ہے۔ آہنی دروازہ
ٹوٹ گیا اور مردم خور ان سپاہیوں کی بزدلی اور حماقت کی وجہ سے فرار ہونے
میں کامیاب ہو گیا۔ کرنل صاحب کو اسکا بہت صدمہ اور غصہ تھا کہ شیر قبضہ
میں آکر نکل گیا۔ اگر سپاہی عقل کے اندھے اور جی کے بودے نہ ہوتے۔ تو شیر
کے جسم سے رائفلوں کی نالیں ملا کر فائر کر سکتے تھے۔ دو تین گولیوں ہی میں اسکا
خاتمہ ہو جاتا۔ مگر وائے ناکامی وہ صاف نکل گیا۔ شاید خفیف سا زخمی ہوا ہو
دور دور تک اس طرح سب نے ملکر سب ترکیبیں اور کوششیں ختم کر دیں۔ مگر
سب بے سود آخر کار مہمان لوگ رخصت ہو کر ممباسہ روانہ ہو گئے مسٹر واہٹ

بھی اپنے ہیڈ کوارٹر واپس چلے گئے۔ اب پھر ان خونخوار درندوں سے بھگتنے کیلئے
کرنل صاحب اکیلے رہ گئے مگر واہ رے ہمت ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے۔ بہت
ہی دلیر اور مستقل مزاج واقع ہوئے تھے۔ ابھی تک ان کو مردم خوروں کے مقابلہ میں
فتح نصیب نہ ہوئی تھی۔ مگر انھوں نے کوشش ترک نہ کی تھی۔ بلکہ آئندہ مقابلوں کے
لیے مستعد تھے اور شب و روز اسی کوشش میں مصروف تھے۔

ایک روز صبح تڑکے صاحب اپنے خیمہ سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک
سواحلی نہایت پریشان اور بدحواس انکی طرف دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ قریب آکر وہ چلایا
شیر شیر اور پیچھے مڑ مڑ کر دیکھنے لگا۔ اس سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ شیر خشک دریا
کے قریب اس پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک گدھا بھی تھا۔ یہ تو کوئی طرح بھاگ
نکلا مگر شیر نے گدھے کو دبا لیا اور پھاڑ ڈالا۔ صاحب فوراً اس سواحلی کی رہبری میں اس
طرف کو روانہ ہو گئے۔ ساتھ ڈبل بیریل (دونالی) 577 بور رائفل لے لی جو مسٹر
لی کوہران کے پاس چھوڑ گئے تھے کہ اگر کبھی شیر پر گولی چلانے کا موقع ملے تو یہ رائفل استعمال
کرنا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد انھوں نے دیکھا کہ دور پر شیر جھاڑیوں میں گدھے کو کھانے
میں مصروف ہے۔ یہ بہت احتیاط کے ساتھ دبے پاؤں آہستہ آہستہ اسکی طرف بڑھے
سواحلی بھی ساتھ تھا۔ اس کا پاؤں ایک سوکھی لکڑی پر پڑ گیا۔ اسکے ٹوٹنے کی آواز
سے شیر چوکنا ہو گیا۔ اور ایک دفعہ زور سے بول کر جنگل میں جا گھسا۔ جو قریب ہی تھا
صاحب فوراً واپس کیمپ میں آئے۔ تقریباً ڈھائی سو قلی جمع کیے۔ ان کے جمعدار
سے کہا کہ خالی کنستر ٹین ڈھول جو کچھ بھی اس قسم کی چیز مل سکے۔ فوراً لاؤ۔ جب سب لوگ
جمع ہو گئے تو صاحب نے ان کو ایک نصف دائرہ کی شکل میں دور تک جنگل میں

پھیلا دیا۔ اور ان کو ٹین اور ڈھول پیٹتے ہوئے اور شور مچاتے ہوئے جنگل جنگل آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ خود صاحب اس جگہ پہونچے جہاں شیر نے گدھے کو مارا تھا ایک بڑی جھاڑی کی اوٹ میں چھپکر بالکل تیار بیٹھ گئے اور شیر کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں سیکڑوں قلیوں نے جنگل میں شور مچانا شروع کیا۔ طرح طرح کی آوازیں مل کر کے عجیب قسم کا شور پیدا ہو رہا تھا۔ یہ لوگ صاحب کی طرف بڑھتے ہوئے آرہے تھے تھوڑی دیر میں صاحب نے دیکھا کہ شیر جنگل سے باہر نکل آیا۔ بہت پریشان اور بے چین تھا۔ پہلے کبھی اس نے جنگل میں ایسا شور نہ سُنا تھا آج یہ نئی بات دیکھ کر حیران تھا۔ دو قدم چلتا تھا۔ رک رک کر ادھر اُدھر دیکھتا تھا اور پھر چلتا تھا صاحب نہایت اطمینان سے اُسکے اور قریب آجانے کے منتظر تھے۔ آخر وہ ان سے صرف پندرہ گز دور رہ گیا۔ آج صاحب کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ وہ مہیب آدم خور جس نے مہینوں سے ان کو پریشان کر رکھا تھا۔ جس نے ان کا اطمینان چھین لیا تھا۔ نیند حرام کر دی تھی جس نے انکے سیکڑوں۔۔۔۔۔۔ آدمیوں کی جانیں لے لی تھیں اور جسکی تلاش میں وہ مدت سے سرگرداں تھے۔ آج وہ ان کے اسقدر قریب کھڑا تھا اور اسکی جان ان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ چاروں طرف منہ اٹھا کر اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ اسکی کل توجہ شور وغل کی طرف تھی۔ صاحب کی موجودگی کا اُسے ذرا بھی احساس نہ ہوا۔ صاحب نے دلی خوشی کیساتھ رائفل سیدھی کی۔ عین اس کے دماغ کا نشانہ لیکر فائر کرنا چاہا مگر واہ رے نصیب جیسے ہی گھوڑا دبایا پٹ سے ہو کر رہ گیا۔ دوسری نال کا بھی یہی حشر ہوا دونوں نالیں مس فائر ہوئیں۔ شیر صاف بچ گیا۔ ان کی یہ خوش قسمتی تھی کہ شیر شور وغل کی طرف ایسا متوجہ تھا کہ ان کی طرف اسکا ذرا بھی دھیان نہ تھا۔ ورنہ اسوقت

انکی خبر نہ تھی۔ ان کی موجودگی کا اگر اسکو ذرا بھی شبہ ہو جاتا پھر ان کو جان سے ہاتھ دھونا
پڑتے۔ انھوں نے دوبارہ کارتوس بدلنے کا ارادہ کیا۔ مگر شور و غل کی وجہ سے شیر بہت
بیتاب تھا وہاں سے ہٹ سامنے کے جنگل میں داخل ہو گیا اور سارا کھیل ختم ہو گیا۔

کتنی بڑی غلطی صاحب سے ہوئی ایک نئے ہتھیار کو بغیر آزمائے اس پر اتنا بھروسہ
کر کے اپنے کو خطرہ میں ڈالدیا۔ اگر کہیں شیر کی نظر ان پر پڑ جاتی تو بس ان کا خاتمہ تھا
اب صاحب کے دل میں سخت رنج اور غصہ تھا۔ سیکڑوں گالیاں مالک رائفل کو اور
اسکے بنانیوالوں کو دے ڈالیں اور اپنی بد قسمتی اور ناکامی پر افسوس کرتے ہوئے کیمپ
میں واپس آئے۔

اب کیمپ والوں کو یقین کامل ہو گیا تھا کہ شیر دراصل جانور نہیں بلکہ جنات یا بھوت ہیں
اور اس کیمپ کے ایک آدمی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے اور جو کوئی ان کا مقابلہ کریگا شکست
کھائے گا۔ انھوں نے صاحب سے پھر یہی خیال ظاہر کیا اور کہا کہ آپ کی کوشش ہے
بے سود۔ گولی کبھی ان پر اثر نہیں کر سکتی۔ غرض عوام کے عجیب عجیب خیالات ان شیروں
کے متعلق ہو رہے تھے اور مختلف قصے لوگوں کی زبان پر تھے مگر صاحب اس دل توڑ ناکامیابی
کے باوجود ہمت نہ ہارتے تھے اور غور و خوض میں محو تھے۔

باب چودہواں

کامیابی ———— پہلے مردم خور کی موت

صاحب کی بے چینی بڑھتی جاتی ہے وہ شیر کے مقابلے کے لئے بیتاب تھے اور اس

کوشش میں اپنی جان کھو دینا چاہتے تھے وہ شام کو پھر اسی مقام پر پہنچے جہاں شیر نے
گدھے کو کھایا تھا۔ اسکو دیکھا تو صرف ایک چوتھائی حصہ کھایا گیا تھا۔ باقی سب یونہی
پڑا تھا۔ ان کو خیال ہوا کہ بہت ممکن ہے کہ رات کو شیر یہ بچا ہوا حصہ کھانے کیلئے
آئے۔ چنانچہ انھوں نے گدھے کی لاش کو ایک موٹی تار سے ایک قریب کے درخت
میں باندھ دیا تاکہ شیر اسکو اٹھا کر دوسرے مقام پر نہ لیجا سکے بیس گز کے فاصلے
کے ایک درخت پر خود بیٹھنے کا انتظام کیا اور رات سے پہلے بہت احتیاط کے
ساتھ اپنی 303 بور رائفل لیکر بیٹھ گئے (303 سرکاری فوجی رائفل کا بور ہے۔ گولی
تو اسکی چھوٹی ہوتی ہے مگر مار غضب کی ہے) اس رائفل پر ان کو پورا بھروسہ تھا۔ درخت
ایسے طریقے سے بیٹھے کہ شیر کو شبہ نہ ہو سکے۔ اندھیری رات اور وہ بھی افریقہ کی جو کہ بڑی
ڈراونی تھی۔ اس پر جنگل کا ہو کا عالم غضب کی دہشت پیدا کر رہا تھا۔ مگر بہادر
کرنل کے دل پر اسکا کوئی اثر نہ تھا۔ آج ان کو کامیابی کی بڑی امیدیں تھیں۔
آنکھیں جنگل کی طرف لگی ہوئی تھیں بے چینی سے مردم خور کا انتظار کر رہے تھے۔ شیر
رات سے بھوکا تھا۔ ذرا اندھیرا ہوتے ہی وہ جنگل سے نکلکر گدھے کی لاش پر آکودا
اندھیرے میں صاحب نے محسوس کیا کہ کوئی بڑا جانور سامنے جھاڑیوں میں کھڑا ہے
آج انکو اپنی یقینی کامیابیوں کے خواب نظر آ رہے تھے۔ جنگل میں مکمل خاموشی تھی
جانور بھی خاموش تھا یہ اسکی طرف بغور دیکھ رہے تھے یہ خاموشی کچھ دیر تک رہی
پھر وہی جانور یعنی مردم خور شیر چند قدم چلا۔ جھاڑی کی اوٹ میں آیا ذرا رکا
پھر چلا۔ سامنے آیا اور یکایک اس نے منہ اٹھا کر صاحب کی طرف دیکھا اور غضبناک
ہو کر گرجا۔ اسے ان کی موجودگی کا احساس ہو گیا۔ اس پر صاحب کو خوف کیسا تھ

اپنی ناکامیابی کا خیال ہوا۔ شیر ذرا جھاڑیوں میں چلا گیا اور وہاں کھڑا ہو کر غرانے لگا
ایک تو یہ بہت بھوکا تھا۔ گدھے کو کھانا چاہتا تھا دوسرے صاحب کی موجودگی کا خیال
کر کے غضبناک ہو رہا تھا۔ ایک دفعہ پھر گرجا اور جھاڑیوں سے باہر آگیا۔ آہستہ آہستہ
قدم بڑھاتا ہوا ان کی طرف کو آیا۔ ایک دفعہ رُکا اور بولا پھر زور سے گرجا اور ان کے
درخت کے سامنے آگیا۔ گرج کی آواز سے جنگل کو سر پر اٹھا لیا۔ اور غصہ میں درخت کے
چاروں طرف چکر لگانے لگا اور بار بار منہ اوپر کو اٹھا کر انکی طرف دیکھتا تھا۔ کبھی تھوڑے
فاصلے پر جھاڑیوں میں چلا جاتا۔ پھر نکل آتا۔ ہر آن یہی خیال ہوتا کہ یہ ایک جست کر کے
انکو نیچے گرا دیگا اسوقت صاحب بھی یہ خیال کر کے خوفزدہ ہو گئے کہ درخت کچھ زیادہ
مضبوط نہیں ہے اور میں صرف دس بارہ فٹ کی بلندی پر بیٹھا ہوں۔ یہاں کے شیر
بڑی آسانی سے جست کر کے پہونچ سکتا ہے۔ اس خیال سے ان پر دہشت چھا گئی
ایسے کمزور درخت پر بیٹھنا سخت غلطی تھی اس کا انھیں اب احساس ہوا۔ آج ان
دونوں شیروں کا برابر مقابلہ تھا۔ جگہ محفوظ نہ ہونیکی وجہ سے صاحب کی نگاہ ہر
لحظہ شیر ہی پر تھی۔ ہر لمحہ ان کو شیر کی جست کا خطرہ تھا۔ دو گھنٹہ اسی مصیبت کی
حالت میں گذر گئے۔ اب شیر جنگل میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی
آدھی رات کے قریب کوئی چیز ان کی پشت سے زور سے سر پر ٹکرائی یہ سخت گھبرائے
قریب تھا کہ نیچے گر جاتے مگر سنبھلے۔ مارے خوف کے پسینہ پسینہ ہو گئے۔ دل دھڑکنے
لگا سمجھے کہ شیر نے پشت سے حملہ کر دیا مگر جب گھوم کر دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ بہت چکرائے
اصل بات یہ تھی کہ ایک بڑے الّو نے ان کو درخت کی شاخ سمجھا اڑ کر ان کے سر پر بیٹھنا
چاہا جب انکو یہ بات معلوم ہوئی تو دل میں بہت ہنسے۔ کچھ دیر بعد جنگل میں پھر بولا

اور بولتا ہوا انکی طرف بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ پہلے کی طرح بالکل ان کے سامنے آگیا اب کے انھوں نے دل کو مضبوط کر کے رائفل کو مضبوط سنبھالا۔ شیر بالکل قریب اور سامنے تھا نہایت احتیاط کیساتھ نشانہ لیکر دن دن دو فائر کر دیئے۔ رائفل کی آواز کے ساتھ ہی ایک طوفان اٹھا۔ جنگل میں ایک قیامت آگئی۔ شیر زخمی ہوکر سخت غضبناک ہو گیا۔ اسوقت کا منظر بڑا دہشت انگیز تھا۔ شیر نے درخت پر بار بار کودنے اور صاحب کو نیچے گرانے کی کوشش کی۔ صاحب نے اسپر گولیوں کی بوچھار شروع کر دی آخر شیر بری طرح زخمی ہو کر گھنی جھاڑیوں میں چلا گیا اور ہمیشہ کے لیئے خاموش ہو گیا ایک ظالم جس نے ہزاروں انسانوں کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا۔ وہ آج جہنم واصل ہو گیا اور وہ جن اور بھوت کا طلسم آج ٹوٹ گیا لوگ اس عذاب سے نجات پا گئے۔

صاحب کی خوشی اور مسرت کی کوئی حد نہ تھی وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اب درخت پر بیٹھے تھے۔ فائروں اور شیر کے گرجنے کی آواز جب کیمپ میں پہونچی تو کچھ لوگ روشنی اور ہتھیار لیکر کیمپ سے نکلے اور ایک فرلانگ کے فاصلے سے صاحب کو پکارنے لگے۔ صاحب نے زور سے چلا کر انھیں آگے بڑھنے سے روکا اور کہا میں صحیح سالم ہوں اور شیر مارا گیا۔ تم لوگ واپس جاؤ۔

شیر کے مارے جانے کی خبر آگ کی طرح آناً فاناً سارے کیمپ میں پھیل گئی۔ تھوڑی دیر میں صاحب نے دیکھا کہ تمام کیمپ اور جنگل روشنی سے جگمگا رہا ہے۔ سیکڑوں روشن لالٹینیں اور مشعلیں انکی طرف آرہی ہے۔ ٹین اور ڈھول بجاتے ہوئے ہزاروں آدمی جلوس کی شکل میں چلے آرہے ہیں۔ جب جلوس ان کے درخت کے چاروں طرف پھیل گیا تو سب لوگ جوش میں چلا اٹھے "صاحب سلام" اور سب طرف سے مبارک سلامت

کا غلغلہ بلند ہوا۔ ان لوگوں نے چاہا کہ زخمی یا مردہ شیر کو اسی وقت ڈھونڈھ نکالیں مگر صاحب نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا۔ مبادا وہ زندہ ہو یا اسکا ساتھی قریب ہو اور حملہ کر بیٹھے۔ صاحب درخت سے نیچے اترے۔ لوگوں نے خوشی کے مارے ان کو کندھوں پر بٹھالیا۔ مسرت اور خوشی کے گیت گاتے اور نعرے لگاتے انکو کیمپ میں لے گئے۔ وہاں بھی ان لوگوں نے بقیہ حصہ شب ناچ رنگ میں گذار دیا۔ سواحلی جو کیمپ میں تھے بہت شوقین تھے۔ انھوں نے ڈھول کے ساتھ ناچ کے اکھاڑے جما دیے۔ آج صاحب کی کامیابی کی پہلی شب تھی۔ انھیں انتہائی مسرت کے سبب سے نیند نہ آئی۔ مدتوں کی محنت آج وصول ہوئی تھی۔ دیرینہ تمنا آج بر آئی۔ مسرت کی بات ہی تھی۔ جتنا خوش ہوتے کم تھا۔ صبح ہوتے ہی بہت سے آدمی لیکر صاحب رات کے موقع واردات پر پہونچے۔ خون کے نشان دیکھتے ہوئے یہ لوگ جھاڑیوں میں پہونچ گئے دیکھا کہ جھاڑیوں کے نیچے زبردست اور جسیم آدم خور شیر پڑا ہے۔ شبہ دور کرنے کیلئے لوگوں نے اسپر پتھر پھینکے۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ جب اطمینان ہوگیا کہ وہ مر چکا ہے تو یہ لوگ قریب پہونچ گئے۔ ایک مرتبہ پھر شیر کے گرد گھیرا ڈالکر خوشی میں ناچنے اور گانے لگے۔ صاحب بھی ان لوگوں کی حالت کو دیکھ کر مسرور ہو رہے تھے۔ شیر کے معائنہ سے معلوم ہوا کہ پہلی دونوں گولیوں نے کاری زخم پہونچائے تھے۔ مردہ شیر کو اٹھا کر کیمپ میں لائے اسکو ناپا گیا تو ناک سے دم نوک تک دس فٹ ایک انچ تھا۔

صاحب کی دس مہینے کی مسلسل کوشش کا آج انعام ملا تھا۔ آدم خور کے مارے جانے کی خبر آناً فاناً اطراف و جوانب میں پھیل گئی۔ لندن اور ہندوستان تک ٹیلیگرام پہونچ گئے۔ صاحب کے پاس مبارکبادی کے تاروں اور خطوں کے ڈھیر لگ گئے

شیر کو دیکھنے کے لیئے دور دور سے لوگ آ رہے تھے۔ ساؤ کا پہلا آدم خور ان کے ہاتھ سے فنا ہو چکا تھا۔ مگر اسکا جوڑیدار دوسرا شیر ابھی زندہ تھا۔ مردہ شیر کی کھال اتارنے پر معلوم ہوا کہ وہ کانٹوں سے خراب ہو گئی تھی یہ کانٹے وہ تھے جو کانٹے دار باڑوں میں سے گذرتے وقت اسکی کھال میں چپ جاتے تھے۔ غرض بہت کچھ لوگوں کو اطمینان ہو گیا تھا مگر صاحب کو ابھی دوسرے ظالم کی فکر تھی اور وہ اسکی ہلاکت کی تدابیر سوچنے میں مصروف ہو گئے۔

باب پندرہواں

دوسرے مردم خور کے حملے

پہلے آدم خور کے مارے جانے کے کچھ عرصہ بعد تک کیمپ میں امن وامان رہا لوگ میٹھی نیند سونے لگے۔ ہر شخص قریب قریب مطمئن نظر آتا تھا۔ مگر کبتک یہ سلسلہ جاری رہ سکتا تھا۔ چند روز کے بعد پھر وہی صورت پیش نظر ہو گئی دوسرے مردم خور نے کیمپ پر حملے شروع کر دیئے اور بیچارے آدمیوں کو غائب کرنا شروع کر دیا وہ ہی طریقہ سامنے آ گیا رات کو جنگل میں گرجتا تھوڑی دیر لوٹ پوٹ کر کے خیمہ میں داخل ہو جاتا اور ایک آدمی کو منہ میں اٹھا کر باہر نکلجاتا اور اسی چیر پھاڑ کر کھا جاتا۔ تمام کیمپ میں بے چینی پھیل گئی۔ لوگ پریشان ہو ہو کر اپنے بچاؤ کی تدبیریں کرنے لگے۔ مگر وہ خونخوار درندہ حسب معمول اپنی خوراک ہر شب کو کیمپ سے حاصل کر لیتا اور لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہجاتے۔ کسی کے بنائے کچھ نہ بنتا۔

ساؤ کے پہلے مردم خور کے مارے جانے اور مسٹر پیٹرسن کی بہادری کے کارنامہ بہت

مشہور ہو چکے تھے اور دور دراز اسکی خبریں جا چکی تھیں۔ اب قریب کے دوسرے ملکوں کے شکاریوں کے دلوں میں دوسرے آدم خور کے شکار کا شوق پیدا ہوا چنانچہ ہندوستان کے بہت سے شکاری وہاں پہونچے اور تمام امکانی کوششیں کر ڈالیں بلکہ بہتوں کو تو دوسرے آدم خور کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی۔ آخر سب کے سب حسرت اور مایوسی کیساتھ ناکامیاب ہو کر چلے گئے۔

بمبئی کے آغا غلام محمد خاں بھی انھیں لوگوں میں تھے۔ یہ بہت تجربہ کار اور بڑے شکاریوں میں تھے۔ ہندوستان کے بہت سے جنگلات میں شکار کھیل چکے تھے اور چند شیروں کا شکار کر بھی چکے تھے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بہت شوق کیساتھ قسمت آزمائی کیلئے سرزمین افریقہ میں جا پہونچے۔ امیر آدمی تھے۔ پورا اسٹاف اور مکمل سامان اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ ساؤ پہونچکر یہ بیس دن تک وہاں مقیم رہے اور اس عرصہ میں جتنی تدبیریں اور ترکیبیں ممکن ہو سکتی تھیں انھوں نے کر ڈالیں سیکڑوں روپیہ برباد کر ڈالے۔ مگر کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ بالآخر اپنا ایک آدمی کھو کر اور خود زخمی ہو کر وہاں سے ناکامیاب لوٹ آئے

ایک شب کو آغا صاحب موصوف نے کیمپ سے ایک میل کے فاصلے پر جنگل میں ایک درخت پر نشست کا انتظام کرایا درخت کے نیچے لوہے کے ایک بڑے پنجرے میں ایک اپنا ملازم بند کر کے بٹھا دیا جو بندوق کارتوس اور تلوار وغیرہ سے مسلح تھا۔ آدمی تنومند قوی اور دلیر معلوم ہوتا تھا۔ اسکو ہدایت کی گئی کہ اگر شیر اسپر حملہ آور ہو تو وہ بندوق کی گولیوں کی بوچھار اسپر کر دے اور اگر شیر سلاخوں میں سے اندر ہاتھ ڈالکر اسکو پکڑنا چاہے تو وہ تلوار کا وار کر کے اسکا بازو کاٹ ڈالے۔ پنجرہ کافی بڑا تھا اور آغا صاحب نے بہت سا روپیہ صرف کر کے وہاں مستریوں سے بنوایا تھا۔ ان کا

آدمی اگر پنجرے کے وسط میں کھڑا رہتا تو شیر کے پنجے اس تک نہ پہونچ سکتے تھے۔ درخت پر تقریباً بارہ فٹ کی اونچائی پر خود ۵۰۰ بور ڈبل بیریل ایکسپریس رائفل لیکر بیٹھ گئے۔ ان کا ایک دوسرا پٹھان ملازم اُن سے ذرا نیچے دوسری شاخ پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ سب انتظامات شام سے قبل مکمل ہو گئے تھے۔ مطلع شام سے ہی صاف نہ تھا انکے بیٹھنے کے تھوڑی ہی دیر بعد آسمان پر بادل چھا گئے۔ رات شروع ہو گئی تھی۔ ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ جنگل میں کچھ عجیب دہشت پیدا ہو گئی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بجلی چمکتی تھی۔ جس سے قرب و جوار کا جنگل ایک دم منور ہو جاتا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیں پڑ رہی تھیں۔ چاروں طرف سناٹا اور ایک ہو کا عالم تھا۔ آغا صاحب کو بہت کچھ امید آج شکار کی تھی۔ انتظار کی گھڑیاں گزار رہے تھے دس بجے تک خاموشی رہی۔ اسکے بعد یکایک آدم خور کی ہیبتناک گرج سے جنگل تھرا اٹھا اتفاق سے وہ آہستہ آہستہ اسی طرف بڑھتا آرہا تھا۔ آدھ میل کے فاصلہ پر آکر خاموش ہوا اور ایک گھنٹہ تک خاموشی طاری رہی۔ اسکے بعد آغا صاحب کو شبہ ہوا کہ پنجرے کے قریب کوئی متحرک چیز موجود ہے۔ یہ غور سے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ یکایک بجلی چمک گئی انھوں نے دیکھا کہ مہیب آدم خور پنجرے کے چاروں طرف گھوم رہا ہے۔ آغا صاحب نے اگرچہ ہندوستان میں بہت شیر دیکھے اور مارے تھے۔ مگر ایسا شیر کبھی نہ دیکھا تھا اس میں اور ہندوستان کے شیروں میں بہت بڑا فرق تھا۔ آج پہلی مرتبہ وہ آدم خور آغا صاحب کے سامنے آیا تھا ان پر ہیبت چھا گئی۔ بجلی چمکنے سے آدمی نے اپنے قریب شیر کو دیکھا۔ شیر اپنے بازو پنجرے کے اندر ڈالکر اس آدمی کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا اس بیچارے کو مارے خوف کے بندوق تلوار کا کچھ بھی ہوش نہ رہا۔ لگا چیخنے چلانے

شیر جب اسے پکڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو غضبناک ہو گیا۔ اور ایک دھکے میں پنجہ کو الٹ دیا۔ آدمی کے منہ سے بڑے زور سے چیخ نکلی اور وہ بیہوش ہو گیا۔ اب آ[غا] صاحب نے ہمت کی ہوش و حواس درست کرکے اپنی رائفل سنبھالی۔ شیر [تو] بالکل صاف نہیں معلوم ہوتا تھا مگر قریب ہونے کے سبب کچھ کچھ دکھ[ائی دے] رہا تھا۔ آغا صاحب نے اسپر فائر کر دیا۔ گولی غالباً شیر کی ٹانگ میں لگ[ی ...] نظر آغا صاحب پر پڑ گئی اور وہ غضبناک ہو کر زور زور سے غرا[تا ہوا ان کی] طرف جھپٹا اور اپنی پوری طاقت سے ان پر جست پر جست کرنے لگا۔ آغا صاحب نے اندھیرے ہی میں اسپر پے در پے فائر کرنا شروع کر دیئے جو کہ سب خالی جا رہے تھے ایک مرتبہ کی جست سے اسکا پنجہ چھیلتا ہوا ان کی ران پر پڑا۔ یہ بڑی مضبوطی سے بیٹھے ہوئے تھے اس لیے گرنے سے بچ گئے۔ مگر ان کا پٹھان ملازم جو ان سے نیچے بیٹھا تھا شیر کی متواتر جستوں سے بیحد خوفزدہ ہو چکا تھا۔ اس مرتبہ کی جست میں ڈال پر بڑے زور کا جھٹکا پڑا۔ وہ اپنے کو سنبھال نہ سکا دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ پھر کیا تھا شیر نے غریب کو منہ میں پکڑ لیا اور جنگل کو لے بھاگا۔ آغا صاحب پر نیم بیہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ ران کے زخم میں سخت تکلیف تھی۔ رات بڑی مصیبت میں بسر کی اور ان پر آدم خور کا ایسا رعب چھا گیا تھا کہ پھر جنگل میں جانے کی ہمت نہ ہوئی اور اس طرح زخم لیے ہوئے اور اپنے معتمد پٹھان ملازم کو کھو کر ناکامیاب واپس چلے آئے۔ اسٹیشن کے قریب ہی ریلوے انسپکٹر کا کوئی کوارٹر تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ انسپکٹر اندر سو رہا تھا۔ برآمدہ میں کچھ آہٹ پا کر وہ جاگ اٹھا اور یہ سمجھ کر کہ کوئی شرابی قلی برآمدہ میں گڑبڑ کر رہا ہے۔ بستر پر لیٹے لیٹے قلی کو گالیاں دینے لگا اور ڈانٹ کر چلے جاؤ

یہاں سے۔ بدمعاش کہیں کا۔ انسپکٹر نے بستر سے اٹھنے کی تکلیف گوارا نہ کی ورنہ اُسے معلوم ہو جاتا کہ وہ بدمعاش قلی نہیں۔ بلکہ مردم خور شیر تھا جب بھوکے درندہ کو اور کچھ کھانے کو نہ ملا۔ تو اس نے انسپکٹر کی دو بکریاں مار ڈالیں اور ان کو کھا گیا۔

اگلے دن صاحب کو یہ خبر معلوم ہوئی تو رات کو وہاں بیٹھنے کا انتظام کیا تھوڑے فاصلہ پر ایک گارڈ کے ساتھ تین بکریاں بندھوا دیں۔ رات کو تھوڑے ہی انتظار کے بعد شیر وہاں پہنچ گیا۔ آتے ہی ایک بکری کو مار ڈالا اور سب کو گارڈ سمیت گھسیٹ کر دور جھاڑی میں لے گیا۔ رات اندھیری تھی۔ صاحب نے اندازاً کئی گولیاں چلائیں صبح کو صاحب چند آدمیوں کو ساتھ لیکر۔ تقریباً پاؤ میل کا فاصلہ طے کر کے اس جھاڑی کے قریب پہنچے۔ جہاں شیر بکریوں کو گھسیٹ کر لے گیا تھا۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شیر ابھی تک کھانے میں مصروف ہے۔ ان لوگوں کی آہٹ پاکر ایک مرتبہ خفا ہو کر بولا اور ان کی طرف لپکا۔ سب لوگ خوفزدہ ہو کر اپنی جان بچانے کے لئے درختوں پر چڑھ گئے۔ شیر بولتا ہوا جنگل میں چلا گیا۔

صاحب نے جا کر دیکھا شیر ایک بکری تو صاف چٹ کر گیا تھا۔ باقی دو بہت کم کھائی گئی تھیں۔ یہ یقین کرتے ہوئے کہ شیر انکو کھانے کے لئے رات کو ضرور واپس آئے گا۔ صاحب نے بکریوں سے تھوڑے فاصلہ پر بیٹھنے کی جگہ ایک درخت پر بنائی۔ اور شام کو اندھیرا ہونے سے قبل ہی جا کر اس پر بیٹھ گئے ان کا ملازم (روشن خاں) ساتھ تھا اسکو بھی اپنے پاس بٹھا لیا۔ تاکہ اگر صاحب سو جائیں تو وہ ان کو بوقت ضرورت بیدار کر دے

صاحب کئی راتوں جاگے ہوئے تھے جلدی ہی سو گئے۔ دفعتاً روشن خاں نے ان کا بازو ہلا کر آہستہ سے انکو جگایا اور اشارے سے بتلایا کہ شیر بکریوں کے قریب آگیا ہے

صاحب نے اٹھکر دیکھا کہ شیر بکریوں پر پہنچ چکا ہے اور سامنے قریب ہی دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ جھاڑیوں کی رکاوٹ ضرور تھی۔ انھوں نے اپنی شاٹ گن میں دو موٹے گراپ کے کارتوس ڈال دیئے اور تیار ہوکر بیٹھ گئے۔ یہ انتظار میں تھے کہ شیر بالکل صاف سامنے نظر آجائے تو اس پر فائر کریں۔ مگر شیر کو بھی اطمینان نہ تھا وہ کبھی بکریوں کے قریب آجاتا۔ کبھی جھاڑیوں میں چھپ جاتا۔ جیسے ہی وہ ایک مرتبہ سامنے آیا۔ انھوں نے فوراً اپنی بندوق کی دونوں نالوں سے اس کے بائیں بازو پہ دو فائر کر دیئے۔ نشانہ ٹھیک پڑا تھا۔ وہ بہت غضبناک ہوکر زور سے گرجا صاحب نے رائفل اٹھائی جو تیار رکھی تھی۔ لیکن اس کے فائر کرنے کی نوبت نہ آئی اس لئے کہ شیر جھاڑیوں میں سے گزر کر جنگل میں جا چکا تھا۔

صبح کی روشنی نمودار ہوتے ہی دونوں درخت سے اترے اور زخمی شیر کی تلاش میں خون کی نشانوں پر ایک میل تک چلے گئے۔ جہاں کہیں شیر راستہ میں ذرا بھی رُکا تھا۔ وہاں بہت سا خون جما ہوا دکھائی دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ بری طرح زخمی ہے۔ مگر ایک میل کے بعد پتھریلی زمین اور گھنے جنگل میں خون کے نشان غائب ہوگئے بہت تلاش کرنے کے باوجود نہ ملے اور شیر کا کچھ پتہ نہ چلا۔

تقریباً پندرہ بیس دن تک شیر غائب رہا لوگوں کو یقین ہوگیا کہ وہ زخموں سے چور ہوکر مر چکا ہے سب لوگ بے خوف ہوکر مطمئن ہوگئے اور خوشیاں منانے لگے۔ اتنے بے فکر ہوئے کہ رات کو احاطوں کے باہر کھلے میدان میں سونے لگے۔

٭٭٭

باب سولھواں

دوسرے آدم خور کی موت

پندرہ بیس دن لوگوں نے بڑے مزے میں گزارے۔ اس کے بعد ایک رات کو کیمپ میں شوروغل ہونے کے سبب سے صاحب جاگ اٹھے۔ ان کو معلوم ہوا کہ ٹرالی چلانے والے قلی جو احاطے کے باہر ایک درخت پر سوئے ہوئے تھے شیر کی آمد سے بیدار ہو گئے تھے۔ اور چیخ و پکار کر رہے ہیں۔ اسوقت خیمہ کے باہر جانا سخت غلطی تھی۔ گو رات چاندنی تھی مگر بادلوں کی وجہ سے دور کی چیز صاف نظر نہ آتی تھی۔ اسوقت وہ جو کچھ کر سکے یہ تھا کہ انھوں نے شیر کو خوفزدہ کرنے کے لئے چند فائر کر دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قلیوں کے قریب نہ آیا۔ لیکن صبح تک قریب ہی اسکے بولنے کی آواز آتی رہی۔ صبح کو دیکھا گیا کہ کیمپ کے ہر حصہ میں اس کے پیروں کے نشان تھے جس سے معلوم ہوا آدم خور کے زخم اچھے ہو گئے اور وہ تندرست ہو کر واپس آگیا۔ مگر کمزوری کیوجہ سے حملہ نہ کر سکا۔ کیمپ والوں کو ستانے کے لیئے ابھی زندہ تھا۔ لوگوں کا اطمینان رخصت ہو گیا۔ انکی خوشی پر پانی پھر گیا۔ پھر اپنی اپنی جان کی فکر ہر شخص کو پڑ گئی اور ہر طرف بے چینی پھیل گئی۔

رات کو کھانے کے بعد صاحب رائفل لیکر اس درخت پر بیٹھ گئے۔ جس پر قلیوں نے شور مچایا تھا۔ خوش قسمتی سے یہ ایک سانپ کے کاٹنے سے بال بال بچ گئے جب یہ درخت کے اوپر پہنچے تو ان کا ہاتھ ایک بڑے اور زہریلے سانپ پر پڑ گیا۔ جو درخت کی ڈال پر لیٹا ہوا تھا۔ یہ فوراً ہی نیچے اتر آئے۔ ان کے آدمیوں نے ایک

بانس لیکر سانپ کو نیچے کھینچ لیا۔ اور مار ڈالا۔

رات بالکل صاف تھی چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ دور دور کی چیزیں صاف دیکھائی دے رہی تھیں۔ عجیب پرلطف منظر تھا ۲ بجے رات تک صاحب ٹکٹکی لگائے شیر کی آمد کا انتظار کرتے رہے مگر وہ نہ آیا۔ اب روشن خاں کو نگراں کرکے خود درخت سے کمر لگاکر سو گئے۔ ایک گھنٹہ سوئے ہونگے کہ ایک کرخت آواز سے ان کی آنکھ کھل گئی دونوں نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ مگر کچھ دیکھائی نہ دیا۔ میدان صاف تھا۔ صرف چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں یہ دوبارہ سونا ہی چاہتے تھے کہ ان کو قریب ہی جھاڑیوں میں کوئی چیز ہلتی ہوئی دکھائی دی۔ بہت غور کے بعد معلوم ہوا کہ انکے پرانے دوست آدم خور ہیں جو ان کی نگرانی کررہے ہیں۔ بستر علالت سے تندرست ہوکر انکی ملاقات کو آئے ہیں صاحب اس انتظار میں تھے کہ وہ بالکل قریب آجائے تو گولی چلائیں۔ جب وہ ان سے بیس گز کے فاصلہ پر آگیا تو یہ صبر نہ کرسکے۔ انھوں نے اپنی 303 بور رائفل سیدھی اور شیر کے سینہ کا نشانہ لیکر فائر کردیا۔ گولی لگی تو ضرور مگر صحیح نشانہ پر نہ لگی وہ زخمی ہوکر بڑے زور سے گرجا اور جنگل کی طرف رخ کیا۔ وہ پہلے سے زخمی تھا زیادہ دیر نہ ٹھیر سکا وہ جنگل میں غائب ہوگیا۔ یہ لوگ صبح کی روشنی کا انتظار کرنے لگے۔ دن نکلتے ہی یہ لوگ درخت سے اترے۔ روشن خاں بھی ایک چھوٹی رائفل بھری ہوئی لیکر صاحب کے ساتھ ہولیا۔ خون کے نشان کافی نمایاں تھے۔ جنگل میں صرف ایک چوتھائی میل کے قریب گئے ہونگے کہ شیر کی گرج قریب ہی سنائی دی۔ جھاڑیوں میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ شیر موجود ہے اور بہت غضبناک نظروں سے ان کو دیکھ رہا ہے وہ۔ ایک دفعہ پھر گرجا۔ صاحب نے احتیاط سے نشانہ لیا اور فائر کردیا۔ فائر ہوتے

ہی شیر اچھلا۔ کود کر جھاڑی سے باہر آگیا اور ان کی طرف لپکا۔ انھوں نے ایک فائر اور کیا شیر گرا پھر اٹھا اور ان پر حملہ آور ہوا۔ رائفل میں کارتوس ختم ہو چکے تھے۔ انھوں نے چھوٹی رائفل کے لئے ہاتھ بڑھایا کہ اس سے ہی اپنی جان بچائیں مگر انھوں نے اسوقت اپنے کو تنہا پایا۔ ان کے قریب کوئی بھی نہ تھا۔ روشن خاں شیر کو حملہ آور دیکھ کر قریب کے درخت پر چڑھ گیا تھا اپنے کو خطرہ میں دیکھ کر صاحب بھی فوراً جست کر کے اسی درخت پر چڑھ گئے۔ قبل اسکے کہ شیر ان تک پہونچے وہ درخت پر پہنچ چکے تھے۔ ایک گولی سے شیر کا بازو ٹوٹ گیا تھا۔ پہلے ہی وہ زخمی اور کمزور تھا۔ درخت پر وہ جست نہ کر سکا یہ دیکھ کر کہ شکار زد سے نکل گیا ہے۔ غصہ میں بھرا ہوا اور گرجتا ہوا جنگل کی جانب چلا۔ جیسے ہی اس نے رخ بدلا صاحب نے ہاتھ بڑھا کر روشن خاں سے رائفل حاصل کر لی اور فوراً شیر پر فائر کیا۔ وہ گولی کھا کر گرا۔ انھوں نے غلطی یہ کی کہ فوراً درخت سے اتر کر اسکی طرف بڑھے شیر اٹھ کر ایک دم ان پر کودا۔ صرف پانچ گز کا فاصلہ ان کے درمیان تھا۔ انھوں نے فوراً رائفل کے دو اور فائر اس پر کیئے۔ ایک گولی سینہ اور دوسری سر پر پڑی۔ شیر وہیں گرا اور فوراً ٹھنڈا ہو گیا۔ آج دونوں شیروں کا پھر برابر کا مقابلہ تھا جس میں صاحب کو فتح حاصل ہوئی انھوں نے بڑی دلیری اور ہمت سے کام لیکر اتنے قریب سے شیر کو روکا اور اپنی جان بچائی۔ بڑے استقلال اور بہادری سے عین مقابل میں خونخوار دشمن کو مار گرایا۔

چونکہ دن کا وقت تھا اسلیے متواتر فائروں کی آواز سنکر کیمپ والے اسطرف بھاگے ان کو یقین ہو گیا کہ آج دوسرا ظالم بھی مارا گیا۔ ہزاروں آدمی جمع ہو گئے جنگل میں میلہ لگ گیا۔ مردہ شیر کو دیکھکر ہر شخص غضبناک ہو رہا تھا۔ لوگ غصہ میں اسکی

بوٹی بوٹی اڑا دینے کیلئے تیار تھے۔ صاحب نے ان کو اس حرکت سے روکا۔ دراصل ان کا غصہ بجا تھا۔ انکے سیکڑوں عزیز اور ساتھی اس خونخوار درندے نے کھا ڈالے تھے۔ صاحب نے لوگوں کو ہٹا کر مردم خور کی لاش کیمپ میں اٹھوا لائے۔ اس کی ناپ نو فٹ نو انچ تھی یہ چار فٹ اونچا تھا۔ اسکے جسم سے چھ گولیاں نکلیں۔

اس دوسرے آدم خور کے مارے جانے کی خبر سارے ملک میں پھیل گئی لوگ بھر کثرت کے ساتھ صاحب اور مردم خور کو دیکھنے کے لئے آنے لگے میلہ سا لگا رہتا دنیا کے اخباروں میں صاحب کی بہادری کی دھوم مچ گئی۔ ریل ہیڈ اور ساؤ کیمپ میں اب ہر شخص مطمئن ہو گیا تھا۔ سب سمجھ رہے تھے کہ اب آئندہ ہماری زندگی محفوظ ہو گئی سب لوگ صاحب کے بے انتہا شکر گزار تھے۔ ریل ہیڈ کے لوگ بھی ساؤ کیمپ میں جمع ہو گئے تمام اوورسیر۔ ٹائم کیپر۔ مستری اور مزدور لوگوں نے ایک ایڈریس اور چاندی کا ایک پیالہ اپنے بہادر آفیسر کی خدمت میں پیش کیا۔ ایڈریس میں صاحب کی بے حد تعریف کی گئی۔ دنیا کے تمام اخباروں نے اچھے اچھے مضامین انکی تعریف میں لکھے ان آدم خوروں کی وجہ سے کرنل پیٹرسن نے خوب شہرت حاصل کی۔ ریل ہیڈ اور ساؤ کیمپ میں اب امن تھا۔ شیطان۔ بھوت۔ جنات اور شیروں کا طلسم پورے طور پر ٹوٹ چکا تھا لوگوں کا خوف جاتا رہا ہر شخص کو اطمینان قلب حاصل ہو گیا۔

خدا کی شان ہے اس کامیابی کا سہرا صاحب ہی کے سر بندھنا تھا۔ اسلئے بڑے بڑے لوگ جو ذوق شوق سے آئے ناکام واپس گئے۔ مسٹر واہٹ مسٹر لی کوہر۔ سب یونہی لوٹ گئے۔ شہرت اور فتح انکے نصیب کی نہ تھی۔

باب ستر ہواں

ایک چیتے کی دست درازی

مردم خوروں کی طرف سے اطمینان کر کے صاحب ساؤ پل کی تیاری کیطرف متوجہ ہوئے وہ چاہتے تھے کہ جلد از جلد اس کام کی تکمیل کر دیجائے چنانچہ ہزاروں آدمی اس کام پر لگا دیئے ایک رات کو سخت آندھی چلی اور بارش موسلا دھار ہوئی۔ طوفان زور کا تھا کہ ساؤ دریا میں جو قریب قریب خشک تھا طغیانی آ گئی۔ آندھی کیوجہ سے سیکڑوں بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھڑ گئے۔ دریا کی طغیانی نے پل کا بہت سا حصہ برباد کر ڈالا۔ لائن کے اور کئی مقامات پر بھی نقصانات ہوئے جس سے صاحب بہت پریشان ہوئے اور اس نقصان کو پورا کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔

کیمپ والوں کو علاوہ مردم خور شیروں کے دیگر چھوٹے جانور جنکی افریقہ میں کمی نہیں ہے۔ ہمیشہ دق کرتے رہتے تھے۔ جن میں چیتا۔ خرخ۔ جنگلی کتے خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان میں چیتا سب سے زیادہ تکلیف دہ جانور ہے۔ بھیڑ۔ بکری جو کمسریٹ میں سپلائی کے لئے رکھی جاتی تھیں۔ یہ جانور ان کو نقصان پہونچا جاتے تھے۔ چیتا ایسا بدمعاش جانور ہے کہ یہ اپنی خوراک کے لئے تو بہت کم کسی جانور کو مارتا ہے۔ بلکہ تقریباً غریب و بے کس جانوروں کی جان لیکر تماشہ دیکھتا ہے۔ کیمپ میں صاحب کے پاس تقریباً بیس پچیس بھیڑ بکریاں تھیں۔ جن کو یہ

رات کے وقت ایک چھپر میں بند کر دیا کرتے تھے ۔ یہ جانور انھوں نے دودھ اور گوشت کے لیے پال رکھے تھے ۔ ایک اندھیری رات میں انھوں نے بکریوں کے چھپر میں غیر معمولی آہٹ کی آواز سنی ۔ سب جانور بے چین معلوم ہوتے تھے ۔ فوراً خیال ہوا کہ کوئی چیتا اندر گھس گیا ہوگا ۔ صاحب نے اٹھکر چھپر کی طرف رائفل کے چند فائر کر دیئے ۔ جانور سب خاموش ہو گئے اور شور وغل جاتا رہا ۔ صبح ہوتے ہی صاحب چھپر میں گئے ۔ یہ سخت حیران ہوئے ۔ جب انھوں نے دیکھا کہ سب کی سب بھیڑیں بکریاں مردہ پڑی ہیں ۔ کم بخت نے سب کا گلا گھونٹ دیا تھا ۔ کھایا کسی ایک کو بھی نہیں ۔ محض تفریح کے لیۓ اتنے جانور مار ڈالے ۔ صاحب کو اس پر بہت غصہ آیا ۔ غریب جانوروں کی بے کسی دیکھکر صدمہ تھا ۔ چیتا چھپر میں جگہ بنا کر اندر داخل ہوا تھا ۔ یہ امید کرتے ہوئے کہ چیتا رات کو ان میں سے کسی کو ضرور کھانے آئیگا وہ سب جانوروں کے توں چھوڑ دیئے گئے ۔ ان کے پاس چیتا پکڑنے کا مضبوط آہنی ٹریپ رکھ دیا گیا تھا ۔ یہ ٹریپ ایسا تھا جیسے چوہے پکڑنے کا ہوتا ہے ۔ اسے ایک لمبی زنجیر سے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا گیا ۔ صاحب رات کو اپنے خیمہ میں بیٹھکر چیتے کا انتظار کرنے لگے ۔ آدھی رات کے قریب ٹریپ کے بند ہونے کی آواز زور سے سنائی دی چیتے کی شور اور اچھلنے کودنے کی بھی صدا آنے لگی ۔ صاحب فوراً رائفل لیکر باہر نکلے ۔ چوکیدار جس کے پاس روشن لال ٹین تھی اسے ساتھ لیا اور اس طرف بڑھے ۔

ٹریپ کی زنجیر کچھ لمبی تھی ۔ چیتا ایک دم ان پر کودا ۔ چوکیدار ڈر کے مارے بھاگ گیا ۔ یہ اندھیرے میں اکیلے رہ گئے ۔ اندھیرا زیادہ تھا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا

انھوں نے اندازاً چیتے کی آواز پر فائر شروع کر دیئے اور میگزین خالی کر دیا۔ اتفاق سے دو گولیاں چیتے کے سر اور سینہ پر پڑ گئیں اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ صاحب نے چوکیدار کو پکارا۔ وہ اور احاطہ کے دوسرے لوگ روشن لالٹین لے آگئے۔ روشنی میں مرے ہوئے چیتے کو دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ صبح ہوتے ہی صاحب اپنے آدمیوں سے چیتے کی کھال اتروا رہے تھے کہ چند جنگلی آدمی واکمبا قوم کے اسطرف سے گذرے۔ انھوں نے درخواست کی۔ اگر چیتے کا گوشت انکو دیدیا جائے تو یہ کھال بہت آسانی سے اتار دینگے۔ چنانچہ انھوں نے چند منٹ میں کھال اتار کر الگ رکھدی اور وہیں بیٹھکر کچے گوشت کا ناشتہ شروع کر دیا۔ پورا چیتا چٹ کر گئے۔ کچا گوشت بڑے مزے لے لے کر کھا رہے تھے۔

جنگلی کتے بھی اکثر بھیڑ بکریوں کو مار ڈالتے ہیں اور جب بھوکے ہوتے ہیں تو سامنے پڑ جانے پر انسان کو بھی نہیں چھوڑتے۔ بڑی دلیری سے حملہ کر دیتے ہیں۔ یہ سات آٹھ کی ٹولی میں حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور منٹوں میں جانور کو چیر پھاڑ کر بانٹ لیتے ہیں۔

باب اٹھارہواں

ایک خاتون کی مصیبت

ریلوے اسٹیشن دوئی (۱۵۷) پر کچھ کام کیا جا رہا تھا۔ یہ مقام ساؤ سے تیس میل کے فاصلہ پر ممباسہ کی طرف واقع ہے۔ صاحب کو اس کام کا معائنہ

کرنا تھا۔ ایک روز صاحب بوئی اسٹیشن پہنچے اور ڈاکٹر روز DR. ROSI -
جو کہ وہاں میڈیکل انچارج تھے۔ انکے مہمان ہوئے۔ دن کو اپنا کام ختم کرکے شام
کے وقت صاحب ان کے کیمپ میں پہونچگئے۔ دونوں نے شام کا وقت نہایت
لطف سے گذارا اور مقامی حالات پر گفتگو ہوتی رہی۔ دوران گفتگو میں ایک
نئی سڑک کا ذکر شروع ہوگیا جو کہ بوئی اسٹیشن سے شروع ہوکر اوپر جنگل میں مقام
ٹاویٹا (TAVITA) تک بنائی جارہی تھی۔ وہاں عیسائی مشنریوں نے اپنا اسٹیشن
قائم کیا تھا جو کلی مانجارو پہاڑوں کے قریب تھا۔ اس نئی سڑک کے ذکر کے سلسلہ
میں ڈاکٹر روز نے بتلایا کہ اس سڑک کے کام کے انچارج مسٹر ہومر (MR HOMER)
انجینیر ہیں بہت خلیق آدمی ہیں اور دوئی سے دس بارہ میل پر ان کا کیمپ ہے۔
ان کی بیوی دو چھوٹے بچے بھی ان کے ساتھ وہیں ہیں۔

دوسرے روز صبح ہی صاحب اٹھے اور اپنی شاٹ گن لیکر گینی فول کے شکار
کے لئے اس نئی سڑک پر روانہ ہوگئے۔ ابھی یہ ڈاکٹر کے کیمپ سے دور نہیں گئے تھے
کہ انھوں نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر چار سواحلی قلی ایک چارپائی پر کوئی چیز اٹھائے
لئے چلے آرہے ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دوئی ہسپتال کو جارہے ہیں۔ صاحب
فوراً بڑھے اور ان کے قریب پہونچگئے۔ انہیں ٹھیرا کر گفتگو کرنا چاہی۔ قریب پہونچکر
انھوں نے دیکھا کہ چارپائی پر کسی کی لاش ہے جو سفید چادر سے ڈھکی ہوئی ہے
صاحب نے ان سے پوچھا کہ چارپائی پر کیا لئے جارہے ہو۔؟ سواحلیوں نے جواب
میں صرف باہنا (ماسٹر) کہا۔ صاحب نے پوچھا کون باہنا؟ بولے باہنا ہومر
مزید استفسار پر معلوم ہوا کہ مسٹر ہومر انجینیر رات شیر کے ہاتھ سے مارے گئے

یہ لوگ انکی لاش دوولی ہسپتال لئے جا رہے ہیں اور مسز ہومر اور انکے بچے پیدل پیچھے آرہے ہیں۔ صاحب کو افسوس ہوا۔ وہ سواحلیوں کو ہسپتال کا راستہ بتا کر بیوہ کی مدد کے لئے روانہ ہو گئے۔ نہایت تیز رفتاری سے سڑک پر جا رہے تھے تقریباً چار میل کا فاصلہ طے کرنیکے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ غریب مسز ہومر بے کسی کی تصویر بنی ہوئی آہستہ آہستہ چلی آرہی ہیں۔ سال بھر کا بچہ گود میں ہے جسے سینہ سے لگائے ہوئے ہیں اور دوسرا بچہ پانچ برس کی عمر کا انکی انگلی پکڑے پیدل چلا آرہا ہے۔ تکان سے نڈھال ہو رہے ہیں۔ قدم سیدھے نہیں پڑتے۔ آنسو ہیں کہ تھمتے نہیں۔ صاحب یہ سین دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ دوڑ کر دونوں بچوں کو گود میں اٹھا لیا اور مصیبت زدہ بیوہ کو سہارا دیتے ہوئے آہستہ آہستہ کیمپ تک پہونچے ڈاکٹر روز نے فوراً ان کے آرام کا بندوبست کر دیا۔ ان کے لئے ایک خیمہ الگ لگوا دیا تھکے ماندے تھے لیٹ کر سو گئے۔ دوپہر کو اٹھے تو انکو نہلوا کر ناشتہ وغیرہ کرایا گیا۔ اب مسز ہومر کے ہوش ذرا ٹھکانے ہوئے تو انھوں نے اپنی داستان غم کو یوں بیان کرنا شروع کیا۔

رات کو ہم سب خیمہ کے اندر سو رہے تھے دو پلنگوں پر میں میرا شوہر اور دونوں بچے لیٹے ہوئے تھے۔ گود کے بچے کو بخار تھا وہ بےچین تھا۔ آدھی رات کے قریب میں اٹھی کہ ذرا بچہ کو دودھ پلا دوں۔ مجھے اسوقت باہر آہٹ معلوم ہوئی میں سمجھی کہ باہر کوئی جانور خیمہ کے چاروں طرف چکر لگا رہا ہے۔ میں نے فوراً اپنے شوہر کو جگایا اور ان سے کہا کہ باہر شیر موجود معلوم ہوتا ہے وہ فوراً بستر سے کود ے اور اپنی شاٹ گن ہاتھ میں لیکر باہر نکل گئے خیمہ کے چاروں طرف گھوم کر دیکھا اور سواحلی سپاہی جو اسوقت پہرے پر تھا پوچھا سپاہی نے کہا کہ اس نے کسی جانور کو سوائے ایک گدھے کے جو وہاں پھر رہا تھا نہیں دیکھا۔ میرے شوہر واپس

آئے اور مجھ سے کہا کہ فکر نہ کرو باہر شیر نہیں ہے۔ بلکہ ایک گدھا تھا جسکی آہٹ تم نے سنی ہوگی۔ میں مطمئن ہوگئی۔ رات گرم تھی میرے شوہر نے خیمہ کے دونوں پردے ہوا آنے کے لئے الٹ دیئے اور پلنگ پر لیٹ کر سو گئے۔ میری بھی آنکھ لگ گئی تھوڑی دیر کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ دیکھا تو میرے شوہر بستر سے غائب تھے۔ میں دیوانہ وار اٹھی اور باہر جاکر زور زور سے اپنے شوہر کو پکارنے لگی۔ مگر جواب نہ ملا۔ اتنے میں مجھے باہر خالی پڑے ہوئے بکسوں کے پیچھے کچھ کھڑ کھڑاہٹ سنائی دی میں اسطرف بھاگی۔ جاکر دیکھا تو میرے شوہر بکسوں کے درمیان پڑے ہوئے تھے۔ میں ان پر گر پڑی اور ان کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگی مگر ناکام رہی۔ تب میں نے پہرے کے سپاہی کو مدد کے لیے پکارا۔ مگر اس نے آنے سے انکار کیا اور کہا کہ ابھی تمھارے قریب شیر کھڑا تھا۔ یہ سن کر میں نے ادھر ادھر جو نظر کی تو دیکھا کہ صرف تقریباً تین گز کے فاصلے پر ایک زبردست شیر کھڑا غرا رہا ہے۔ پہرے کے سپاہی نے فوراً اس پر رائفل کا فائر کیا۔ گولی تو اس کے نہ لگی مگر وہ خوفزدہ ہوکر ایک جست کر کے جھاڑیوں میں غائب ہوگیا۔ چاروں سپاہی آگئے۔ انھوں نے میرے شوہر کو اٹھا کر پلنگ پر لیٹا دیا۔ افسوس ان میں دم باقی نہ تھا۔ تھوڑی دیر میں شیر خیمہ کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ سپاہی نے پھر فائر کر کے اسکو ہٹا دیا۔ مگر جلد ہی پھر وہ واپس آگیا خیمہ کے چاروں طرف پھرتا رہا۔ میں نے بھی چند فائر بندوق کے اسکو ڈرانے کے لیے کئے۔ مگر وہ ٹلا نہیں۔ صبح تک چکر لگاتا رہا اور بولتا رہا۔ دن نکلنے پر میں اپنے شوہر کی لاش اور بچوں کو لیکر وہاں سے چل کھڑی ہوئی۔ یہ کہکر وہ غم زدہ بیوہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی

صاحب اور ڈاکٹر روز کو بڑا صدمہ ہوا۔ ڈاکٹر روز نے انکو ہر طرح آرام پہونچایا لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے پر معلوم ہوا کہ شیر نے ان کا سر منہ میں پکڑ لیا تھا۔ اسلئے اسکے لمبے دانت ان کے دماغ تک پہونچ گئے تھے۔ جس سے انکی موت فوراً واقع ہوگئی تھی۔ شام سے پہلے انکو دفن کر دیا گیا۔ بیوہ اور بچوں کا رونا بہت دلخراش تھا۔

باب انیسواں

ایک اور آدم خور

ساؤ کا پل اب مکمل ہو چکا تھا اور کرنل پیٹرسن اپنا کام ختم کر کے نیروبی جا چکے تھے۔ یہاں سے وہ آخر دسمبر ۱۸۹۹ء میں واپس انگلستان چلے گئے۔ مسٹر پیٹرسن اور انکے آدم خوروں کے واقعات قلمبند کرنے کے بعد قبل اسکے کہ میں اپنی سرگذشت پیش کروں ایک اور آدم خور کا ذکر کرتا ہوں۔ جسکے حملوں کے وقت میں خود نیروبی میں موجود تھا۔

شروع سال ۱۹۰۰ء میں ایک زبردست شیر جو واقعی بڑا خونخوار اور غیر معمولی طور پر بے خوف اور دلیر تھا آدم خور ہو گیا اسکا مسکن کیما (KIMAA) ریلوے اسٹیشن کے قریب تھا۔ یہ مقام نیروبی سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر ممباسہ کی جانب واقع ہے۔ ریلوے اسٹاف کے بہت سے آدمی اس نے کھا ڈالے۔ یہ بڑا ہی دلیر اور نڈر درندہ تھا۔ دن کے وقت اپنے دفتر میں کام کرتے ہوئے اسٹیشن ماسٹر اور بکنگ کلرک کو یہ اٹھا کر لے گیا تھا۔ اسکے خوف سے اسٹیشن اور تمام کوارٹر

سرِ شام ہی سے بند ہو جاتے تھے۔ غروب آفتاب کے بعد کوئی شخص مارے خوف کے باہر قدم نہ رکھتا تھا۔ ایک شب کو یہ ظالم اپنی خوراک کی تلاش میں نکلا۔ اسٹیشن کو چاروں طرف سے بند پاکر ایک جست میں چھت پر چڑھ گیا اور چھت کو توڑ کر اندر کود نے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے لوہے کی چادروں کو توڑ کر الگ پھینک دینے کی بڑی کوشش کی۔ دو گھنٹہ اسی جدوجہد میں لگا رہا۔ ٹیلیگراف آفس کا اسٹاف بھی کمرے میں بند تھا۔ شیر نے لوہے کی چادریں توڑنے کی اس قدر کوشش کی کہ اپنے پیر اور پنجہ زخمی کر لئے جس کو چھت پر جا بجا خون پایا گیا۔ آخر ناکام واپس ہو کر چلا گیا۔ مگر اسی شب کو وہ ایک ڈرائیور کو اٹھا کر لے گیا اور چند دن میں کئی آدمیوں کو کھا گیا۔

اسٹیشن کے قریب پانی کی ایک بہت بڑی ٹنکی خالی پڑی تھی یہ لوہے کی مضبوط بنی ہوئی تھی۔ اس میں چند سوراخ تھے اور منہ کھلا ہوا تھا۔ ایک ڈرائیور رات کو ٹنکی کے اندر اپنی بندوق لے کر اس خیال سے بیٹھ گیا کہ شیر پر نظر پڑتے ہی سوراخ میں سے اس پر فائر کر دے۔ ٹنکی میں اس نے اپنے آپ کو محفوظ سمجھا۔ آدھی رات کے قریب شیر اس ٹنکی پر پہنچ گیا۔ اُسے ڈرائیور کی موجودگی کا علم ہو گیا۔ ٹنکی کے اندر اپنی خوراک دیکھ کر اسکو حاصل کرنے کیلئے بہت بے چین تھا۔ اسکو باہر کھینچ لانے کی بہت کوشش کر رہا تھا۔ کبھی اندر ہاتھ ڈالکر ڈرائیور کو پکڑنا چاہتا تھا۔ کبھی خود اندر داخل ہونے کے لئے جدوجہد کرتا تھا۔ ڈرائیور کی خوش قسمتی سے ٹنکی بہت گہری کافی تھی۔ وہ نیچے دبک گیا تھا اسلئے مردم خور کی زد سے بچا رہا۔ شیر اس تک نہ پہنچ سکتا تھا لیکن ڈرائیور بہت خائف ہو گیا تھا۔ نشانہ لیکر فائر کرنا بھی اس کے لئے مشکل تھا۔ آخر کسی طرح بندوق کا رُخ اوپر کی طرف کر کے دو فائر اس نے کر دیئے بندوق کی آواز سے شیر

وہاں سے ہٹ کر چلا گیا اور ڈرائیور کی جان بچ گئی۔ اس ٹنکی سے تھوڑے فاصلہ پر ندی کے کنارے پانی کھینچنے کا انجن تھا یہاں سے پانی کھینچکر بڑی بلند ٹنکی میں بھرا جاتا تھا اور اسٹیشن پر بھی پہنچایا جاتا تھا۔ شیر سے حفاظت کے لیئے انجن کے چاروں طرف لوہے کی سلاخوں کا جنگلہ اور اوپر لوہے کی چھت بنی ہوئی تھی لوہے کا ایک دروازہ آمد و رفت کے لیئے تھا۔ بعض اوقات پانی کی ضرورت کے سبب سے انجن رات کو بھی چلایا جاتا تھا ایک رات پانی کی ٹنکی بھری جا رہی تھی۔ سید فضل حسین انجن چلا رہے تھے۔ رحمت اللہ نامی ایک فائرمین انکے ساتھ کام کر رہا تھا۔ ایک بجے شب کو اس نے کہا میں ذرا باہر جاکر پیشاب کر آؤں۔ سید صاحب نے اُسے باہر جانے سے منع کیا اور کہا کہ اندر جنگلے کے پاس بیٹھکر پیشاب کر لو۔ مگر وہ نہ مانا دروازہ کھولکر باہر نکل گیا اور تھوڑی دور پر پیشاب کرنے لگا۔ فارغ ہوکر لوٹا اور قبل اسکے کہ دروازہ میں پہنچے آدم خور نے اُسے آدبوچا۔ آناً فاناً اٹھا کر لے گیا۔ رحمت اللہ ایک خوبصورت جوان تھا۔ ظالم شیر سامنے ہی بیٹھکر چیر پھاڑ کر کھا گیا۔ سید صاحب اس حادثہ سے بہت خوفزدہ ہوگئے۔ بجائے اسکے کہ کواڑیں اندر سے بند کرکے اپنے کو محفوظ کر لیتے گھبراہٹ میں باہر بھاگے اور قریب کے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ انجن چلانے یا خوف کی وجہ سے پسینہ میں تر تھے۔ کھلی ہوا اور ٹھنڈ میں آکر جسم اکڑ گیا۔ اُدھر جب آگ کم ہوگئی تو وہ انجن رک گیا۔ صبح کو جب اسٹیشن پر پانی نہ پہنچا تو چند آفیسر ٹرالی میں بیٹھکر انجن گھر پہنچے۔ وہاں دیکھا تو انجن بند ہے۔ دروازہ کھلا پڑا ہے۔ جابجا خون کے دھبے ہیں تھوڑی دور پر رحمت اللہ کی باقی ماندہ لاش پڑی ہے اب سید صاحب کی تلاش ہوئی۔ لیکن پتہ نہ ملا۔ آخر درخت پر دیکھ لیے گئے

اور اتارے گئے کئی روز تک شیر کی دہشت غالب رہی آخر نوکری کو خیر باد کہکر ممباسہ واپس چلے آئے۔

اس ظالم درندہ کے ہاتھوں اس اسٹیشن پر ایک زبردست حادثہ ہوا وہ درج ذیل کرتا ہوں۔

جون ۱۹۰۰ء کو مسٹر رائل (MR. ROYAL) سپرنٹنڈنٹ پولیس معاینہ کے بعد مکنڈو (MAKINDU) اسٹیشن سے اپنی سپیشل گاڑی میں نیروبی واپس جا رہے تھے انکے ہمراہ انکے دو دوست مسٹر ہونبر MRHWBNER اور مسٹر پریسٹی (MR. PARESTI) بھی تھے جب گاڑی کیما اسٹیشن پہنچی تو ان کو معلوم ہوا کہ آدم خور شیر ان کی آمد سے تھوڑی دیر قبل اسٹیشن پر موجود تھا۔ انھوں نے فوراً ارادہ کر لیا کہ وہ رات وہاں ٹھیر کر اس خبیث کو موت کے گھاٹ اتار دیں انکی اسپیشل گاڑی ٹرین سے الگ کر کے اسٹیشن سے تھوڑے فاصلے پر ایک زیر تعمیر لائن پر کھڑی کر دی گئی۔ لائن کا یہ حصہ پورے طور پر مکمل نہ ہوا تھا۔ زمین اونچی نیچی تھی اور کہیں کہیں مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ شام سے پہلے تینوں دوست شیر کی تلاش میں جنگل میں تھوڑی دور تک گئے۔ مگر جنگل میں شیر کو کہیں نہ دیکھا واپس آکر شام کا کھانا کھایا۔ پھر اندھیرا ہو چکا تھا تینوں گاڑی میں بیٹھ گئے اطمینان سے وقت گذار رہے تھے اور پینے کا شغل کر رہے تھے اور شیر کے منتظر تھے۔ مگر کوئی علامت جنگل میں شیر کی موجودگی کی نہ معلوم ہوئی مگر آدم خور شیر شام ہی سے انکی تاک میں تھا۔ اسکی آنکھیں انھیں کیطرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ انکی نگرانی کر رہا تھا۔ جب نو بج گئے اور شیر کی آواز کہیں سنائی نہ دی تو مسٹر رائل نے کچھ ناامید ہو کر اپنے دوستوں سے کہا کہ تم دونوں

سو جاؤ۔ چند گھنٹے میں خود جاگوں گا اور نگرانی رکھوں گا۔ اسکے بعد تمھیں بیدار کر دوں گا۔ مسٹر رائل کھڑکی کے برابر جنگل کی طرف سیٹ پر بیٹھے تھے۔ مسٹر ہونبر انکے مقابل میں اوپر والی سیٹ پر بستر لگا کر لیٹ گئے۔ مسٹر پیرسٹی نے کہا مجھے نیچے فرش پر زیادہ آرام ملے گا۔ چنانچہ انھوں نے مسٹر رائل کے قریب فرش پر بستر لگایا اور اور لیٹ کر سو گئے۔ مسٹر رائل تنہا رات کے بارہ بجے تک جنگل کی طرف ٹکٹکی باندھے شیر کے منتظر رہے۔ مگر جب وہ نہ آیا تو یہ ناامید ہوکر اسی سیٹ پر دراز ہو گئے اور تھوڑی ہی دیر میں خراٹے لینے لگے۔ جب یہ تینوں سو گئے تو یہ بدمعاش آدم خور جنگل سے نکلا اور خاموشی سے انکی گاڑی کے قریب آیا۔ تینوں کو بے خبر پاکر ایک مٹی کے ڈھیر پر کھڑا ہوکر آسانی سے گاڑی کے دروازہ تک پہونچ گیا۔ غالباً دروازہ اچھی طرح بند نہ کیا گیا تھا جو اسکے ہلکے سے دھکے سے فوراً کھل گیا۔ شیر اندر داخل ہو گیا اسکے غیر معمولی وزن سے گاڑی ایک جانب کو جھک گئی اور دروازہ خود بخود بند ہو گیا اب شیر تینوں سونیوالوں کے سر پر کھڑا تھا۔ وہ فوراً مسٹر رائل پر لپکا مگر چونکہ مسٹر پیرسٹی فرش پر سوئے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ شیر کے پیروں کے نیچے دب گئے۔ جیسے شیر انکو اپنے نیچے دبا کر مسٹر رائل کو پکڑنے لگا۔ مسٹر ہونبر کی آنکھ کھل گئی۔ جب انھوں نے یہ وحشتناک سین دیکھا تو بیحد خوفزدہ ہو گئے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے اور شور و غل کرنے لگے۔ سخت بدحواس ہوکر گاڑی سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بیچ میں نیچے شیر کھڑا تھا۔ اوپر سے اتر کر باہر نکلنے کی گنجائش نہ تھی گاڑی کی اس کمرے کے ساتھ نوکروں کا ڈبہ بھی تھا۔ جس کا ایک دروازہ گاڑی کے اندر تھا مسٹر ہونبر کسیطرح اس دروازہ تک پہونچنا چاہتے تھے تاکہ ملازموں کے ڈبہ میں

داخل ہوکر اپنی جان بچا سکیں۔ ایک نوکر نے چیخ پکار سنکر دروازہ کے اندر سے جھانکا جب اس نے شیر کو موجود دیکھا تو فوراً دروازہ دوبارہ بند کرنے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں مسٹر ہوتہیر مارے خوف کے ایسے بدحواس ہوئے کہ چلاتے ہوئے اوپر سے کودے تو شیر پر گرے۔ مگر شیر مسٹر رائل کو کھینچ لیجانے میں ایسا مگن تھا کہ اس نے انکے گرنیکی کچھ پروا نہ کی۔ یہ دروازہ کی طرف لپکے۔ قبل اسکے کہ نوکر دروازہ بند کر سکے انھوں نے جاکر دروازہ کو زور سے ڈھکیلا۔ دروازہ کھل گیا اور یہ اندر گھس گئے۔ سب نوکروں نے دروازہ کو مضبوطی سے بند کر لیا۔ شیر نے ایک کھڑکی پر کئی دھکے مارے گاڑی میں زلزلہ آیا اور وہ ایک طرف کو جھک گئی۔ کھڑکی بالکل ٹوٹ کر گر گئی۔ شیر مسٹر رائل کو منہ میں لیکر باہر کود گیا۔ مسٹر پیرسٹی کو جیسے ہی شیر کے پنجہ سے نجات ملی وہ ایک منٹ بھی گاڑی کے اندر نہ ٹھہرے۔ دروازہ کھولکر نیچے کود پڑے اور اسٹیشن کی طرف کو بھاگے۔ بھاگتے اور زور زور سے چلاتے جا رہے تھے۔ جیسے شیر انکے پیچھے آرہا ہو آخر اسٹیشن پہونچکر یہ چھپنے اور جان بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ ظالم شیر نے اسپشل گاڑی کا ستیاناس کر دیا تھا۔ کھڑکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ افسوس مسٹر رائل اوسکے ہاتھ سے مارے گئے۔ صبح کو انکی بچی ہوئی لاش ایک پاؤ میل کے فاصلہ پر جنگل میں ملی۔ جسکو دفن کرنے کے لئے نیروبی لے گئے۔ مسٹر رائل لنڈن کے ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتے تھے وہاں خبر پہونچنے پر کہرام مچگیا۔ ان کے دونوں دوست زندہ سلامت بچگئے۔

باب بیسواں

مشرقی افریقہ کے اصلی باشندے

براعظم افریقہ میں یوں تو ہزاروں قومیں آباد ہیں۔ لیکن چونکہ مجھے صرف مشرقی حصہ سے تعلق رہا ہے۔ اس لئے وہیں کے مختلف قوموں کے حالات پیش کرتا ہوں۔

مشرقی افریقہ کے حصہ ساحل پر سواحلی لوگ زیادہ تر پائے جاتے ہیں۔ چونکہ ان کی آبادی سمندر کے کنارے ساحل پر دور دراز تک پھیلی ہوئی ہے اور ساحل پر آباد ہونیکی وجہ سے یہ لوگ سواحلی کہلاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ضروری پیشہ ہیں اور بعض چھوٹی چھوٹی ملازمتیں کر لیتے ہیں۔ عرب لوگوں کے گھروں میں لونڈی غلاموں کی حیثیت سے رہتی ہیں۔ عربوں کی صحبت کے اثر سے ان میں کے کچھ لوگ کاروباری بھی ہوگئے ہیں۔ یہ لوگ مذہب اسلام کے پیرو ہیں۔ مگر پردے کے پابند نہیں ہیں لباس ان لوگوں کا بالکل سادہ ہے۔ عورتوں کے سر کے بال بالکل چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ رنگ سیاہ نقش موٹے۔ کھیل تماشوں کے بہت شائق۔ یہ لوگ بڑے جفاکش اور محنتی ہیں۔ سیر و سیاحت کے بھی بڑے دلدادہ ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کچے مکان بنا کر رہتے ہیں۔ عام طور پر مچھلی اور چاول انکی غذا ہے۔ شکل و صورت میں یہ لوگ حبش کے لوگوں سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

وانائیکا WANYIKA ریلوے لائن کے ہر اسٹیشن پر مختلف قومیں اپنے

اپنے رنگ میں نظر آتی ہیں۔ ممباسہ سے نیروبی کی طرف ریل میں سوار ہو کر جائیں تو پہلے عجیب و غریب لوگ وانائیکا قوم کے دکھائی دیں گے یہ لوگ علاقہ نائیکا کے جنگلوں میں رہتے ہیں۔ یہ خطہ زیادہ تر ریگستانی ہے۔ یہ لوگ بہت بدصورت اور میلے کچیلے ہیں مرد بالکل ننگے رہتے ہیں۔ عورتیں ستر پوشی کے لیئے ذرا سا چمڑہ یا کپڑا باندھ لیتی ہیں گلے میں پیتل زنجیر اور نقلی موتی شوق سے پہنتی ہیں۔

واٹائیٹا
WAT'AITA

ساؤ کے قریب جنگلوں میں واٹا ئیٹا قوم کے جنگلی لوگ آباد ہیں جو کہ نڈائی پہاڑوں تک پائے جاتے ہیں جگہ جگہ ان کی جھونپڑیاں نظر آتی ہیں اس قوم کا سردار میگوگو MA-GO-CO کہلاتا ہے یہ جنگلی مرد کئی کئی عورتیں رکھتے ہیں۔ بھیڑ بکریاں کثرت سے پالتے ہیں مشہور پہاڑ کلیما نجارو بھی انکے مسکن سے قریب ہے۔

واٹائیٹا قوم کے لوگ دیگر جنگلی قوموں کی نسبت زیادہ ہوشیار اور سمجھدار ہیں جنگل کی جڑی بوٹیوں سے کام لیکر بہت سی دوائیں تیار کرتے اور انھیں استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے علاقہ سے باہر بہت کم جاتے ہیں۔ اس لئے کہ خونخوار قوم میسائی سے ہمیشہ ان لوگوں کی لڑائی رہتی ہے۔ افریقہ کی سب جنگلی قومیں آپس میں لڑتی بھڑتی رہتی ہیں۔ لیکن جب سے اس ملک میں انگریزی حکومت کو دخل ہوا بہت کچھ امن ہو گیا ہے۔ ایک قوم کے لوگ اکثر ایک ہی جگہ جھونپڑیاں بنا کر رہتے ہیں۔ سب جنگلی قومیں کسی مذہب کی پابند نہیں ہیں۔ لیکن یہ لوگ اپنے سرداروں کے بڑے فرمانبردار رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اوپر کے سامنے کے دانت ضرور نوکدار بنا لیتے ہیں۔ جس سے یہ کچا گوشت نوچنے کا کام لیتے ہیں۔ انکی خاص خوراک جنگلی جانوروں کا کچا گوشت

ہے بعض اوقات آگ پر بھون کر بھی کھاتے ہیں۔ یہ لوگ ہر قسم کے جانوروں کو کھا جاتے ہیں۔ انسان کا گوشت بھی مزے سے کھاتے ہیں۔ یہ اپنے جسم پر ایک قسم کا روغن ملتے ہیں مرد اس میں سرخ رنگ کی کوئی چیز ملا لیتے ہیں۔ عورتیں بازوؤں اور ٹانگوں پر لوہے اور تانبے کی تاروں کو بل دیکر چوڑیوں کی طرح پہنتی ہیں۔ یہی ان کا زیور ہے مرد ہر وقت کمان اور زہر میں بجھے ہوئے تیر اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ ہاتھ میں نیزہ بھی ضرور رہتا ہے۔

واکمبا
WAKAMBA

واٹائیٹا قوم کے بعد واکمبا لوگ ہیں جو اکیانی علاقہ میں آباد ہیں اور اتھینتی دریا تک چلے گئے ہیں۔ یہ لوگ کئی سرداروں کے ماتحت ہیں۔ اس قوم کے لوگوں کی شکل اور صورت ان کے عادات و خصائل بہت کچھ واٹائیٹا لوگوں سے ملتے ہیں۔ مگر یہ لوگ بہت بے رحم ہیں خونریزی اور قتل و غارت میں زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ جب ریلوے لائن کا کام ان کے علاقہ میں ہو رہا تھا تو یہ لوگ اکثر آدم خور شیروں کی طرح کیمپ پر حملہ کر دیتے تھے اور اکثر لوگوں کو جان سے مار دیتے اور کھانے کا سامان لوٹ لیجاتے تھے۔ ایسی ہی دوسری جنگلی قومیں اکثر ریل کے لوگوں پر حملہ آور ہوتی تھیں ان کے ہتھیار لڑائی کے وقت نیزہ اور تیر کمان ہی ہوتے ہیں۔ ان کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ انسان کے جسم سے اگر تیر لگتے ہی نکال دیا جاوے تو بھی انسان دو گھنٹے سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسلئے کہ تیر بہت زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔ تمام جسم فوراً زرد ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ ان تیروں کو کسی درخت کی جڑ کے ساتھ اوبال کر بجھاتے ہیں۔

ان جنگلوں میں عیسائی مشنریوں نے جگہ جگہ اپنے مشن قائم کر دیئے ہیں اور ان جنگلیوں کو مہذب انسان بنانے میں بے حد کوشاں ہیں۔ گو ان کی اس کوشش میں مشن کے سیکڑوں آدمی ان وحشیوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ درندوں نے کھائے۔ لیکن آخر میں مشن کو کامیابی ہوئی اور انھوں نے بہت سے جنگلیوں کو آدمیت کا جامہ پہنا ہی دیا۔ واکمبا قوم کے لوگ بہت جلد قابو میں آگئے۔ اور وہ مشن کی ہدایت پر چلنے لگے۔ ان لوگوں کو ہر قسم کی تعلیم دی جانے لگی۔ معمولی تعلیم کے علاوہ کچھ دستکاری بھی ان کو سکھائی گئی۔ اس طرح مشن والے آہستہ آہستہ بہت سی جنگلی قوموں کو مہذب بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

مگر افریقہ جیسے وسیع ملک میں ابھی سیکڑوں خونخوار قومیں ایسی موجود ہیں جو انسانوں کو کھانے سے دریغ نہیں کرتیں۔ بہر صورت عیسائی مشن کا کام اس ملک میں قابل تحسین رہا۔ اس لئے کہ انگریزی عمل دخل ہونے کے بعد مشن کے بہت سے عورتیں اور مرد جنھوں نے اپنی زندگی کو اس کام یا اس مذہبی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان وحشیوں سے چھپتے رہے ہفتے درختوں پر صرف چنے چبا چبا کر گذار دیئے۔ اور آہستہ آہستہ ان وحشیوں کو مانوس کرتے رہے۔ کبھی ہمت نہ ہاری بالآخر کامیاب ہوئے۔ ان کی جھونپڑیوں کے درمیان اپنی جھونپڑیاں بنا دیں پھر پختہ عمارتیں گرجے۔ سکول۔ سڑکیں۔ سبھی کچھ بنوایا۔ بستیاں بنا کر ان لوگوں کی زندگیاں بدل دیں۔ امریکن مشن نے انکی ہر طرح مالی امداد کی مگر افسوس سوائے عیسائی مشن کے یہ کام کسی دوسری قوم نے نہ کیا اور نہ آجتک کسی نے اسکی طرف توجہ کی۔ مشرقی افریقہ کی جنگلی قوموں میں عیسائی

(MiSAi) قوم نہایت خطرناک اور خونخوار ہے جو کہ نیروبی کے گرد و نواح میں دور تک آباد ہے۔ دوسرے جنگلی لوگ ان کے مقابلہ میں نہیں آتے ہیں اس قوم کا سردار لیبلانا کہلاتا ہے۔ جس کے یہ لوگ بہت فرمانبردار ہوتے ہیں۔ ان لوگوں میں ایک خاص بات ہے جو دوسری جنگلی قوموں میں نہیں ہے وہ یہ ہے کہ ان کی ایک باقاعدہ پابند قواعد قوم ہے جو بہت جنگجو اور بہادر ہے۔ ایک خاص قسم کا نیزہ اور ڈھال ان کے مخصوص ہتھیار ہیں۔ اس نیزے سے یہ لوگ شیر تک مار لیتے ہیں ہر قسم کے جانوروں کا کچا گوشت ان کی خوراک ہے۔ آدمی کا گوشت بھی یہ لوگ بڑی خوشی سے کھا جاتے ہیں۔ گو یہ بہت وحشی اور خونخوار قوم ہے۔ مگر ان میں مروت بھی پائی جاتی ہے اگر کسی قوم کے لوگوں سے دوستی ہو جائے تو ان سے محبت بھی کرتے ہیں اور وقت پر کام آتے اور وفادار ثابت ہوتے ہیں۔ انگریزوں نے ان کو ریلوے لائن سے دور ہٹا دیا ہے جو لوگ قریب ہیں وہ دن بدن تہذیب سیکھتے جاتے ہیں۔ ابتدا میں ان لوگوں نے ریلوے کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اکثر موقعوں پر انگریزوں نے ان سے مدد اور کام بھی لیا ہے۔ ان کے بعد پھر واکیکویو (WAKIKUYU) قوم ہے جو زیادہ تر نیروبی سے اوپر پہاڑوں میں آباد ہے ان کے یہاں میسائیوں کی طرح باقاعدہ فوجیں نہیں ہیں۔ مگر یہ بھی بڑی خونخوار اور خونریز قوم ہے۔ یہ لوگ جنگلوں اور پہاڑوں میں دور تک آباد چلے گئے ہیں۔ ان کے متعلق میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ یہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ ان میں مروت بھی ہے وفا بھی ہے۔ اچھے سلوک کے صلہ میں محبت سے پیش آتے ہیں۔ ان میں دوستی کا مادّہ کافی ہے۔ اگر ان لوگوں کو تعلیم دیجاوے تو بہت جلد مہذب ہو جائیں۔

باب اکیسواں

ایک جنگلی ہاتھی کا اچانک حملہ

والبکو یئوم کا ایک جنگلی جسکا نام لیمبو تھا نروبی میں کئی مہینے سے میرے پاس آتا تھا۔ تھوڑی بہت خاطر تواضع سے وہ بہت وفادار ثابت ہوا وہ مجھ سے بہت خوش تھا۔ اکثر میرے لیے جنگل سے دودھ لایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ ایک ہرن کا بہت خوبصورت بچہ پکڑ لایا وہ سواحلی زبان جانتا تھا اور اسی میں مجھ سے گفتگو کیا کرتا تھا۔ اس کا گھر نروبی سے دور تھا۔ وہاں وہ کبھی کبھی جایا کرتا تھا۔ وہ کئی بار اپنے علاقہ میں شکار کے لیے مدعو کر چکا تھا۔ جو نروبی سے ۳۵ میل شمال و مشرق میں واقع تھا۔ اس علاقہ میں ہاتھی، گینڈے اور شیر بکثرت موجود تھے۔ میں بھی سفر کا خواہشمند تھا۔ اسکی خواہش پر میں نے نروبی سے اسکے علاقہ تک کے جنگل کے سفر کی تیاری شروع کی۔ لیکن روانگی سے قبل ایک ایسا حادثہ پیش آگیا جس نے میری روانگی میں چند روز کی تاخیر کر دی۔

نروبی سے تین چار میل کے فاصلے پر تیتر، خرگوش اور ہرن بکثرت تھے۔ میں ہر اتوار کو بندوق لیکر جنگل میں نکل جاتا اور کچھ نہ کچھ شکار کر لاتا۔ ایک اتوار کی صبح کو میں حسب معمول اپنے چند دوستوں کی پارٹی کے ساتھ شکار کی غرض سے نکلا۔ بابو سلطان بخش ریلوے کلرک اور بابو فیروز الدین اور انکے دو سواحلی ملازم میرے ساتھ معراج اور قاسم دونوں تھے۔ ہم کل سات آدمی تھے صبح سویرے

ہی نروبی سے چل کھڑے ہوئے۔ ناشتہ اور کھانا ساتھ لے لیا۔ یوگنڈہ کی طرف ریل کی پٹری پٹری شکار کھیلتے ہوئے تقریباً پانچ چھ میل نکل گئے۔ سب نے ملکر ایک درجن سے زائد تیتر اور گینی فول مار لئے۔ نو بجے کے قریب ایک سایہ دار درخت کے نیچے ہم سب لوگ رک گئے۔ کھانا وغیرہ گرم کیا گیا۔ شکار کے چند پرندے بھونے گئے۔ بھوک خوب لگی ہوئی تھی۔ سب نے کھانا خوب سیر ہو کر کھایا اور تھوڑی دیر آرام کیا۔ اسکے بعد دونوں بابو صاحبان معہ اپنے ملازمین کے پٹری کے داہنی جانب کی جھاڑیوں میں خرگوش اور ہرن کی تلاش میں چلے گئے۔ اب ہم تین آدمی رہ گئے۔ ایک میل کے فاصلہ پر گھنا جنگل دکھائی دے رہا تھا۔ قاسم نے کہا کہ اس جنگل میں ہرن ضرور ملیں گے چلیئے وہیں چلیں۔ معراج اسکے خلاف تھا اس نے کہا کہ رائفل تو لائے نہیں جنگل گھنا ہے۔ اگر کہیں شیر نکل آیا تو کیا ہوگا۔ مگر میں نے اسکے اعتراض کا خیال نہ کیا۔ بلکہ یہ کہکر ہنسی میں ٹالدیا۔ کہ شیر نکل آیا تو کیا پرواہ ہے کیا تو اس سے کشتی نہ لڑے گا؟

غرض ہم جنگل کو روانہ ہو گئے۔ جب وہاں پہونچ گئے تو دیکھا کہ بہت لمبی لمبی گھاس ہے اور جنگل بہت گھنا ہے۔ ہم جنگل کے اندر تقریباً ایک فرلانگ گئے ہونگے کہ مجھے خیال ہوا کہ اسطرح بڑھتے جانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس کھلی جگہ پر ٹھہر گیا اور قاسم و معراج کو جنگل سے باہر بھیجدیا اور یہ تاکید کردی کہ پاؤ میل کے قریب جنگل کے کنارے جنوب کی طرف جاکر پھر جنگل میں داخل ہوں اور شور و غل مچاتے ہوئے ریل کی پٹری کی طرف بڑھیں۔ ان دونوں کے ہاتھ میں لانبے لانبے نیزے تھے۔ میں اپنی بندوق میں ایک طرف گراپ اور دوسری طرف ٹھوس گولی کا کارتوس لگاکر ایک جھاڑی میں چھپکر بیٹھ گیا۔ نصف گھنٹہ تک جنگل میں خاموشی رہی۔ اسکے بعد قاسم

اور معراج کے شور مچانے کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑھتے آرہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ہرن یا کوئی اور جانور جسکو میں جلدی میں پہچان نہ سکا۔ فراٹے بھرتا ہوا میرے قریب سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر اسی طرح گزرنے کے چند ہی منٹ بعد کسی بھاری جانور کے کودنے اور جھاڑیوں اور سوکھی لکڑیوں کے ٹوٹنے کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ کوئی بڑا جانور گھاس میں پوشیدہ میری طرف آرہا ہے۔ آج مجھے افریقہ کے جنگل میں یہ پہلا موقع تھا کہ میں اس طرح کسی بڑے جانور کے مقابلہ کے لئے سامنے تھا۔ میرے دل میں ایک قسم کی دھڑکن شروع ہوگئی۔ جیسی گھبراہٹ کے وقت میں ہوا کرتی ہے۔ ایک تو میں محفوظ جگہ پر نہ تھا۔ دوسرے میں بڑے شکار کے لئے تیار نہ تھا میری میگزین رائفل میرے پاس نہ تھی۔ معراج کا کہنا مجھے اسوقت یاد آرہا تھا۔ اسوقت ہرن کے شکار کا خیال تو دماغ سے ہرن ہوگیا اب اپنی جان بچانے کی فکر پڑگئی فوراً خیال ہوا کہ یہ آنیوالا بھاری جانور گینڈا ہوگا۔ چنانچہ میں نے درخت پر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ جیسے ہی میں نے درخت کا رُخ کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے جھاڑیوں کو توڑتا ہوا ایک زبردست جنگلی ہاتھی مجھ سے قریباً پندرہ گز کے فاصلہ پر آگیا۔ میرے اور اس کے درمیان صرف لانبی گھاس اور چند چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں وہ سرخ اور غضبناک آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں پریشان ہوگیا۔ بھاگنے یا درخت پر چڑھنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ میں نے گھبراہٹ میں بندوق اٹھائی اور دونوں فائر اسکے سر پر کر دیئے۔ فائر ہوتے ہی وہ ایک چنگھاڑ مار کر مجھ پر کودا میں درخت کی آڑ میں ہوکر پیچھے ہٹنے لگا بارہ چودہ قدم اسیطرح پیچھے ہٹتا گیا کہ یکایک میرا قدم ایک گڑھے میں پڑا میں پھسل کر گرا اور گڑھے کی طے میں جارہا

مجھے کچھ نہ سوجھا۔ جیسے گرا تھا ویسے ہی دبک پڑا رہا بندوق ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ بدن سے گھڑوں پسینہ بہہ رہا تھا اور دل گھڑی کی کمانی کی طرح زور زور سے چل رہا تھا۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ لانبی گھاس اور جھاڑیوں کی وجہ سے میں گڑھے میں گرا ہوا ہاتھی کو دکھائی نہ دیا وہ ذرا فاصلے سے دوڑتا ہوا نکل گیا زخمی ہو جانے کی وجہ سے وہ بہت غضبناک ہو گیا تھا۔ بھاگتا اور چنگھاڑتا ہوا ریلوے لائن کی طرف چلا گیا۔ جب ریلوے لائن پر پہونچا تو وہاں دو سکھ نوجوان مستری جا رہے تھے وہ اسکی آہٹ اور چنگھاڑ سنکر جھاڑیوں میں چھپنے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر افسوس کہ ایک کی سرخ پگڑی پر ہاتھی کی نظر پڑ گئی۔ غضبناک تو ہو ہی رہا تھا فوراً جھپٹا۔ پگڑی اور سر کے بال لمبے سونڈ میں پکڑ لیئے اور جھنجھوڑتا ہوا اٹھا کر بھاگا۔ وہ بدنصیب لٹکتا ہوا جا رہا تھا۔ آخر جھٹکوں کی وجہ سے اسکے بال اکھڑ گئے اور وہ زمین پر گر پڑا۔ ہاتھی غصہ میں ایسا اندھا ہو رہا تھا کہ اُسے مستری کے گر جانے کا احساس نہ ہوا۔ یونہی بھاگتا ہوا غائب ہو گیا۔ غریب مستری نے پگڑی اور سر کے بال کھو کر جان بچائی جو کہ بہت عرصہ تک ہسپتال میں پڑا رہا آدھے گھنٹے کے بعد میرے ہوش و حواس پوری طرح درست ہوئے تو میں گڑھے سے باہر نکلا۔ پسینہ خشک کیا جان میں جان آئی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ قاسم اور معراج کا پتہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا۔ پھر بندوق میں نئے کارتوس ڈالکر لائن کی طرف روانہ ہوا لائن کے پاس پہونچکر میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گیا دو گھنٹے انتظار کے بعد قاسم اور معراج جنگل سے نکلکر میرے پاس پہونچے انہوں نے جب ہاتھی کی چنگھاڑ فائروں کی آواز اور دوڑ دھوپ کی آہٹ سنی تو خوفزدہ

ہو کر درخت پر چڑھ گئے اور کئی گھنٹے وہاں بیٹھے رہے۔ آخر تین بجے ہم وہاں سے روانہ ہو کر بخیریت نروبی پہونچ گئے۔ بالو صاحبان یہاں پہلے ہی پہونچ چکے تھے۔

باب بائیسواں

افریقہ کے جنگلات میں میرا سفر

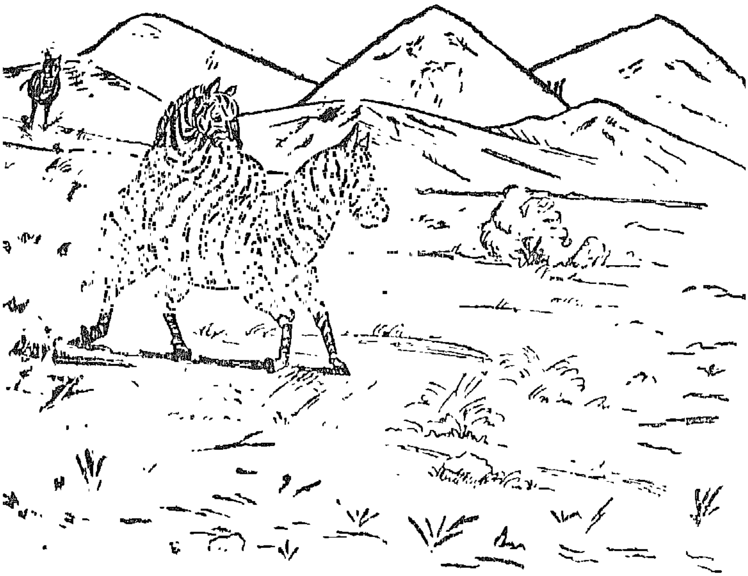
گذشتہ واقعات کے تقریباً ایک ہفتہ بعد میں نے جنگل کے سفر کی تیاری کر لی ضروری سامان مہیا کیا گیا۔ بوجھ کے خیال سے چھولداری ساتھ نہیں لی کچھ ادویات کھانے پینے کا سامان۔ بلکہ بستر نے جنگلیوں کی ضرورت کی چیزیں اور شکار کا پورا سامان ساتھ لیا گیا۔ لیمبو والکو نے اپنی قوم کے دو آدمی سامان اٹھانے کے لئے ساتھ لے لئے۔ ماہ جنوری کا آخری ہفتہ تھا۔ موسم نہایت ہی خوشگوار تھا۔ ایک صبح کو میں نے اس مختصر قافلہ کو لیکر نیروبی کو الوداع کہا۔ میں خود مہراج قاسم لیمبو اور دیگر جنگلی ہم کل چھ آدمی تھے۔ پہاڑی راستہ ندی۔ نالے اور جنگلوں کو طے کرتے ہوئے ہم بہت آسانی سے چھ سات میل نکل گئے۔ گرد و نواح کا نظارا نہایت ہی پرفضا تھا۔ سواحلی ملازم قاسم اب پورا شکاری ہو چکا تھا۔ اس نے راستہ میں چند پرندوں کا شکار کیا۔ شتر مرغوں کے جھنڈ دکھائی دے رہے تھے۔ مگر ان پر فائر نہیں کیا گیا۔ اسلئے کہ ہمکو ان کی ضرورت نہ تھی۔

میدان دور تک سبزہ زار نظر آتا تھا۔ ندی نالے جاری تھے آسمان پر ہلکا سا ابر تھا۔ دور سے نیلی پہاڑیوں کا نظارا بہت ہی دلکش تھا۔ ہم ان دلفریب

مناظر کا لطف اٹھاتے ہوئے تقریباً ۱۲ میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ اب دوپہر ہو گئی اور ہمیں تکان محسوس ہونے لگی بھوک بھی بڑے زور کی لگی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایتھی دریا (ATHI) کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ نیروبی یہاں سے تقریباً چودہ میل کے فاصلہ پر واقع تھی۔ اب دریا کو پار کرنے کی فکر ہوئی۔ اگرچہ دریا کا پاٹ کچھ زیادہ چوڑا نہ تھا اور گہرائی زیادہ نہ تھا۔ پانی بہت تیزی سے رواں تھا۔ خوف دراصل اس بات کا تھا کہ کہیں اس میں مگرمچھ نہ ہوں۔ جو وہاں کے دریاؤں۔ ندیوں۔ نالوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ پانی میں بڑے بڑے پتھر پھینک کر اور دو فائر کر کے اطمینان کر لیا تو معراج اور قاسم اور جنگلی سامان لیکر پانی میں اترے اور آہستہ آہستہ پار پہونچ گئے جنگلی لوگ واپس آئے اور دوبارہ مجھے کندھوں پر اٹھا کر پار لے گئے۔ دریا سے تھوڑے فاصلے پر درختوں کے سایہ کے نیچے کیمپ کر دیا گیا۔ معراج اور قاسم کھانا پکانے میں مشغول ہو گئے۔ میں ادھر اُدھر نظریں دوڑا کر دلکش مناظر سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کھانا جلد تیار ہو گیا۔ پرند جو راستہ میں شکار کئے گئے تھے بھونے گئے۔ ہم نے کھانا کھایا۔ بھوک میں سب کچھ بیحد لذیذ معلوم ہوا کھانے سے فارغ ہو کر ہم لوگ لیٹ گئے اور تھوڑی دیر تھکاوٹ رفع کرتے رہے اب سبکی رائے یہ ہوئی کہ اس دن آگے کوچ نہ کیا جائے بلکہ رات کو وہیں قیام رہے اور اگلی صبح کو سفر شروع ہو میں بھی راضی ہو گیا۔ شام کو بغیر دودھ کے کافی .... تیار کی گئی جس نے تکان دور کرنے میں بڑی مدد دی۔ معراج رات کا کھانا تیار کرنے لگا۔ سورج غروب ہونے میں تقریباً ایک گھنٹہ کی دیر تھی۔ دریا کے کنارے کچھ دور پر جھاڑیوں میں کسی جانور کے بولنے کی عجیب و غریب



آفریقہ کے جنگلی ھاتھی



زیبرا — جنگلی گھوڑے

آواز آرہی تھی۔ ہم نے آجتک ایسی آواز نہ سنی تھی سمجھ میں نہ آتا کہ کون سا جانور ہے لینیو سے پوچھا تو اس نے اپنی زبان کوئی نام لیا جسکو ہم نہ سمجھ سکے۔ میں نے اپنی ٥.۳۷۵ رائفل اٹھائی اور قاسم نے اپنے ساتھ بندوق لے لی۔ ہم اسطرف کو چلدیئے۔ جھاڑیوں میں چھپتے ہوئے بغیر آہٹ کے ہم بہت قریب جا پہونچے تو دیکھا کہ سبزے کے مخملی میدان میں دو زیبرے (جنگلی گھوڑے) گھاس چر رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی گردن پر منہ پھیر رہے ہیں۔ اور تھوڑی دیر کے بعد بولتے ہیں۔ ہم دیر تک یہ نظارہ جھاڑیوں میں بیٹھے دیکھتے رہے۔ ان کے جسم پر سفید اور سیاہ چوڑی چوڑی دھاریاں اس قادر مطلق کی صناعی کا ایک نہایت ہی دلکش نمونہ پیش کر رہی تھیں انکی آپس کی شرارتیں بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ ایک جانب تو یہ منظر پیش نظر تھا دوسری طرف گینی فول نے بڑا شور مچا رکھا تھا۔ تقریباً دو ڈھائی سو کا غول تھا۔ میں نے قاسم کو اشارے سے کہا کہ رات کے کھانے کے لیئے ان میں سے کچھ شکار کر لو اس نے بندوق کے ایک ہی فائر میں سات آٹھ گرا دیں۔ بندوق کی آواز ہوتے ہی زیبرے بے تحاشہ بھاگے۔ میں ان کی خوفزدہ حالت میں بھاگنے کا سین جب تک وہ نظر آتے رہے دیکھتا رہا۔ ہمیں ان کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیئے میں نے بلا ضرورت ایسے خوبصورت اور بے ضرر بھولے جانوروں کو مارنا نہ چاہا۔

جب ہم اپنے جائے قیام پر واپس آئے تو معلوم ہوا کہ لینیو نے رات بسر کرنیکے لیئے درختوں پر انتظام کیا ہے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد میں اور قاسم کیمپ سے تھوڑے فاصلہ پر دریائے ایتھی کے کنارے رات گذارنے کے لیئے چلے گئے ایک درخت کے اوپر مچان بنا کر ہم دونوں بیٹھ گئے۔ چونکہ درخت دریا کے کنارے تھا

خوب ہوا آ رہی تھی۔ بقیہ لوگ بھی جائے قیام پر درختوں پر چڑھ کر لیٹ گئے۔ میں اور قاسم اس خیال سے کہ رات کو شاید شکار کا موقع مل جائے درخت پر بیٹھے جاگتے رہے رائفل اور بندوق ہمارے پاس بھری ہوئی رکھی تھی۔ اس جنگل میں میرے سفر کی غرض سیر و شکار کے علاوہ تجارت بھی تھی یعنی جنگلوں میں سے ہاتھی دانت اور گینڈے کے سینگ حاصل کرنا۔ خواہ وہ شکار کرنے سے حاصل ہوں یا جنگلی لوگوں کے گھروں سے مہیا کیے جائیں۔ یوں اگر شکار سے کوئی بڑا جانور ہاتھ آ جائے تو چھوڑا نہیں جاتا۔ مگر دراصل تلاش مجھے ہاتھی اور گینڈوں ہی کی تھی۔

حتی الامکان میں ایسے جانوروں پر گولی نہ چلاتا تھا جن کی مجھے ضرورت نہ ہو موقع ملنے پر بھی چھوڑ دیتا۔ البتہ خوفناک اور ضرر رساں درندوں کو اکثر میں نے بلا ضرورت بھی ہلاک کیا۔ میں اور قاسم دونوں ابیتی دریا کے کنارے درخت پر بیٹھے تھے۔ چاروں طرف اندھیرا پھیل چکا تھا۔ چاند کی سولہ یا سترہ تاریخ تھی دو گھنٹے کے بعد چاند کے نکلنے کی توقع تھی۔ آسمان پر ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے چاروں طرف ایک سناٹے کا عالم۔ رات کو بولنے والے پرند شور مچا رہے تھے۔ جگنو کثرت سے چمک رہے تھے دور پر تقریباً چار فرلانگ کے فاصلہ پر پانچ چھ جھونپڑیوں کے سامنے آگ جلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ دوسری طرف دریا کے سامنے گھنا جنگل تھا۔ ہر طرف دہشت برس رہی تھی۔ سیکڑوں مگرمچھ دریا میں اچھلتے کودتے معلوم ہوتے تھے ان کے جبڑوں سے کرچ کرچ کی آواز آ رہی تھی نو بجے کے قریب چاند نکل آیا۔ مگر کچھ بادلوں اور کچھ گھنے درختوں کے سبب سے ہمارے قریب اندھیرا ہی رہا۔ دس بارہ گز کے بعد کوئی چیز صاف دکھائی نہ دیتی تھی۔ تقریباً گیارہ بج گئے مگر کوئی چیز ہمارے سامنے

نہ آئی۔ گیارہ بجے کے بعد چاند کی روشنی درختوں میں سے چھن چھن کر زمین پر پڑنے لگی۔ ہماری داہنی جانب جھاڑیوں میں تھوڑے فاصلے پر زور زور کے فراٹوں اور گھر گھراہٹ کی آواز آرہی تھی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا چیز ہے۔ آدھ گھنٹہ گذرنے کے بعد ایک بڑا سیاہ جانور بھدی چال سے بھاگتا اور جھاڑیوں کو توڑتا ہوا ہم سے تقریباً بیس گز کے فاصلے سے دریا کی طرف نکل گیا۔ ہم سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کیا بلا تھی گینڈے کا شبہ ہوا مگر گینڈے سے اور اسکی شکل میں بھی نہیں معلوم ہوتا تھا آخر کچھ وقت گذر جانے کے بعد مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا۔ میں درخت سے سہارا لگا کر سو گیا۔ تقریباً چار بجے مجھے قاسم نے بازو ہلا کر جگایا اور نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اٹھ کر دیکھا وہی منحوس جانور منہ کھولے کتے کی طرح زبان نکالے ہوئے اگلے درخت کے نیچے کھڑا زور زور سے ہانپ رہا تھا۔ خدا کی پناہ کتنا بھدا اور کیسا بدصورت جانور تھا۔ سیاہ رنگ دانت لانبے لانبے منہ چوڑا اور کھلا ہوا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں آگ کی طرح سرخ تھیں۔ اسوقت رات کے سناٹے میں یہ خوفناک بلا ہمارے سامنے کھڑی تھی۔ میں نے پہچان لیا کہ یہ افریقہ کا مشہور جانور ہیپو Hippo ہے جسکو اردو میں دریائی گھوڑا بھی کہتے ہیں۔ یہ دریا اور دریا کے کنارے پر رہتا ہے۔ چند منٹ کے بعد وہ وہاں سے ہٹ کر دریا کی طرف بھاگ گیا۔ صبح کی روشنی نمودار ہونے پر میں اور قاسم درخت سے اترے اور اسطرف کو گئے۔ جدھر وہ جانور گیا تھا۔ وہاں جا کر عجیب سین دیکھا۔ دریا میں بہت سے ہیپو موجود تھے کچھ پانی میں تیر رہے تھے۔ کچھ بچے بھی تھے۔ ایک بڑا نر ہیپو ہم سے قریب تھا۔ ہم درختوں کی آڑ پکڑ کر اس سے پچیس گز کے فاصلے پر پہونچ گئے۔ میں نے رائفل سنبھالی وہ میرے بالکل سامنے تھا۔ میں نے اطمینان سے بیٹھ کر اسکے بازو کا نشانہ

لیا اور فائر کر دیا گولی کے لگتے ہی وہ پانی میں کود گیا۔ دوسرے ہیپو بھی غوطہ مار گئے اب ہمارے سامنے کچھ نہ تھا۔ فائر کی آواز سنکر معراج اور تینوں جنگلی ہماری طرف دوڑے کچھ فاصلے پر جو رات میں نے جھونپڑیاں دیکھی تھیں وہاں بھی کچھ جنگلی رہتے تھے۔ انھوں نے جو بندوق کی آواز سنی تو وہ بھی گوشت کے لالچ میں آپہونچے پندرہ منٹ انتظار کے بعد زخمی ہیپو پھر اُبھرا جیسے ہی اسکا سر پانی سے باہر نکلا میں نے دوسری گولی اسکے دماغ پر ماری۔ گولی نشانہ پر لگی۔ اس نے دریا میں طوفان برپا کر دیا۔ اسکے ہاتھ پیر مارنے سے پانی کے چھینٹے دور دور تک جا رہے تھے۔ میرے ساتھیوں اور نو وارد جنگلیوں نے رسّے پھینک کر اُسے پھانس لیا اور کنارے کی طرف گھسیٹنا شروع کیا۔ مگر کمبخت بہت بھاری تھا۔ بڑی مشکل اور عرق ریزی کے بعد یہ لوگ اُسے کنارے تک لانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ ابھی تک زندہ تھا اور منہ پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر انھوں نے اپنے برچھوں اور نیزوں سے اسکو چھید ڈالا۔ اور اس کا کام تمام کر دیا۔ اسکے جسم سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے سب جنگلیوں نے اسکا خون پینا شروع کر دیا۔ بعض نے زخموں سے منہ لگا کر اور بعض نے چلوؤں میں بھر بھر کر خوب پیٹ بھر کر پیا۔ اس جانور کے جسم میں خون کی کیا کمی تھی۔ ان جنگلیوں کے نزدیک خون سے بہتر اور مقوی غذا دنیا میں نہ تھی۔ میں اور قاسم ان کے اس فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ خون پی چکنے کے بعد ان لوگوں نے اپنے برچھے سے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹ کر بانٹ لئے قاسم نے صرف اسکے لانبے لانبے دانت اکھیڑ لئے۔ یہی ہمارے کام کی چیز تھی باقی سب جسم بیکار تھا۔

اسکے بعد ہم اپنی منزل پر واپس آئے اور ناشتہ سے فارغ ہو کر سامان بندھوایا

اور چلنے کیلئے تیار ہو گئے۔ نئے جنگلی بہت خوش تھے۔ بہت سا گوشت ان کو مل گیا تھا۔ ان میں سے ایک دوڑا ہوا آیا اور بکریوں کا دودھ ہمارے لئے لے آیا دودھ پیکر ہم نے وہاں سے کوچ کر دیا۔ یہ لوگ تھوڑی دور تک ہمکو پہنچانے آئے اسکے بعد واپس چلے گئے۔

اب ہم پہاڑی راستوں پر چل رہے تھے۔ کئی میل اسطرح طے ہو گئے راستوں کے اتار چڑھاو کی وجہ سے چلنا بہت دشوار تھا یہ خطہ طے ہونیکے بعد گھنا جنگل شروع ہو گیا۔ راستہ جنگل کے بیچ سے ہو کر تھا۔ لنگور اور بندر بکثرت تھے اور درختوں پر اچھل کود رہے تھے۔ افریقہ کا مشہور بندر گوریلا بھی کہیں کہیں دکھائی دیجاتا تھا یہ بہت ڈراونی شکل کا جانور ہے اور افریقہ کے تمام جنگلوں میں پایا جاتا ہے

ہم نے ایک مقام پر رک کر دوپہر کے کھانے سے فراغت حاصل کی تھوڑی دیر آرام کیا اسکے بعد پھر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک آفت سے سامنا ہو گیا۔ دس بارہ جنگلی کتے ہم پر اچانک آ پڑے۔ ہم فوراً ایک دائرہ کی شکل میں ایک دوسرے کی طرف پشت کر کے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور ان پر دھڑا دھڑ فائر شروع کر دیئے۔ میں نے اور قاسم نے پانچ کتوں کا خاتمہ کر دیا۔ کچھ زخمی اور باقی خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے اور ہم خدا کے فضل سے صحیح سلامت بچ گئے۔ ہم پھر روانہ ہوئے اب ہم ایک کھلے میدان میں پہونچ گئے تھے۔ لیمبو کا گاؤں تھوڑے فاصلے پر نظر آ رہا تھا۔ ہم اپنے سفر کے اختتام پر خدا کا شکر کرتے ہوئے تیز قدمی سے بڑھ رہے تھے

باب تیسواں

لیمبو کے گاؤں میں قیام اور شکار

چھ بجے شام کو ہم آخر لیمبو کے گاؤں میں داخل ہو گئے۔ ایک کچے جھونپڑے میں آبادی سے ذرا الگ ہمیں اتارا گیا۔ گھاس بچھا کر ہمارے بستر لگا دیئے گئے۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد معراج نے کھانا طیار کیا۔ لیمبو تازہ دودھ لایا کھانے کے بعد کافی تیار کرا کر ہم نے پی اسکے بعد ہم سب لیٹ کر سو گئے۔ دن بھر کے تھکے ماندے تو تھے ہی جلد ہی گہری نیند کے مزے لینے لگے۔ رات بھر خوب سوئے۔ صبح ذرا دیر میں آنکھ کھلی اٹھکر دیکھا تو عجیب تماشہ نظر آیا۔ باہر شور مچا ہوا تھا جنگلیوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے تمام گاؤں کے مرد عورت بوڑھے۔ بچے سب کے سب ہمکو دیکھنے کے لئے جمع تھے ایک میلا لگ رہا تھا میں اور معراج ان کے نزدیک عجیب الخلقت انسان تھے۔ ایک تو ہماری صورتیں اور ذرا سفید رنگ ہی ان کے لئے کچھ کم حیرت انگیز نہ تھے۔ اس پر ہمارے لباس۔ جوتے۔ میرے ہیٹ اور کوٹ وغیرہ ان کے لئے عجائب وغرائب تھے خصوصاً معراج کی بڑی اور رنگین پگڑی کو تو وہ لوگ عجیب نظر سے دیکھ رہے تھے۔ آپس میں اشارے اور چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ہم دونوں ان کے لئے تماشہ تھے ان میں سے بہت کم لوگوں نے اس سے پہلے ہمارے جیسے انسانوں کو دیکھا ہوگا۔ ورنہ وہ تو یہ ہی سمجھتے ہوں گے کہ تمام دنیا کے انسان سیاہ فام اور ننگے ہی ہوتے ہیں۔

ہماری نقل وحرکت کو بغور دیکھ رہے تھے۔ ہمارا کچا گوشت نہ کھاتا۔ بلکہ اسکو سالن کے ساتھ پکا کر روٹی کے ساتھ کھانا ان کے نزدیک بہت ہی مضحکہ خیز تھا۔ اور وہ اس پر ہنستے تھے۔

نزوبی میں جب پہلی مرتبہ ریل کا انجن آیا تھا تو آس پاس کے سیکڑوں جنگلی عورت مرد اسے دیکھنے کے لئے جمع تھے۔ جب انجن نے زور سے سیٹی دی تو سب کے سب سجدے میں گر گئے۔ انجن کو جنگل کا بڑا دیوتا سمجھے۔

ہمارے گرد تمام دن واکیکو یو۔ جنگلیوں کا مجمع رہا۔ لیمبو نے آتے ہی ان لوگوں سے میری ڈاکٹری کا ذکر کر دیا تھا۔ بہت سے بیمار مرد عورت اور بچے میرے پاس پہنچ گئے۔ میں نے لیمبو کو ترجمان بنا کر ان کی بیماریوں کے متعلق حالات ان سے دریافت کر کے دوائیاں انکو دے دیں۔ اور ہدایت کر دیں۔ یہاں آکر معلوم ہوا۔ لیمبو اپنی قوم کے سردار کا قریبی عزیز ہے۔ ان کا سردار وہاں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر گاؤں میں رہتا تھا۔ شام کے وقت وہ آیا اور لیمبو کے ذریعہ ہم سے اپنے وہاں چلنے کی خواہش کی۔ ہم نے انکار نہ کیا۔ چنانچہ ہم تھوڑی دیر میں وہاں سے چلکر لیمبو کے ہمراہی میں گاؤں کے وسط میں سردار کے جھونپڑے میں پہونچ گئے اس کے سامنے ایک میدان تھا جس کے کنارے کنارے جنگلیوں کے جھونپڑے تھے ہم بہت خاطر سے سردار کے یہاں بٹھائے گئے تھوڑی دیر میں میدان میں بے حساب مرد عورتیں اور بچے جمع ہوگئے۔ درمیان میں ایک بڑا اور بھدا سا لکڑی کا بنا ہوا نقارہ رکھا گیا۔ ایک آدمی نے دو لکڑیوں سے بھونڈے طریقے سے اسے بجانا شروع کیا۔ مرد عورتیں دائرہ کی شکل میں اس کے چاروں طرف پھیل گئے اور گھوم گھوم کر

ناچنا شروع کیا۔ جنگلی زبان میں کچھ گاتے جاتے تھے۔

ہم بیٹھے ہوئے اس منظر کا لطف اٹھا رہے تھے۔ ناچ کے خاتمہ پر سب لوگ بیٹھ گئے۔ مگر بیس آدمی اٹھے اور میدان میں جا کر دو پارٹیوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک آدمی ایک پارٹی سے دوسری پارٹی میں گیا۔ اور اپنی زبان میں زور زور سے گفتگو کرتا رہا۔ جس کا جواب بھی ادھر سے ملتا رہا۔ آخر وہ اپنی پارٹی میں واپس آیا۔ یہاں کچھ بات چیت کر کے پھر اس پارٹی میں واپس گیا۔ اور وہاں دوبارہ پہلے کی طرح گفتگو کی اور لوٹ آیا۔ اب تین آدمی اس پارٹی کے اُدھر سے آئے۔ آپس میں سخت کلامی ہوئی۔ یہاں تک کہ طرفین میں لڑائی چھڑ گئی۔ ہر شخص اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہا تھا۔ بالکل سچی لڑائی کا نقشہ پیش نظر ہو گیا۔ دونوں پارٹیوں کے آدمی زخمی بن بن کر گرے۔ ایک پارٹی بھاگ گئی۔ اس پر کھیل کا خاتمہ ہو گیا۔ مجھے ان لوگوں میں ڈرامہ کا رواج دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ یہ گویا ہم لوگوں کی آمد کی خوشی میں سردار نے محفل رقص و سرود جمائی تھی۔ اس کے بعد اُس نے دودھ پیش کیا۔ ہم نے پیا اور بالآخر لیمبو کے ذریعہ اسکا شکریہ ادا کر کے ہم لوگ اپنی جائے قیام پر واپس آئے۔

سردار اور لیمبو کی عورتوں کو میں نے تار اور کچھ نقلی موتی جو میں اپنے ساتھ لایا تھا دیئے۔ جس سے وہ بہت خوش ہوئے۔ انکے بچوں کو جب میں نے کچھ بسکٹ دیئے تو انھوں نے ہاتھ میں لے لئے۔ لیکن سونگھ کر فوراً پھینک دیئے۔ یہ لوگ بھیڑ بکریاں بہت کثرت سے پالتے ہیں۔ اکثر لوگ گائے بھی رکھتے ہیں ان لوگوں کی زندگی کا دار و مدار بھیڑ بکریوں کے دودھ اور گوشت پر ہے جنگلی جانوروں کا شکار ان لوگوں کو ہر روز میسر نہیں ہوتا جنگلی کیلا اور شکر قندی بھی ان کی غذا ہے مگر یہ لوگ ان چیزوں کی کاشت نہیں

کرنے۔ یہ چیزیں کہیں کہیں جنگلوں میں خود رو ہیں۔

جب کبھی بھیڑ بکریاں کسی وبا سے مرنا شروع ہو جاتی ہیں تو ان لوگوں کے ہاں قحط پڑ جاتا ہے۔ ان لوگوں کی عجیب زندگیاں ہیں۔ جسقدر زیادہ بڑا گلہ جانوروں کا کسی کے پاس ہے وہ اسی قدر امیر سمجھا جاتا ہے۔ روپیہ پیسہ اور دنیا کی دیگر نعمتیں ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ ایک مرد حسب توفیق کئی کئی بیویاں رکھتا ہے۔ چیچک کی وبا سے اکثر ان کے گاؤں کے گاؤں تباہ ہو جاتے ہیں۔

ہم کو لیمبو کے گاؤں میں آئے ہوئے دو دن ہو گئے۔ سفر کی تکان اُتر گئی تو تیسرے دن ہم نے شکار کا پروگرام بنایا۔ معلوم ہوا کہ وہاں سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر بہت گھنے جنگل ہیں۔ جن میں شیر بکثرت ہے۔ یہ درندے اکثر گاؤں تک آجاتے ہیں اور موقع ملنے پر ان جنگلیوں کے مویشیوں کو اٹھا لیجاتے ہیں۔ ہاتھی اور گینڈے کے جنگل یہاں سے ابھی بہت دور تھے۔ ان وحشیوں نے جب ہمارے پاس بندوقیں دیکھ لیں اور ان کو چلتے بھی دیکھا تو ان کو سخت حیرت ہوئی۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ ان سے ہاتھی شیر مارے جا سکتے ہیں تو وہ اسکو عملی طور پر دیکھنے کے بہت مشتاق ہوئے صبح ہی ہم اس جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ لیمبو کے علاوہ چھ سات جنگلی اور اپنے نیزوں سمیت ہمارے ساتھ ہو گئے۔ قاسم نے کھانے پینے کا سامان ساتھ لیا جنگل میں شیروں کی موجودگی کا سنکر معراج نے طبیعت کی ناسازی کا بہانا کر کے گاؤں ہی میں لیٹے رہنے کی اجازت چاہی۔ میں سمجھ گیا کہ شیر کا خوف اسپر غالب ہے اس لیئے اسکو گاؤں ہی میں چھوڑ دیا۔

تقریباً تین چار میل چلنے کے بعد ایک چھوٹی پہاڑی ہمارے سامنے آگئی

ہم نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ ایک گھنٹہ میں ہم پہاڑی کو عبور کر کے پار پہنچ گئے
سامنے ایک خشک دریا تھا۔ جس کے دوسرے کنارے پر جنگل واقع تھا۔ دریا کی
خشک ریت میں چیتوں اور بڑے بڑے شیروں کے پنجوں کے نشان تھے۔ معلوم ہوا
کہ جنگل میں شیروں کی بہت کثرت ہے خیر ہم دریا کے پار پہنچے۔ اُس کنارے کے
جو نشیب میں واقع تھا۔ دریا میں تھوڑا سا پانی چل رہا تھا چند گھنے درختوں کے
سائے میں جانوروں کے پانی پینے کا عجیب گھاٹ دیکھا۔ یہاں سے آدھ فرلانگ
ہٹ کر ہم رک گئے۔ کھانا کھانے اور تھوڑی دیر آرام کرنے کا ارادہ کیا ہم کھانا
لیکر بیٹھے ہی تھے کہ بہت سے بڑے جانوروں کے بھاگتے ہوئے اپنی طرف آہٹ سنی
سوکھی لکڑیاں ان کے پیروں کے نیچے ٹوٹ رہی تھیں۔ جب وہ آواز بالکل قریب
آگئی۔ تو ہم کھانا چھوڑ چھاڑ درختوں پر چڑھ گئے۔ چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ
جنگلی مارخور سانڈوں کا ایک غول ایک طوفان بے تمیزی جنگل میں سے ہمارے سامنے
نکل آیا اور خشک دریا سے نکلکر دوسری طرف جنگل میں گھس گئے۔ تھوڑی دیر کے
بعد درخت سے اتر کر ہم نے کھانا کھایا۔ اور اس کے بعد دریا کے کنارے کنارے
مشرق کی جانب روانہ ہوئے۔ ایک میل کا فاصلہ طے کرنیکے بعد جنگل کے کنارے
لمبی گھاس میں بڑی قسم کے ہرن چرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ بہت خوبصورت
قسم کے جانور تھے۔ میں نے باقی آدمیوں کو وہیں روک دیا اور خود رائفل لے کر آگے
بڑھ گیا۔ قریب پہنچکر ایک نر کے سینہ پر فائر کیا۔ گولی کھا کر وہ بھاگا۔ گرا اور
پھر اٹھکر بھاگا۔ آخر لمبی لمبی گھاس میں چھپ گیا۔ ہم لوگوں نے خون کے نشان پر
اس کا تعاقب کیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد جھاڑیوں میں پڑا ہوا ملا۔ مگر وہ مر چکا تھا

اس لئے میرے لئے بیکار ہو چکا تھا۔ مگر جنگلیوں نے فوراً بانٹ لیا۔

ہم اس کے بعد آگے بڑھتے چلے گئے۔ دوپہر ہو چکی تھی دھوپ تیز تھی۔ دریا کے کنارے کنارے نصف میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں ایک گھنا جنگل تھا۔ سب اسی طرف روانہ ہوئے۔ تاکہ دوپہر کا وقت وہاں گزار کر آرام کر لیا جائے۔ وہاں ٹھنڈا پانی ملنے کی بھی امید تھی۔ مگر وہاں پہنچکر ہم نے عجیب بھیانک سین دیکھا۔ خوفناک جنگل کے وسط میں ایک پانی کا چشمہ تھا چاروں طرف اسقدر گھنے درخت تھے کہ ان کے نیچے دن کے وقت بھی کافی اندھیرا تھا۔ ہر طرف لانبی لانبی گھاس تھی چشمہ کے ایک کنارے پر ہڈیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جن میں بیشمار چوپایوں کی ہڈیوں کے علاوہ بہت سی انسانی کھوپڑیاں۔ ہاتھ کے بیچے اور لوہے تانبے کی بہت سی تاریں پڑی تھیں۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ کسی آدم خور کا مسکن ہے اسکے بعد فوراً ہی میری نظر چشمہ کے اوپر پہاڑی پر پڑی تو ایک بہت بڑا غار نظر آیا جسکو دیکھکر خوف کے مارے مجھے پسینہ آگیا۔ اب تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہاں کوئی آدم خور شیر ضرور رہتا ہے دوپہر کے آرام کا خیال تو دماغ سے رفوچکر ہو گیا فوراً اس درندے کے شکار کی سوجھی۔ خیال کیا کہ ایسا موقع پھر نہیں ملے گا۔ چشمہ کے کنارے ایک بہت بڑا اور مضبوط درخت تھا جو ذرا چشمہ پر جھکا ہوا تھا۔

جنگلیوں کی مدد سے میں نے اس پر مچان بندھوا دیا جو کافی بلند تھا۔ یہ بھی اطمینان کر لیا کہ درخت پر سانپ نہ ہو۔ اس لئے کہ وہاں درختوں پر سانپوں کی کمی نہ تھی اس مچان پر بیٹھنے سے وہ غار بالکل سامنے پڑتا تھا۔ دوپہر کا وقت اور تیز دھوپ تھی۔ قوی امید مجھے اسوقت شیر کے غار میں موجود ہونے کی تھی اور خیال تھا

کہ وہ پڑا سو رہا ہوگا۔ سب انتظامات ہم نے بہت آہستگی سے کیئے۔ جنگلیوں نے
آہستہ آہستہ بہت سی خشک لکڑیاں جمع کرکے غار کے منہ پر ڈھیر لگا دیا اور اسمیں آگ
لگا کر فوراً اونچے اونچے درختوں پر چڑھ گئے۔ مجھ سے قریب ہی ایک اونچے درخت
پر قاسم بیٹھ گیا۔ بندوق لیکر وہ بھی فائر کے لئے تیار تھا۔ میرا درخت شیر کی جست سے
بہت محفوظ تھا۔ اس لئے کہ درخت چشمہ پر جھکا ہوا تھا۔ اور نیچے پانی تھا۔ اگر وہ
جست کرتا تو سیدھا نیچے پانی میں گر جاتا۔ اسوقت میری عجیب کیفیت تھی دل میں
کچھ خوف و ہراس بھی تھا۔ ساتھ ہی ساتھ آدم خور کے شکار کی خوشی میں دل بلیوں اچھل
رہا تھا۔ رائفل میں پانچ گولیاں لگی ہوئی تھیں۔ میری نگاہیں غار کے منہ پر جمی ہوئی
تھیں۔ بظاہر تو غار سے دوسری طرف باہر نکلنے کا راستہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اسلیئے
پورا اطمینان تھا کہ شیر اسطرف سے باہر نکلیگا۔ دھواں غار کے اندر جا رہا تھا شعلے
اٹھ رہے تھے۔ بالآخر دھوئیں اور آگ کی تپش نے اسکو مجبور کر دیا۔ وہ گھبرایا ہوا
اٹھا اور غار کے منہ پر آ گیا۔ دھواں اسکی آنکھوں میں گھسا جا رہا تھا۔ وہ جست کرکے
باہر آنا چاہتا تھا۔ مگر آگ کے شعلے حائل تھے۔ میں نے آگ کی روشنی میں اُسے دیکھا
بڑا زبردست مہیب شیر تھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ شیر بہت بیچین
تھا۔ کبھی غار کے منہ پر آ جاتا تھا۔ کبھی اندر واپس چلا جاتا تھا۔ آخر بہت غضبناک
آگ بھی ذرا دھیمی پڑ گئی وہ فوراً غصہ میں جست کرکے باہر آ گیا وہ میرے بالکل
سامنے تھا۔ میں نے اسکو صاف طور پر سامنے کھڑے دیکھا۔ غضب کا رعب تھا
فوراً سینہ کا نشانہ لیکر میں نے فائر کر دیا۔ گولی لگتے ہی اس نے بڑے زور کی جست
کی اور غضبناک ہو کر زور سے گرج کر جنگل کو سر پر اٹھا لیا۔ اور چشمہ کے چاروں طرف

گھومنا شروع کیا۔ جیسے ہی ایک مرتبہ وہ موقع سے آیا میں نے دوسری گولی اس کے بازو پر ماری وہ اور غضبناک ہو گیا۔ آخر درخت کی جڑ کی طرف آ کر اوپر کی طرف چڑھنے کی کوشش کرنے لگا قاسم نے بندوق کے دونوں فائر اس پر کر دیئے۔ ذرا دیر کیلئے وہ پیچھے ہٹ کر رک گیا۔ میں نے تیسری گولی اسکے سر پہ لگائی وہ پلٹا کھا کر گرا۔ لیکن پھر اٹھ کر لانبی گھاس میں گرجتا ہوا چلا گیا۔ سامنے بلندی تھی اوپر چڑھ نہ سکا۔ ایک فرلانگ پر جا کر جھاڑیوں میں لیٹ گیا۔ ایک گھنٹہ انتظار کے بعد سب جنگلی درختوں سے نیچے اتر آئے۔ میں نے چاہا کہ ابھی ایک گھنٹہ اور ٹھہر کر اسکا تعاقب کیا جائے مگر لینمبو اور ایک دوسرا جنگلی نہ مانے وہ دونوں فوراً اسطرف کو روانہ ہو گئے۔ میں درخت سے نیچے اتر آیا۔ رائفل میں نئی گولیاں لگائیں قاسم نے بھی بندوق طیار کر لی اور ہم باقی جنگلیوں کو لیکر لینمبو کے پیچھے روانہ ہوئے۔

چند ہی منٹ کے بعد شیر کے گرجنے کی آواز قریب ہی سنائی دی۔ ہم بندوقیں سنبھال کر اسطرف کو دوڑے۔ وہاں جا کر عجیب سین دیکھا جب لینمبو اور دوسرا جنگلی یہاں پہنچے تو سامنے جھاڑی میں زخمی شیر مردہ بنا پڑا تھا۔ جیسے ہی یہ لوگ قریب گئے وہ فوراً ایک گرج کے ساتھ لینمبو پہ کود پڑا۔ بہادر لینمبو نے حواسوں کو قائم رکھتے ہوئے شیر کے کھلے ہوئے منہ میں اپنا نیزہ اس زور سے مارا کہ حلق تک اتر گیا اور دوسرے جنگلی نے اپنا نیزہ شیر کے پیٹ میں مار کر اُسے نیچے گرا دیا ہم عجیب شش و پنج میں تھے۔ قریب پہنچ گئے تھے۔ مگر فائر اس لئے نہیں کر سکے کہ لینمبو اور شیر میں کشتم کشتا ہو رہی تھی۔ لینمبو کے گولی لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ قبل اسکے کہ باقی جنگلی اپنے نیزے لیکر وہاں پہنچیں لینمبو اور دوسرے

جنگلی نے شیر کا خاتمہ کر دیا تھا۔ پانچ گولیاں کھا کر وہ بیحد کمزور ہو رہا تھا۔ برچھوں اور نیزوں کی تاب نہ لا کر ڈھیر ہو گیا۔ لیمبو بھی خفیف زخمی ہوا۔ جنگلیوں نے لاش کو اٹھا لیا۔ زخموں سے بہتے ہوئے خون کو پیا۔ سب جنگلی اپنی زبان میں خوشی اور مسرت کے راگ گاتے ہوئے روانہ ہوئے اور غروب آفتاب کے وقت واپس گاؤں پہنچ گئے۔ تمام جنگلی شیر کی لاش کو دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے۔ بڑی دیر تک مجمع رہا۔ آخر سب لوگ واپس گئے۔ معراج نے کھانا پکا رکھا تھا۔ ہم۔ ہم لوگوں نے کھایا۔ اسی طرح ایک ہفتہ ان جنگلیوں کے وسط میں زندگی بسر کرنے کے بعد ہم لوگ آگے بڑھنے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ اس دوران میں ہم نے آس پاس کے جنگلوں میں ہرن خرگوش اور تیتر وغیرہ قریب قریب روزانہ شکار کئے۔ مگر کوئی خاص قابل ذکر واقعہ پیش نہ آیا۔ یہاں سے چلکر اب میرا ارادہ کٹوٹی سے آگے دریائے ٹاٹا کی طرف جانے کا تھا۔ لیمبو نے دس نوجوان آدمی معہ ہتھیاروں کے ساتھ لیجانے کیلئے منتخب کئے اس لئے کہ آگے راستہ بہت دشوار گذار اور طرح طرح کے خطرات سے پر تھا۔ دوران قیام میں ہم لوگوں نے حتی الامکان اپنے راشن کو بچانے کی کوشش کی۔ دودھ گوشت اور شکر قندی پر زیادہ تر گزر کی۔ اس لئے کہ ہمارے مطلب کی کوئی چیز از قسم اناج یہاں مہیا ہونے کی امید نہ تھی۔ شکر قندی ہم نے اپنے سفر کے لئے بھی ساتھ لے لی۔ آخر ایک دن صبح کو ہم نے سامان سفر درست کر کے آٹھ بجے کے قریب وہاں سے کوچ کر دیا۔ اب ہماری پارٹی ۱۶ آدمیوں پر مشتمل تھی۔ گاؤں کے بہت سے مرد و عورتیں معہ اپنے سردار کے ہمارے مختصر قافلے کے ساتھ کچھ دور تک آئے اس کے بعد ہم ان سے رخصت ہو کر آگے بڑھے۔ رخصت ہوتے وقت سردار نے مجھے ایک نہایت

مضبوط کمان اور ترکش میں رکھے ہوئے چھ تیر پیش کئے۔ اگرچہ یہ چیزیں میرے کام کی نہیں تھیں، مگر میں نے سردار کو مایوس کرنا پسند نہ کیا جو مجھ پر اس قدر مہربان تھا۔ غرض شکریہ کے ساتھ اس کے تحفہ کو قبول کیا اور آگے روانہ ہوگئے۔

باب چوبیسواں

ایک خوفناک غار

پانچ چھ میل سفر طے کر لینے کے بعد ہمارے سامنے خشک چٹیل پہاڑ تھے اور ہمیں دس بارہ میل کا پہاڑی راستہ طے کرنا تھا ہر طرف بڑے گہرے کھڈ اور غار تھے۔ کہیں اونچے اونچے چٹان تھے۔ کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔ بلکہ پتھروں اور چٹانوں کے درمیان ہم لوگ جنگلیوں کی رہبری میں جا رہے تھے۔ غالباً مجھ سے پہلے اس سرزمین پر کسی ہندوستانی یا یورپین کا قدم نہ پہنچا ہوگا۔ راستہ بہت دشوار گذار تھا۔ بہت بچ بچ کر اور سنبھل سنبھل کر ہم لوگ چل رہے تھے۔ اس لئے رفتار بہت دھیمی تھی شام سے قبل یہ پتھریلا راستہ طے کر کے پہاڑوں سے گذر جانا ہمارے لئے بیحد ضروری تھا اس واسطے کہ ان پہاڑوں میں اژدہے اور سانپ بہت کثرت سے تھے۔ رات کو اس راستہ میں کہیں قیام کرنا سخت خطرناک تھا۔ اس لئے ہم بہت تیز چلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بلند پہاڑیوں پر چڑھنا پڑا۔ کانٹے دار جھاڑیوں میں ہو کر گذرنا پڑا اکثر پتھروں سے ٹھوکریں کھائیں۔ درجنوں زہریلے سانپ ہمارے راستہ میں ادھر ادھر بھاگتے دکھائی دیئے۔ غرض ہم ان تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے آگے بڑھتے

جا رہے تھے۔ آخر دوپہر ہوگئی۔ بلند پہاڑیوں سے پار ہو کر ایک جگہ درختوں کے
سائے میں ہم لوگ رک گئے۔ کھانا تیار ہوا نرولی سے ایک چھوٹی مشک ساتھ لائے
تھے۔ اس سے سفر میں بہت مدد ملی۔ تھوڑی دیر یہاں آرام کیا ایک بجے کے قریب
پھر کوچ کر دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ چار پانچ میل سفر کے بعد پہاڑی علاقہ ختم ہو جائے
گا۔ دو گھنٹے متواتر چلنے کے بعد ایک بلند پہاڑی پھر ہمارے سامنے آگئی۔ اب تو
یہ ایک بڑی سخت مصیبت معلوم ہونے لگی۔ میں اور معراج بہت تھک گئے تھے۔
ایک میل کا راستہ چار میل کے برابر معلوم ہوتا تھا۔ اونچی نیچی زمین پر چلتے چلتے پیر شل
ہو گئے تھے۔ اس پہاڑی پر چڑھنے کی ہماری ہمت نہ تھی۔ اس کو پار کرنے کا کوئی
آسان راستہ بھی نہ تھا۔ ادھر شام ہوتی جا رہی تھی رات کو یہاں کا قیام بھی سخت
خطرناک تھا۔ نہایت پریشانی اور مصیبت کا سامنا تھا۔ نزدیک کوئی آبادی تو
کیا کسی آدمی کا کوسوں پتہ نہ تھا۔ البتہ بندر کثرت سے تھے ان کے سوا اور کوئی جانور بھی
دکھائی نہ دیتا تھا تھوڑی دور بڑھ کر ادھر ادھر کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنے کی کوشش
کی۔ ایک سرنگ نما غار تھوڑے سے فاصلہ پر پہاڑی میں نظر پڑا۔ لیمبا اور دیگر جنگلیوں
نے یقین دلایا کہ اس سرنگ میں ہو کر ہم بہت آسانی سے پار پہنچ جائیں گے۔ یہ
قدرتی سرنگ صاف نہ تھی۔ پتھر گھاس اور جھاڑیوں سے پُر تھی۔ اس غار کو دیکھ کر
باہر ہی سے خوف معلوم ہوتا تھا اور خیال ہوتا تھا کہ یہ ضرور بھوت اور جنات کا
مسکن ہے۔ لاچاراً اسی سرنگ کے اندر سے گذرنے کا فیصلہ ہوا۔ زیادہ وقت
ضائع کرنے کا موقع نہ تھا۔ ایک عجیب قسم کے پرند اس پہاڑی پر دیکھے گئے۔
مرغی کے برابر نہایت خوبصورت زرد چتکبرے پَر ہد ہد کی طرح سر پر کلغی اور لانبی

پہونچ گئی
روشنی کے لئے جنگلیوں نے ایک خاص درخت کی لکڑیاں توڑ کے چند مشعلیں تیار کیں تین مشعلیں جلائی گئیں۔ اور ہم اس ڈراؤنے غار میں اسطرح داخل ہوئے کہ سب سے پہلے ایک جنگلی مشعل لئے ہوئے داخل ہوا۔ اسکے ساتھ دوسرا جنگلی ہاتھ میں ڈنڈا لئے راستہ سے کوڑا کرکٹ ہٹاتا جاتا تھا اس کے پیچھے لیمبو نیزہ ہاتھ میں لئے پھر ایک جنگلی مشعل والا۔ اسکے بعد میں اور قاسم بندوق اور رائفل لئے ہوئے ہمارے بعد معراج اور تیسرا مشعل والا اور باقی جنگلی تھے غار میں زہریلے سانپوں کا قدم قدم پر اندیشہ تھا۔ جیسے ہی پہلے دو جنگلی غار میں داخل ہوئے اور ڈنڈے سے گھاس اور جھاڑیوں کو راستہ سے ہٹانے لگے۔ ایک خوبصورت چھوٹا چیتا (رنگدار) جھاڑیوں میں سے نکلکر ہمارے قریب ہی سے بھاگ گیا۔ ہمارا یہ قافلہ اسی ترتیب سے ٹھوکریں کھاتا اور گرتا پڑتا اس سرنگ کے اندر جارہا تھا۔ ایک فرلانگ کے قریب چلنے کے بعد سرنگ کی دوسری جانب باہر روشنی دکھائی دی جس سے امید ہوگئی کہ آگے کھلا میدان ہے اور ہم اس سرنگ کو طے کرکے پار پہنچ جائیں گے۔ غار کے اندر راستہ نہایت خراب تھا۔ کہیں اونچا کہیں نیچا کہیں پر تنگ اور کہیں کشادہ۔ اندر سخت گرمی معلوم ہورہی تھی۔ ہم پسینہ پسینہ ہوگئے۔ تھوڑی ہی دور آگے بڑھے تھے کہ اچانک ایک دھماکے کی آواز ہوئی کوئی چیز سب سے آگے مشعل والے جنگلی پر گری وہ اوندھے منہ گرا اور زور کی چیخ اس کے منہ سے نکلی اس کے گرنے سے مشعل بجھ گئی۔ دوسرا جنگلی اور لیمبو پیچھے ہٹے۔ ہم سب لوگ سکتہ میں آگئے۔ اور سخت دہشت طاری ہوگئی معلوم ہوتا تھا کہ ہم موت کے منہ میں ہیں کوئی جن یا بھوت یہاں موجود ہے جو تھوڑی دیر میں سب کو ختم کردیگا۔ بڑی مشکل سے

ذرا حواس ٹھکانے ہوئے تو میں نے بقیہ دو مشعل والوں کو آگے بڑھایا۔ پہلی مشعل بجھ جانے سے اندھیرا ہو گیا تھا اور دکھائی نہ دیتا تھا کہ پہلے جنگلی پر کیا بیتی۔ مشعل والوں کے آگے بڑھتے ہی ہم نے دیکھا کہ ایک بڑے اژدہے کی دم جنگلی کی کمر کے گرد لپٹی ہوئی ہے اور وہ بے ہوش پڑا ہے اژدہے نے پہلے اپنے دم کی ضرب سے اُسے گرا دیا اور پھر اپنی دم میں اسے جکڑ لیا۔ اژدہے کا سر نظر نہیں آتا تھا۔ صرف دم اور کچھ درمیانی حصّہ ہمارے سامنے تھا۔ یہ درمیانی حصّہ ایک بڑے درخت کے تنہ کی طرح موٹا تھا خدا کی پناہ میں نے آجتک ایسا بڑا اژدہا نہ دیکھا تھا آخر ہمت کر کے میں نے اپنی بندوق سنبھالی اور دو فائر کر اپ کیے اسکی کمر پر لگائے فائر ہوتے ہی اس نے آہستہ آہستہ کھسکنا شروع کیا۔ دس منٹ کے بعد کچھ دور پتھروں کے ڈھیر میں سے اسکا سر برآمد ہوا۔ میں بندوق میں دوسرے کارتوس لگا کر تیار ہو چکا تھا غضب کی خوفناک بلا تھی۔ یہ اژدہے ایک آدمی تو کیا کئی ایک کو ثابت نگل سکتا تھا۔ اس نے زور زور سے پھنکارنا شروع کیا۔ اس کے منہ سے آگ کے شعلے اور دھواں نکل رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے حملے کے لئے اپنا سر زمین سے اٹھایا میں نے دونوں فائر اس کے سر پر کر دیئے۔ گراپ لگتے ہی وہ سست پڑ گیا جیسے ہی اس نے اپنا زخمی سر زمین پر پھینکا جنگلیوں نے آگے بڑھکر فوراً اپنے نیزوں سے اسے چھید ڈالا اسکی جان نکلنے لگی دم کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی جنگلیوں نے اپنے ساتھی کو چھڑا کر گھسیٹ لیا۔ ابھی تک وہ بیہوش تھا۔ کمبخت اژدہے کی پھنکاروں سے غار کے اندر فضا زہر آلود ہو گئی تھی دم گھٹنے لگا۔ میں ایک مشعل والے اور معراج و فاہم کو ساتھ لیکر بڑھا اور تھوڑی دیر میں دوسرے سرے پر پہنچکر باہر نکل آیا۔ کھلی ہوا میں پہنچکر جان میں جان آئی۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ نصف گھنٹہ

انتظار کیے بغیر جنگلی اژدہے کو گھسیٹتے ہوئے باہر لائے۔ بے ہوش جنگلی کو بھی وہ اٹھا لائے اس کو زمین پر لٹا دیا اس کا جسم دبانے اور اسکو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ تازہ ہوا میں وہ جلد ہوش میں آگیا۔ اور تھوڑی دیر میں وہ اٹھکر بیٹھ گیا۔ اتنے بڑے سانپ کو دیکھکر مجھے بڑا تعجب ہو رہا تھا۔ کمبخت بیس گز کے قریب لانبا تھا وزن بیس من سے کم نہ ہوگا۔ اس کی گردن پر گھوڑے کی ایال کیطرح بہت سے بال تھے۔ اگر کہیں بجائے دم کے ہماری طرف اس کا منہ ہوتا تو پھر ہم میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑتا۔ غار سے باہر نکلنے پر ہم نے ہڈیوں کے ڈھیر دیکھے تھے سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کس بلا نے جمع کئے تھے۔ اس مہیب اژدہے سے مڈھ بھیڑ ہونے کا یوں تو کم و بیش سب پر اثر تھا۔ مگر معراج غیر معمولی طور پر خوفزدہ معلوم ہوتا تھا۔ اُسے چپ سی لگ گئی۔ میں نے خیال کیا کہ خوف کا اثر ہے۔ تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم لوگوں نے نہایت تیز قدمی سے دو میل کا فاصلہ طے کر کے اس پہاڑی علاقے سے نجات حاصل کی اور کھلے میدان میں پہنچ گئے۔ شام ہو چکی تھی رات بسر کرنے کیلئے ایک مناسب مقام منتخب کر کے ہم لوگ وہاں رک گئے۔ درختوں پر لیٹنے کا انتظام کیا گیا۔ معراج ابھی تک سست اور پریشان تھا۔ قاسم نے کھانا تیار کیا اور کافی بھی پکائی۔ کھا پی کر ہم درختوں پر چڑھ گئے۔ تھکے ہوئے بہت تھے جلد ہی سو گئے تقریباً ۲ بجے رات کو کسی جانور کی کرخت اور خوفناک آواز سے میری آنکھ کھل گئی میں اٹھکر بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر کچھ دکھائی نہ دیا۔ نہ ہی پھر وہ آواز سنائی دی۔ آخری حصہ رات میں چاند بھی نکل آیا۔ میں پھر نہ سویا۔ بقیہ رات جاگتے ہی کاٹ دی۔ سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ آخر صبح ہو گئی۔ کوئی جانور

سامنے نہ آیا۔ روشنی ہونے پر سب لوگ درختوں سے اتر آئے۔ معراج کی حالت دیکھکر مجھے بہت صدمہ ہوا اُسے شدید بخار تھا۔ منہ اسکا سرخ ہو رہا تھا وہ بہت تکلیف میں تھا۔ درخت کے نیچے گھاس پر بستر بچھاکر اسکو لٹا دیا گیا۔ اسکو دوائی پلائی گئی اور سب ممکن تدبیریں اسکے آرام کی گئیں۔ شام تک وہ بیہوش پڑا رہا۔ ہذیان کی کیفیت رہی۔ ہم اس روز اسکی وجہ سے آگے کوچ نہ کر سکے۔ شام کو اسکو ہوش آیا بخار اسکا اتر چکا تھا۔ گرم کافی اسکو پلائی گئی اب تکلیف اسکو بہت کم تھی۔ لیکن اس نے آگے بڑھنے کی ہمت توڑ دی۔ تھا تو پہلوان مگر بہت ڈرپوک اور بزدل ثابت ہوا۔

میرے ساتھ اس نے وفاداری کا برتاؤ اسوقت تک کیا تھا مجھے اس سے بہت انس ہو گیا تھا۔ میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ وہ الگ ہو جاوے مگر اس نے صاف کہدیا کہ میں اب آگے نہیں جا سکتا۔ خدا کے لئے مجھے واپس نروبی پہنچا دیجیئے۔ میں نے اس سے اسکی وجہ پوچھی تو اس نے صرف اتنا ہی کہا کہ رات کو مجھے نہایت ہی پریشان کن خواب نظر آتے ہیں۔ میں نے اسکو سمجھانے کی کوشش کی مگر اس نے بہت لجاجت اور منت خوشامد سے واپس جانے کی اجازت چاہی۔ میں نے اسکی حالت دیکھکر مجبوراً اسکو واپس بھیجدینا ہی مناسب خیال کیا۔

رات گذرنے کے بعد اگلی صبح کو تڑکے ہی میں نے دو مسیح جنگلیوں کی ہمراہی میں معراج کو رخصت کر دیا تاکہ وہ شام تک لیمبو کے گاؤں میں پہنچ جاوے۔ لیمبو نے جنگلیوں کو اچھی طرح تاکید کر دی کہ گاؤں میں ایک دو دن آرام کرنے کے بعد تم لوگ گاؤں سے تین آدمی لیکر اسکو نروبی تک پہنچا دینا۔ اگرچہ معراج کو بھی مجھ سے الگ ہونے کا صدمہ تھا مگر وہ ان جنگلیوں سے بہت خائف ہو چکا تھا آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ کر سکا

چلتے وقت وہ پھوٹ پھوٹ کر رو یا اور کہنے لگا کہ خدا کے واسطے مجھے معاف کر دیجئے میں بیحد مجبور ہوں ورنہ کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا میں نے اسے اطمینان دلایا کہ میں تم سے ناراض نہیں ہوں تم اطمینان سے واپس جاؤ۔ انشاءاللہ واپسی پر نیروبی میں تم سے ملاقات ہوگی۔ معراج کو رخصت کر کے ہم ۱۳ آدمی آگے روانہ ہو گئے ۔

باب چھبیسواں

دلفریب مناظر

ہمارے سفر کا یہ حصہ نہایت ہی دلچسپ تھا۔ ایسے مناظر نظر آئے کہ بے اختیار دیکھتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔ سرسبز میدان اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اب ہمارے سامنے تھیں۔ ندی نالے بکثرت تھے جن کا صاف و شفاف پانی سورج کی کرنوں میں چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ چہار جانب عجیب دلکش نظارہ تھا۔ تین چار میل کا فاصلہ میں نے ایک محویت کے عالم میں طے کیا۔ اب سامنے کچھ سبز جھاڑیاں تھیں۔ ان کے عقب میں میدان تھا۔ جس میں نہایت خوبصورت قسم کے ہرن گھاس چر رہے تھے خوراک کیلئے آج ہمیں شکار کی ضرورت تھی۔ میں بندوق لیکر جھاڑیوں کی آڑ میں کافی قریب پہنچ گیا دیکھا تو بیشمار جانور تھے اور دور تک پھیلے ہوئے گھاس چر رہے تھے دو ایک تو مجھ سے قریب تھیں۔ ایک سیاہ نر لمبے سینگوں والا ان سے ذرا فاصلے پر تھا میں نے اسکو تاک فائر کر دیا۔ گولی سے اس کے دونوں بازو ٹوٹ گئے وہیں

گر پڑا۔ جانوروں میں بھاگڑ پڑ گئی۔ سب دہشت زدہ ہو کر نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں نے اپنا شکاری چاقو کمر سے نکالا اور ہرن کو ذبح کرنے کے لئے دوڑا جنگلی میرے پیچھے دوڑے۔ جب میں نے اسے ذبح کیا تو ان لوگوں نے خون کی ایک بوند بھی زمین پر گرنے نہ دی سب پی گئے۔ گوشت کاٹ کر ساتھ لے لیا گیا اور ہم آگے روانہ ہوئے۔ میرا ارادہ کٹوٹی کے قریب سے گذر کر دریائے ٹانا کے قریب کے جنگلوں میں جانے کا تھا۔ مگر اس راستے سے یہ دریا بہت دور پڑتا تھا اس لئے ہم نے اپنا رخ شمال سے ذرا مغرب کی جانب بدل دیا۔ اسطرح فاصلہ نسبتاً کچھ کم ہو گیا۔ لیکن اس نئے راستہ میں میدان کم پہاڑ اور جنگل زیادہ تھے اب ہم جس خطے سے گذر رہے تھے یہ میلوں تک سرسبز و شاداب تھا۔ ندی نالوں کی کثرت سے تمام علاقہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور گھاٹیاں خودرو پھولوں اور سبزیوں سے آراستہ تھیں۔ ان جانفزا نظاروں کے سبب سے تکان بہت کم محسوس ہو رہی تھی۔ تین بجے کے قریب ایک نہایت ہی دلکش منظر پیش نظر ہو گیا۔ جیسے ہی ہم لوگ ایک چھوٹی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے سامنے کا سین دیکھ کر میں پھڑک اٹھا۔ بے اختیار منہ سے نکل گیا سبحان اللہ اللہ اللہ کیا نظارہ تھا۔ دور تک میدان میں نہایت ہی خوبصورت خودرو پھولوں کے تختے تھے۔ پھر نشیب و فراز۔ ندیوں کی روانگی۔ ایک طرف بلند آبشار کا چاندی کی طرح چمکتا ہوا پانی۔ خوبصورت و خوش الحان پرندوں کی کثرت سفید و سرخ بڑے بڑے طوطوں کا شور کس کس چیز کی تعریف کروں میں اس سماں کو دیکھ کر محو حیرت ہو گیا۔ قلم میں طاقت نہیں کہ اس کا نقشہ کھینچ سکے۔ عجیب کیفیت

دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اڑ کر وہاں پہنچ جاؤں۔ قربان جائیے صانع ازل کے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں۔ میرے قدم وہاں ہی رک گئے۔ ایسے منظر کو چھوڑ کر میں کیسے آگے کو بڑھ سکتا تھا۔ آبشار سے ذرا ہٹ کر درختوں کے سائے میں ڈیرہ ڈال دیا۔ قاسم نے گوشت بھونا۔ چاول پکائے۔ اور کوئی نیار کی آبشار کا پانی نہایت ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ جنگلیوں کو کچھ پکانے کی تو ضرورت تھی نہیں گوشت نکالا اور کچا نوچ نوچ کر کھا گئے۔ ایک گھنٹہ سب نے آرام کیا۔ میں ٹکٹکی باندھے گرد و نواح کو دیکھتا رہا۔ چار بجے اٹھکر میں نے آبشار پر منہ دھویا پانی پیا۔ پانی بلندی پر سے خوشنما پھولوں کے اندر سے ہو کر گر رہا تھا۔ میں دیر تک کھڑا اس سین کو دیکھتا رہا۔ اس کے بعد میں اور قاسم بندوق لیکر نیچے ذرا دور تک میدان میں چلے گئے۔ شام ہو گئی تھی عجب فرحت بخش ہوا چل رہی تھی۔ میں اسوقت اپنے کو بہشت میں سمجھ رہا تھا۔ سفید پانی کی نہریں مجھے دودھ کی نہریں معلوم ہوتی تھیں۔ پھولوں کو دیکھ دیکھکر بار بار میرے منہ سے نکل جاتا تھا۔

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

میں اسوقت دیوانہ ہو رہا تھا۔ بار بار یہی ارادہ ہوتا تھا کہ میں یہیں رہ پڑوں زندگی کے دن یہیں کاٹ دوں اور یہیں مر دوں کھپوں۔ مگر آہ مجبوریاں۔ یہ انسان کے سب جذبات پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ یہ اسکے احساسات لطیف کو ٹھکرا دیتی ہیں انسانیت کی اس زنجیر نے جس نے مجھے دوسرے انسانوں کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ میرے پاؤں کو جھٹکا دیکر مجھے چونکا دیا۔ مجھے میری ہستی یاد دلا دی۔ میں جو اپنے کو عالم بالا میں سمجھ رہا تھا اب پھر دنیاوی رشتوں کی جکڑ بند میں تھا۔ پھر کیا تھا اپنی ذمہ داریاں اغراض و مقاصد۔ عزیز و اقربا گھر اور وطن ایک ایک کر کے سب نظروں میں پھر گئے اپنے

کو مسدود پایا۔

یہاں کی آب و ہوا نہایت لطیف تھی۔ سردی اور اس علاقہ کی سی گرمی کا یہاں پتہ بھی نہ تھا۔ مگر افسوس کہ اس وقت قدرت کی صناعیوں اور فیاضیوں سے لطف اندوز ہونے والی صرف میری دو آنکھیں تھیں۔ قاسم کو اس سے کچھ دلچسپی نہ تھی۔ جنگلیوں کو ان چیزوں سے کیا سروکار۔ ان کے لئے دشت و چمن سب برابر ہیں۔ کچھ دور چلکر ہمیں ایک اور پہاڑی ملی اس پر چڑھکر ہم نے سامنے کی طرف دیکھا تو کچھ اور ہی منظر نظر آیا مختلف قسم کے بہت سے چوپائے سبزہ زار میدان میں گھاس چر رہے تھے۔ کئی قسم کے چھوٹے بڑے ہرن۔ امپالا۔ غزال۔ جیراف وغیرہ جیسے خوبصورت جانور نہایت بے فکری سے پیٹ بھر رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی بڑا چڑیا گھر ہے۔ ہم اس سین کو بڑی دیر تک دیکھتے رہے۔ یہ اس قادر مطلق کی شان عظیم ہے کہ ایک ہی ملک میں کہیں تو سینکڑوں میل تک لق و دق صحرا اور ریگستان ہیں۔ جن میں دنیا کی خطرناک مخلوق اور ہر طرح کی آفتوں کا سامنا ہے پانی کی ایک بوند نہیں۔ دھوپ اور گرمی کی یہ حالت کہ جسم جھلس جائے اور غش آجائے اور اسی سرزمین میں ایسے ایسے خوشنما اور فرحت بخش خطے بھی موجود ہیں جو گلزار ارم سے کم نہیں۔

جانور یہاں بکثرت تھے۔ مگر چونکہ ہمارے اسٹاک میں دو روز کے لئے گوشت موجود تھا اس لئے یہاں کسی جانور کو شکار نہ کیا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ ہم جیمز اور تھیرا اس جانفزا منظر کو چھوڑ کر اپنی منزل پر واپس آئے لیمبو نے درختوں پر لیٹنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچکر

سب لیٹ رہے یہاں کسی خونخوار درندہ کا خوف نہیں تھا۔ مگر رات کو ایک گلدار خدا معلوم کہاں سے آنکلا۔ قاسم نے گوشت کی ران درخت میں کچھ بلندی پر لٹکا دی تھی وہ اسے چٹ کر گیا۔ ٹھنڈ کی وجہ سے نیند خوب آئی۔ صبح کو سب لوگ اٹھے آبشار پر منہ ہاتھ دھویا ناشتہ سے فراغت کی اور آگے روانہ ہوئے۔

راستہ میں قاسم نے ایک چھوٹا ہرن شکار کیا۔ اس لئے کہ رات شکار کا گوشت غائب ہوچکا تھا۔ اب ہمیں خوراک کے لیئے اسکی ضرورت تھی۔ چار پانچ میل چلنے کے بعد یہ خوشنما میدان ختم ہوگیا۔ اب ہم ایک جنگل میں داخل ہوئے۔ پانچ چھ میل کا فاصلہ جنگل میں طے ہونے کے بعد جگہ جگہ گینڈے کے پیروں کے نشان دکھائی دینے لگے معلوم ہوا کہ یہاں گینڈے بکثرت ہیں کچھ اور بڑھنے کے بعد ایک بڑی ندی ملی پانی تو اسمیں بہت کم تھا۔ بہت سے مقامات پر خشک تھی۔ اسکے کنارے پر ہم ٹھہر گئے دوپہر ہوگئی تھی۔ کھانے سے فراغت حاصل کی۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد پھر چل کھڑے ہوئے جنگل کو طے کرتے ہوئے دو ڈھائی بجے کے قریب ایک کھلے میدان میں جنگلیوں کی ایک آبادی کے قریب پہونچ گئے۔ یہ آبادی لینمبو کے ہم قوم واکیکویو لوگوں کی تھی۔ آبادی سے نصف میل ادھر ہی ہم نے درختوں کے سایہ میں ڈیرہ ڈالدیا ایک دری کو رسیوں سے باندھ کر چھولداری کی طرح لگایا گیا۔ واکیکویو لوگوں کی آبادی اچھی خاصی آبادی معلوم ہوتی تھی۔ گاؤں کا نام میڈگو تھا۔ قاسم کھانا پکانے کی تیاری میں لگ گیا۔ دو جنگلی وہاں رہ گئے۔ لینمبو اور دیگر جنگلی گاؤں میں چلے گئے میں چھولداری کے اندر جاکر لیٹ گیا۔

افریقہ کے جنگلوں کا سفر کسی حالت میں بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ مجھے پہلے

میری طرح بہت سے لوگوں نے ہاتھی دانت حاصل کرنے کے لئے جنگلوں میں سفر کئے
اس میں شک نہیں کہ بہت سے کامیاب ہوئے اور انھوں نے خوب روپیہ کمایا۔
مگر بہت سے بیچارے اسی دھن میں جنگلی درندوں اور جنگلی وحشیوں کا شکار ہو کر
جان کھو بیٹھے تقریبًا چھ اس قسم کے واقعات خود مجھے معلوم تھے۔ مگر انسانی طبائع
مختلف ہیں۔ بعض لوگ جان بوجھکر اپنے کو خطرے میں ڈالدیتے ہیں۔ بعض بہت
محتاط ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے خیالات اسوقت میرے دل میں آرہے تھے۔ تنہا
چھولداری میں لیٹا ہوا تھا۔ عجیب کیفیت تھی وطن اور گھر سے ہزاروں میل دور تھا
کوئی عزیز یا رشتہ دار ساتھ نہیں تھا افریقہ کے پرخطر جنگلوں میں اپنے کو تنہا پا رہا
تھا۔ ہزاروں آفتیں اپنے گرد محسوس ہو رہی تھی۔ خونخوار درندے چپہ چپہ پر موجود
اور یہ جنگلی انسان بھی درندوں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ ان تمام مصائب کا مقابلہ کرکے
صحیح و سلامت اور کامیاب واپس اپنے وطن پہنچنا ایک بڑا مشکل کام نظر آتا تھا۔
مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل خاص سے مجھے ہر طرح کی آفات
سے محفوظ رکھا۔ میں حتی الامکان کمزور خیالات کو دلمیں آنے نہ دیتا۔ ہمیشہ ہمت
اور استقلال سے کام لیتا لیکن اسپر بھی بعض موقع ایسے ہوتے کہ طبیعت پریشان
ہو جاتی۔

باب چھبیسواں

منزل مقصود اور کامیابی

ایک گھنٹے کے بعد میں اٹھا اور مشک سے پانی لیکر منہ ہاتھ دھویا۔ قاسم

کھانا تیار کر چکا تھا۔ باہر جو دو جنگلی رہ گئے تھے۔ اسوقت وہ بالکل غائب تھے۔ سامان
سب ویسے ہی پڑا تھا۔ ہم دونوں نے کھانا کھایا۔ شام کے چار بج چکے تھے۔ قاسم
میرے قریب گھاس پر بیٹھا ہوا تھا۔ لیمبو ابھی تک واپس نہ آیا تھا۔ میں اسوقت
اپنی تنہائی کو محسوس کر رہا تھا۔ لیمبو کی دوستی پر بدگمانی کی گنجائش نہ تھی۔ یہ لوگ
دغا فریب نہیں جانتے۔ لیمبو کو تو ہم سے محبت سی ہو گئی تھی۔ اور وہ خود ہی ہم کو
ان جنگلوں میں لایا تھا لیکن ابھی تک اسکو میری اسکیم کا علم نہ تھا۔ وہ یہ سمجھتا تھا
کہ ہم محض جنگلوں جنگلیوں کو دیکھنے اور شکار کھیلنے کی غرض سے آئے ہیں۔ ایک گھنٹہ
اور اسی طرح گذر گیا سامنے میدان میں کچھ بھیڑیں اور بکریاں چرتی ہوئی ہماری
طرف کو بڑھتی آ رہی تھیں دو جنگلی ساتھ تھے۔ جب وہ قریب آئے تو انکی نظر ہم پر
پڑی اپنے گاؤں کے قریب ہماری جیسی نئی چیزیں دیکھکر وہ بہت ٹھٹکے۔ آنکھیں
پھاڑ پھاڑ کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ اور اپنے برچھے سنبھالکر ہماری طرف بڑھے
تیس گز کے فاصلے پر آکر رک گئے اور حیرت سے ہمیں دیکھتے رہے۔ آخر اور بڑھے
اور بالکل قریب آکر کھڑے ہو گئے اور کچھ بکنا شروع کر دیا میں ان کی وحشت
کو دیکھکر محظوظ ہو رہا تھا۔ ان کی بولی ہماری سمجھ میں خاک آتی۔ لیمبو ہوتا
تو ترجمانی کرتا۔ اشارہ سے انکو سمجھایا کہ ہم تمہاری زبان نہیں سمجھتے۔ اتنے
میں آبادی کی طرف جو نظر گئی تو دیکھا کہ ایک قافلہ ہماری طرف چلا آ رہا ہے۔ لیمبو سب
کے آگے اسکے بعد ہمارے ہمراہی جنگلی پھر اور بہت سے جنگلی جلد جلد چلے آ رہے تھے
لیمبو گاؤں سے جلانیکی لکڑی۔ دودھ اور چار بھیڑیں لایا تھا اپنے کھانے کے لئے
ایک بھیڑ فوراً کاٹ ڈالی اور اسکا خون پی گئے۔ دونوں جنگلی جو یہاں سے غائب

ہو گئے تھے۔ دراصل گاؤں میں اپنے ساتھیوں سے ملنے کے شوق میں چپکے سے کھسک
گئے تھے۔ وہاں پہونچے تو لینمبو نے ہمیں تنہا چھوڑ دینے پر ان کو خوب پھٹکارا۔
جنگلیوں نے بھیڑ کا گوشت آپس میں تقسیم کر لیا اور چٹ کر گئے میری چھولداری کے
اندر گھاس پھیلا کر اس پر دری بچھا دی گئی اور قریب ہی لکڑیاں جلا کر آگ روشن
کر دی گئی۔ قاسم چھولداری کے اندر میرے قریب ہی لیٹ گیا۔ لینمبو چھولداری کے
باہر اور باقی جنگلی چھولداری کے چاروں طرف لیٹ گئے اور بے خبر سو گئے۔ سونے
سے قبل قاسم اور لینمبو میرے پاس تقریباً دو گھنٹہ تک بیٹھے رہے۔ اور ہم لوگ
شکار اور اپنے آئندہ پروگرام کے متعلق مشورہ کرتے رہے۔ نیروبی سے ہم لوگ
تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر تھے۔ دریائے اتانا اور اسکے گھنے جنگل اب ہم سے بہت
قریب تھے تقریباً دس بارہ میل کا فاصلہ تھا۔ دریا کے دونوں جانب بہت گھنے جنگل
تھے جن میں ہاتھی گینڈے اور جنگلی بھینسے وغیرہ بکثرت تھے۔ اسوقت میں نے اپنا
اصل مقصد لینمبو پر ظاہر کر دیا۔ اور اس سے کہا کہ ہاتھی دانت اور گینڈے
کے سینگ جسقدر بھی مل سکیں حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سے معلوم ہوا
کہ اس گاؤں میں میڈوگو کے سردار کے جھونپڑے میں بہت سے ہاتھی دانت اور
گینڈے کے سینگھ پڑے ہیں۔ غالباً دوسرے لوگوں کے گھروں میں بھی ہونگے۔ اس نے
یہ بھی کہا کہ ہم لوگوں کے نزدیک یہ چیزیں کچھ قیمت نہیں رکھتیں۔ جنگلوں میں اکثر
پڑی ملجاتی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو آسانی سے ان لوگوں سے یہ سامان آپکو ملجائے
گا وہ خوشی سے آپ کو دے دیں گے۔ ان کے لئے وہ سب بیکار ہیں۔ رات بھر
مجھے اس بات کی خوشی میں نیند بہت کم آئی کہ صبح ہونے پر شاید وہ سب قیمتی چیزیں یا

بلا زحمت سردار سے مجھے مل جائیں گی۔ میں سردار کو خوش کرنے کی کوئی تدبیر سوچنے
لگا۔ صبح کو ناشتے سے فارغ ہو کر ۹ بجے میں اپنی پارٹی کے ساتھ سردار کے جھونپڑے
کی طرف روانہ ہوا۔ دو جنگلی سامان کی حفاظت کے لئے وہیں چھوڑ دیئے اور تھوڑی
دیر میں گاؤں میں داخل ہوئے۔ لوگ جوق در جوق آ آ کر ہمارے ساتھ شامل ہوتے
گئے۔ وہی نقشہ پیش نظر ہو گیا۔ جیسا لیمبو کے گاؤں میں ہوا تھا۔ ہم ایک جلوس کی
شکل میں سردار کے جھونپڑے میں پہنچے۔ سردار بہت سے مرد اور عورتوں کے درمیان
اپنے برآمدہ میں بیٹھا تھا۔ جب ہم ان کے قریب پہنچے تو وہ سب اٹھ کھڑے ہو گئے
مجھے ان کی یہ تہذیب دیکھ کر تعجب ہوا۔ سردار سے میں نے ہاتھ ملایا اور ایک چیتے کی
کھال جو میرے بیٹھنے کے لئے بچھائی گئی تھی بیٹھ گیا۔ ان کو ہمارے پہنچنے کی اطلاع
کل شام ہی ہو گئی تھی بھیڑ بکری اور دودھ وغیرہ سردار ہی نے لیمبو کے ہاتھ ہماری
خاطر کے لئے بھجوا دیئے تھے اور جنگلیوں کو ہماری حفاظت کے لئے بھیجا تھا۔ لیمبو کے
ذریعہ مزاج پرسی ہوئی میں نے ایک قیمتی کمبل اٹھا کر سردار کو اوڑھا دیا۔ چند مارکین
کی چادریں۔ کچھ لوہے تانبے کی تاروں کے بنڈل اور سنہری نقلی موتی اسکے سامنے
رکھ دیئے ان چیزوں کو پا کر سردار نہال ہو گیا۔ باچھیں کھل گئیں خوشی کا اظہار
کرنے لگا۔ ہر شخص یہ چیزیں دیکھتا اور خوش ہوتا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں نے
اپنی جیب سے ایک چیز نکال کر اس جنگلی سردار کے ہاتھ میں دی جسکو وہ دیکھ کر ایک
دم خوشی سے اچھل پڑا اور دنگ رہ گیا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا اور مارے
ہنسی کے لوٹ لوٹ جاتا ہنستے ہنستے منہ سے کف جاری ہو گیا۔ بار بار دیکھتا اور
ہنسی سے بیتاب ہو جاتا۔ سب لوگ اس کی یہ حالت دیکھ کر حیران تھے۔ اب سرکے

جنگلی مرد عورتوں نے بھی اس چیز کو باری باری سے دیکھنا شروع کیا۔ جو دیکھتا وہ مارے ہنسی کے لوٹ جاتا۔ ہنسی کو ضبط نہ کر سکتا۔ سردار کا چہرہ مارے خوشی کے سرخ ہو گیا۔ اسکی کسی طرح ہنسی بند نہ ہوتی تھی۔ اسوقت ایک اچھا خاصہ تماشہ بن گیا تھا۔ ناظرین کو تعجب ہوگا کہ یہ ایسی کیا چیز تھی۔ جسکو دیکھکر یہ جنگلی لوگ اسقدر بیتاب ہو گئے تھے۔ ناظرین یہ صرف ایک معمولی منہ دیکھنے کا آئینہ تھا۔ جو شخص اس میں اپنا منہ دیکھتا۔ ہنسی ضبط نہ ہوتی اور قہقہہ لگاتا۔ ایک گھنٹہ تک متواتر یہی تماشا بنا رہا ہر شخص اسکو بار بار دیکھتا۔ سردار بہت ضعیف تھا باتیں باتیں ہنستے ہنستے اوتا۔

یوں تو سب چیزیں جو میں نے سردار کو دیں اس نے انکو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ مگر آئینہ پاکر تو وہ سمجھا کہ ایک نعمت غیر مترقبہ اسکے ہاتھ آگئی۔ اس پر میرا جادو چل گیا۔ وہ بے حد شکر گذار تھا۔ ادھر میں نے دیکھا کہ برآمدہ میں لکڑیوں کی بلیوں کی جگہ بڑے بڑے ہاتھی دانت کھڑے کر رکھے ہیں۔ لیمبو نے سردار سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہاتھی دانت اور گینڈے کے سینگ جمع کرکے اپنے ساتھ لیجانا چاہتے ہیں۔ اس پر سردار نے فراہم کر دینے کا وعدہ کیا۔ لیمبو نے مجھے اشارہ کیا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ ہی سب جنگلی کھڑے ہو گئے۔ ہم سردار سے رخصت ہو کر واپس قیام گاہ پر آ گئے۔

آج میں نے بہت دنوں کے بعد غسل کیا اور دوسرا خاکی سوٹ بدلا طبیعت میں کچھ بھاری پن محسوس ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ گوشت اور چاول کے سوا دوسری غذا نہیں مل رہی تھی۔ جب سے سوراج واپس چلا گیا تھا۔ کھانے کا لطف جاتا رہا۔ کچا پکا گوشت کھانا پڑتا تھا۔ قاسم بیچارہ وقت پورا کر لیتا تھا۔ اچھا کھانا نہیں پکا سکتا تھا۔

علاوہ ازیں پنجابی لوگ چاول بہت کم کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ ڈبل روٹی اور بسکٹ جو ساتھ تھے وہ ختم ہو چکے تھے۔ البتہ کوفی بہت سی رہ گئی تھی گو بغیر دودھ اور شکر کے زیادہ تر پینا پڑتی تھی۔ مگر میں غنیمت سمجھتا تھا۔ یہاں آکر جب لیمبو کو میرے مقصد اصلی کا علم ہو گیا۔ تو وہ میرے کامیابی کے لیے ہر وقت کوشاں رہنے لگا۔ ہمیں یہاں پہنچا کر وہ پھر واپس گاؤں چلا گیا۔ شام کو پھر وہاں سے آیا اور دوبارہ مجھے سردار کے یہاں لے گیا۔ دور سے میں نے دیکھا کہ سردار کی جھونپڑی کے سامنے ہاتھی دانتوں اور گینڈے کے سینگوں کا ٹال لگا ہوا ہے۔ بہت سے ہاتھی دانت اور گینڈے کے سینگ سردار نے میرے لئے جمع کر رکھے تھے۔

خدا کی شان ہے کہ یہ ہزاروں روپیہ کی چیزیں اس مخلوق کے سامنے کوئی حقیقت نہ رکھتی تھیں اور ان کے گھروں میں کوڑے کی طرح بیکار پڑی تھیں۔ انکی نظروں میں معمولی لکڑی اور ان قیمتی چیزوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ مگر انکی اس سادگی اور لاعلمی کا زمانہ زیادہ عرصہ تک نہ رہا انقلاب واقع ہ۔ انگریزی تسلط ہوتے ہی وقت بدل گیا ریلوے کے کام سے فراغت کرکے گورنمنٹ جنگلوں کی طرف متوجہ ہوئی اور اسطرف سے مال لانے والوں کی روک تھام کی۔ ان پر بھاری ٹیکس لگائے گئے۔ آہستہ آہستہ سب جنگلوں پر قبضہ کر لیا اور جنگلات کے محکمے قائم ہو گئے۔ شکار کی پابندیاں۔ مال کی آمد اور جنگلوں کے ٹھیکہ کا انتظام باقاعدہ کیا گیا تو وہ زمانہ تھا۔ جبکہ میں حال لکھ رہا ہوں یا آج یہ حالت ہے کہ مشرقی افریقہ کے جنگلات میں شکار کھیلنے والوں کو پچاس پونڈ میں صرف شکار کا پاس حاصل کرنا پڑتا ہے اور ہاتھی کے شکار میں تو بہت ٹیکس دینا پڑتا ہے۔

سردار نے ڈھیر میرے حوالے کر دیا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لیمبو
کے ذریعہ اس سے کہلوایا کہ وہ چیزیں ابھی وہیں رہنے دی جائیں۔ چند دن کے بعد
واپسی میں ہم لے لینگے۔ میں نے سردار سے چند جنگلی آدمی جو اس جنگل سے واقف
ہوں اور شکار کھیلنے میں مدد دیں مانگے۔ اس نے بخوشی چار آدمیوں کو میرے
ساتھ کر دیا اور ہاتھی دانت اور سینگوں کا ڈھیر برآمدہ کے کونے میں لگوا دیا۔ اتنی
قیمتی چیزوں کا مفت مل جانا میرے لئے کچھ کم کامیابی نہ تھی۔ ہم واپس آئے دو روز
وہاں اور قیام رہا۔ اسکے بعد ہم آگے مہم پر روانہ ہوئے۔ اب نئے جنگلی ملا کر ہم
سب سترہ آدمی تھے۔ اب چونکہ سفر بڑے جنگلوں میں تھا۔ یہاں کے قدم قدم پر
خطرے موجود تھے اس لئے میں نے اپنی پارٹی کو باقاعدہ ترتیب دیکر بڑھنا شروع
کیا۔ دو مسلح جنگلی میں نے سب سے آگے رکھے جو معمولی رفتار سے بڑھتے رہے۔ ان
کے تقریباً سو گز پیچھے میں قاسم لیمبو اور ایک رائفل بردار جنگلی اور باقی سب جنگلی
بھی ہم سے سو گز پیچھے تھے۔ نیروبی سے چلتے وقت میں کئی سیٹیاں اپنے ساتھ لایا تھا۔
ایک سیٹی میں نے اگلے جنگلیوں کو دیدی ایک خود اپنے پاس رکھی اور ایک پچھلے
آدمیوں کو دیدی اور ان کو تاکید کر دی کہ سخت خطرے کے وقت سیٹی بجا کر ہمیں مطلع
کر دیں۔ غرض اس ترتیب سے ہمارا مختصر سا قافلہ راستہ طے کر رہا تھا۔ چار پانچ
میل راستہ طے کرنیکے بعد ہم لوگ بہت گھنے جنگل میں داخل ہو گئے۔ رفتار میں
اب کمی آ گئی تھی۔ گوریلے بندر اس جنگل میں کثرت سے تھے۔ ان کے بچے ادھر
ادھر درختوں پر کودتے پھاندتے پھر رہے تھے۔ خود وہ درختوں میں لٹک
رہے تھے۔ بعض تو پانچ فٹ تک اونچے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھ کر دور بھاگ جاتے تھے

جگہ جگہ ہاتھی اور گینڈوں کے پاؤں کے نشانات تھے۔ گینڈے کے پاؤں کے بعض نشان تو بالکل تازہ ہی معلوم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے جنگلی جانوروں کی موجودگی بھی مختلف نشانات سے پائی جاتی تھی۔ ہمیں اندیشہ یہ تھا کہ کہیں اچانک کسی ہاتھی یا گینڈے سے سامنا نہ ہو جائے۔ ہمارا ارادہ اصل میں یہ تھا کہ جنگل کو طے کر کے ہم کھلے میدان میں دریا کے کنارے پہونچ جائیں اور وہاں کسی مناسب اور محفوظ جگہ کیمپ کر کے پھر شکار کا پروگرام بنایا جائے۔ تقریباً ایک بجے دوپہر کو ہماری پارٹی بخیریت جنگل سے باہر دریا کے قریب پہونچ گئی۔ دور سے دریا کے پانی کی بلندی سے گرنے کی آواز آ رہی تھی معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بڑا آبشار قریب ہے۔ دریا کے کنارے پر پہونچکر کسی محفوظ مقام کی تلاش ہوئی۔ یہاں ہاتھیوں کے خوف سے کیمپ مضبوط اور بلند درختوں پر بنانے کی ضرورت تھی۔ سب سے پہلے یہی کام کیا گیا۔ لکڑی کا ٹکڑا ایک بہت محفوظ اور اونچے درخت پر دو بڑے مچان جن پر آرام سے لیٹا جا سکے۔ میرے اور قاسم کے لئے بنائے گئے اور اوپر چڑھنے کے لئے بھی لکڑیوں کی بلیوں کو کھڑا کر کے آسانی پیدا کر دی گئی۔ ہمارے مچان نہایت آرام دہ تھے۔ بندوقیں اور دیگر سامان کے لئے بھی اوپر ہی جگہ بنائی گئی۔ باقی آدمیوں نے بھی اپنے لئے دوسرے درختوں پر جگہیں بنا لیں۔ آج شکار کا پروگرام نہیں تھا۔ مگر خوراک کیلئے گوشت کی ضرورت تھی اس لئے یہ کام قاسم کے سپرد کر کے دو جنگلی اسکے ساتھ کر دیئے۔ اب پروگرام یوں بنا کہ تقریباً ایک ماہ وہاں ٹھہرا جائے ایک دن شکار ہوا اور اگلے دن آرام کیا جائے اور اس دن قاسم اور اسکے مددگار کھانے کیلئے گوشت حاصل کر لیں۔ قاسم سب سامان درست کر کے بندوق اور دونوں جنگلیوں کو ساتھ لیکر شکار کے لئے چلا گیا۔ لیمبو بھی تین آدمیوں کو ساتھ لیکر بڑے شکار کے موقعے

دیکھنے کے لئے چلدیا۔ میرے کان میں پانی کے گرنے کی آواز آرہی تھی۔ میں ٹک نہ سکا اٹھکر آبشار کا نظارہ دیکھنے چلا گیا بہت دلچسپ سین تھا۔ دریائے ٹانا بڑی شان سے بلندی پر سے نیچے گر رہا تھا اور نیچے ایک تختہ کی شکل میں پھیل گیا تھا میں پانی کے اندر چلا گیا۔ خوب نہایا دھویا۔ وضو کیا اور نہایت خشوع و خضوع سے ایک مدت کے بعد نماز پڑھی۔ تھوڑی دیر میں قاسم مجھے تلاش کرتا ہوا وہاں پہونچ آیا۔ وہ خوراک کیلئے کافی شکار مار لایا تھا۔ شام تک ہم یہیں رہے اسکے بعد واپس آئے اور درختوں پر چڑھ گئے۔ رات ہو گئی۔ اندھیرا بہت تھا۔ عجیب دہشتناک وقت تھا ایک طرف دریا کے گرنے کا شور۔ دوسری طرف ہاتھیوں کی چنگھاڑ گینڈوں کی گرج اور ہر طرف سے خوفناک آوازیں آرہی تھیں نیند آنا مشکل ہو گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ جنگل بے شمار جانوروں سے بھرا پڑا ہے۔ رات بھر یہی حالت رہی آخر صبح ہو گئی۔

باب ستائیسواں

گینڈوں کا شکار

صبح کی روشنی نمودار ہونے پر ہم درختوں سے اترے جنگل میں اب امن تھا مگر ہاتھیوں کی چنگھاڑ کبھی کبھی سنائی دیتی تھی علاوہ اسکے درختوں پر بندروں اور گوریلوں کے بولنے کا شور بھی تھا۔ ناشتہ کے بعد ہم شکار کے لئے تیار ہو گئے۔ اس جنگل میں شیر نہیں تھے اصل میں یہ جنگل ہاتھیوں کے رہنے کی جگہ تھی۔ گینڈے بھی بکثرت تھے بگران

سب کے گھاٹ الگ الگ تھے۔ جنگل بہت ہی گھنا تھا۔ اس میں جاتے ہوئے دن کو
خوف معلوم ہوتا تھا کل شام جب لیمبو شکار کا موقع دیکھنے گیا تھا تو اس نے دریا کے
کنارے ایک گھاٹ دیکھا تھا۔ جہاں گینڈوں کے پیروں کے بہت سے نشان تھے لیمبو
کے ساتھ جاکر میں نے بھی وہ جگہ دیکھی۔ واقعی گینڈے کے شکار کے لئے بہترین موقع تھا
اب رائے یہ ہوئی کہ پہلے چند روز تک گینڈے کے شکار کی کوشش کیجائے۔ چنانچہ گھاٹ
کے قریب ایک درخت پر رات کو بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی گئی جو تقریباً دس فٹ کی بلندی
پر تھی اس جانور کے شکار کے لئے جگہ جتنی نیچی اور قریب ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ کیونکہ اس
کے جسم میں ایک ہی مقام ایسا ہے جہاں گولی اثر کرسکتی ہے۔ جب یہ آگے کو قدم بڑھاتا
ہے تو وہ جگہ سینہ کے قریب کھل جاتی ہے ورنہ باقی حصہ جسم پر اسکے گولی اثر نہیں کر
سکتی۔ لہذا اس جگہ نشانہ اسوقت ہی لگ سکتا ہے جب شکاری زیادہ بلندی اور
زیادہ دور نہ ہو۔ یوں بھی یہ جانور شیر یا ہاتھی کی طرح مخدوش نہیں ہے۔ آٹھ دس
فٹ کی بلندی پر بھی شکاری اس سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ ویسے تو یہ بہت ہی ہوش
والا جانور ہے۔ اسمیں سونگھنے کی طاقت بہت ہے۔ انسان کی موجودگی کو یہ بہت
جلد سونگھ لیتا ہے۔ اگر ہوا کا رخ خلاف ہو تو پھر اسکو پتہ نہیں چلتا اور شکاری کی
زد میں آسانی سے آسکتا ہے۔ کیمپ میں اپنے مچان پر جاکر لیٹ کر سو گیا کئی گھنٹے
آرام کرنے کے بعد اٹھکر میں نے منہ ہاتھ دھویا کھانا کھایا اسکے بعد شام سے پہلے ہی
گھاٹ پر سب انتظامات بیٹھنے کے لئے مکمل کرادیئے۔ لیمبو اور جنگلیوں کو میں نے اس
رات کیمپ میں سونے کا موقع دیا۔ اس لیئے کہ ان لوگوں کو دن کے وقت جنگل میں ہاتھی
دانت اور سینگوں کی تلاش میں جانا تھا۔ کل ان کو جنگل میں پڑا ہوا ایک ہاتھی دانت

مل گیا تھا۔ دو شنکلیوں کو میں نے اپنے گھاٹ والے درخت سے دو فرلانگ کے فاصلے پر بٹھا دیا اور سختی سے تاکید کر دی کہ ہرگز تم بغیر سیٹی کی آواز سنے اپنی جگہ سے نہ ہلنا اسی طرح ایک فرلانگ پر قاسم کو بٹھا دیا خود میں شام ہوتے ہی دریا کے کنارے گھاٹ کے مچان پر بیٹھ گیا۔

کیا عجیب سین تھا شام کا وقت ہے آفتاب رخصت ہو رہا ہے اور دنیا والوں کو رات کے رحم پر چھوڑ کر اپنی رنگین کرنیں اور زبیر شعاعیں سمیٹے لئے جا رہا ہے۔ آخر تاریکی نے ان سنہری کرنوں کو اپنے آغوش میں لے لیا۔ آفتاب غروب ہو گیا۔ رفتہ رفتہ صحرا کے وسیع سین پر تاریکی کا سیاہ نقاب پڑنے لگا۔ دنیا کی ہر چیز دھندلی نظر آنے لگی۔ پہاڑوں کی چوٹیاں جو دور سے دکھائی دیتی تھیں اب نگاہوں سے اوجھل ہونے لگیں۔ ہر طرف اندھیرا پھیل گیا وحشت چھا گئی۔ خوفناک آوازیں آنے لگیں۔ رات بہت اندھیری اور جنگل پرخطر تھا میں اس ہیبت ناک دشت میں تنہا بیٹھا تھا۔

انسان بھی عجیب شئی ہے کبھی اتنا بزدل اتنا نازک مزاج ثابت ہوتا ہے کہ رات کو اپنے محفوظ عشرت کدہ میں اندھیرے سے بھی بہت خوف کھاتا ہے۔ اور کبھی یہی کمزور دل انسان ایسا دلیر ہو کر دکھائی دیتا ہے کہ بڑے بڑے خطرے کا اسپر کوئی اثر نہیں ہوتا میں اس تنہائی کے عالم میں بے خوف و ہراس درخت پر تمام خطرات کے وسط میں بیٹھا تھا۔ دریا میں گھڑیال اور سیہو شور مچا رہے تھے۔ جنگل میں ہاتھی چنگھاڑ اور گینڈے گرج رہے تھے۔

رات کو نو بجے تک کوئی جانور گھاٹ پر نہ آیا۔ ہوا میں خنکی پیدا ہو گئی تھی۔ سردی معلوم ہونے لگی۔ میں نے کمبل اٹھا کر اوڑھ لیا۔ بہت دیر اسی حال میں رہا۔ آخر آدھی

رات ہونے پر بہت سے جانوروں کے پیروں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ
جانور کسی بلندی پر سے بھاگتے ہوئے اتر رہے ہیں۔ پانچ منٹ نہیں گزرنے پائے
تھے ایک ریوڑ کا ریوڑ گینڈوں کا میرے سامنے آگیا۔ ان میں بڑے بڑے نر مادائیں
اور بچے تھے کچھ پانی میں چلے گئے۔ کچھ باہر بلندی پر کھڑے رہے میں ان کے آنے
سے پہلے ہی رائفل لیکر تیار ہو چکا تھا۔ میگزین میں پانچ کارتوس لگے ہوئے تھے۔
گو رات اندھیری تھی مگر جانور مجھ سے بہت قریب تھے۔ فائر کا خاصا موقع تھا۔
جیسے ہی ایک نر میرے سامنے آیا میں نے تین فائر اُس پر کر دیئے مگر وہ گرا نہیں بلکہ
بھاگ کر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کوئی علامت اسکے زخمی ہونے کی نہ معلوم ہوئی
مجھے حیرت تھی کہ اتنے قریب سے اور اتنا ٹھیک نشانہ پر بھی کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ سب
جانور نظروں سے غائب ہو گئے۔ دو بجے کے قریب پھر دو نر بھاگتے ہوئے گھاٹ پر
آئے اور بھاگتے ہوئے پانی میں چلے گئے۔ واپسی میں بلندی پر چڑھتے ہوئے جیسے ہی وہ
میرے قریب پہونچے میں نے یکے بعد دیگرے دو فائر اگلے پر کر دیئے۔ گولیاں میرے
خیال میں نشانہ پر پڑیں۔ مگر تعجب ہے کہ وہ بھی نہ گرا۔ اور معمولی رفتار سے بھاگتا
ہوا چلا گیا۔ آج مجھے گینڈے پر گولی چلانے کا پہلا موقع تھا۔ خیال یہ ہوا کہ میری
رائفل گینڈے کے شکار کے لیئے کافی نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ میری رائفل کا بور
گینڈے کے لیئے چھوٹا چھوٹا تھا اسکے لیئے تو ۵۷۷ اور ۶۰۰ بور رائفل خاص شکار
کی چیز ہے۔ مجھے اپنی ناکامیابی پر بہت افسوس ہوا۔ میرے سامنے پھر بھی جانور
آئے لیکن میں نے فائر نہیں کیا اور باقی رات افسوس میں گذاری۔ صبح ہونے پر میں
نے سیٹی دی۔ قاسم اور جنگلی فوراً میرے پاس آگئے۔ رات کو فائر سن کر وہ لوگ

سمجھے تھے کہ شکار ہو گیا۔ لیکن یہاں میدان صاف دیکھ کر وہ بھی مایوس ہو گئے۔ واپس کیمپ آئے۔ لیمبو اپنی پارٹی کے ساتھ جنگل جا چکا تھا۔ قاسم نے کھانا پکایا گوشت کے پارچے بنا کر آگ پر بھون لئے اور نمک لگا کر کھا گئے۔ چاول بھی اب ختم ہو چکے تھے کوفی البتہ ساتھ دے رہی تھی۔ اب صرف گوشت پر زندگی کا سہارا تھا میں جہاں تک ہوتا پرندوں کے گوشت حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں لیٹ گیا رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ سو گیا۔ قاسم جا کر کچھ پرند رات کے لئے مار لایا۔ اور آکر وہ بھی سو گیا۔ ایک بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو میں نے قاسم کو آواز دیکر جگایا۔ درخت کے نیچے جو نظر گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ دو جنگلی جو لیمبو کے ساتھ صبح جنگل کو گئے تھے بیٹھے ہیں اور گینڈے کے چار تازہ کٹے ہوئے سینگ خون میں تر ان کے سامنے پڑے ہیں میں حیران ہو کر نیچے اتر آیا۔ جنگلیوں نے اپنی زبان میں کچھ بکواس شروع کر دیا اور ہاتھ سے جنگل کی طرف اشارے کئے۔ ان کی بولی سے تو کچھ سمجھ میں نہ آیا انداز سے اتنا معلوم ہو گیا کہ رات کے زخمی گینڈے لیمبو کو جنگل میں پڑے مل گئے ہوں گے۔ اس نے ان کے سینگ کاٹ کر بھیج دیئے۔ اور خود ان کی کھالیں اتار رہا ہو گا۔ گینڈے کا بڑا سینگ ناک پر اور دوسرا چھوٹا پیشانی پر ہوتا ہے۔ دو گھنٹے کے بعد لیمبو کھالیں لے کر آگیا۔ اس نے میرے خیال کی تصدیق کی۔ گولیوں سے زخمی ہو کر وہ جا کر جھاڑیوں میں گر پڑے تھے مجھے اپنی ناکامیابی کا جو صدمہ تھا وہ جاتا رہا۔ ایک رات کو میں شکار کی گھات میں بیٹھا اور اگلی رات کیمپ میں سو کر گذارتا غرض اسطرح دس یوم گذر گئے۔ ایک درجن سے زائد گینڈے میں نے مارے کچھ مردہ گینڈوں کے سینگ کو جنگل سے دستیاب ہو گئے۔ ہاتھی دانت بھی مل گئے۔ ذکو

ہاتھیوں کے جھنڈ۔ اکثر ان لوگوں کو جنگل میں مل جاتے تھے۔ مگر یہ لوگ درختوں پر چڑھکر اپنی جان بچا لیتے تھے۔

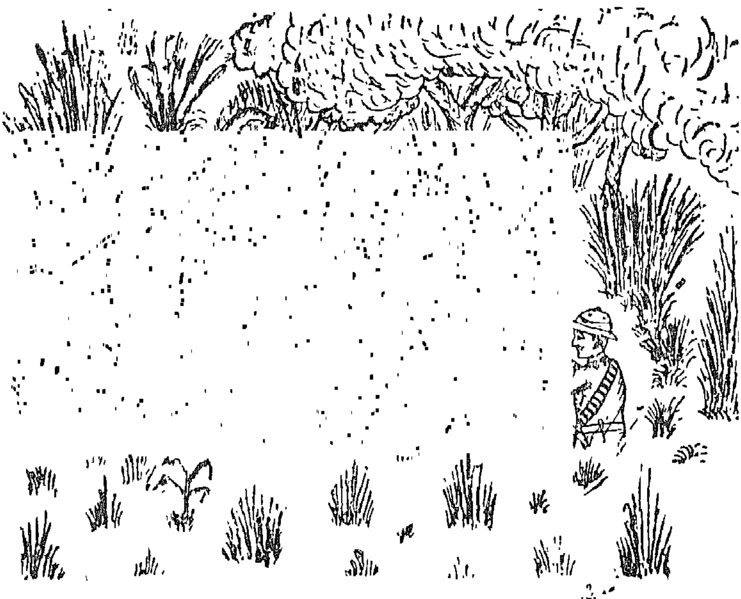
ایک روز مجھے ان لوگوں نے بتلایا کہ ایک نر ہاتھی دو میل کے فاصلہ پہ جنگل میں اکثر اکیلا دکھا گیا ہے غالباً وہ بیمار ہے یا ضعیف اس لئے وہ آسانی سے مارا جا سکتا ہے اگلی صبح کو میں اپنی پارٹی سمیت اس کے شکار کے لئے روانہ ہوا۔ اور سب کو باقاعدہ ترتیب سے لے گیا تاکہ کوئی اچانک حملہ ہم پر نہ ہو سکے۔ جنگل میں تلاش کی گئی۔ آخر تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ایک جنگل کے نشیب میں گھنے درختوں کے اندر بیٹھا ہوا مل گیا۔ میں آہستہ آہستہ اس سے بیس گز کے فاصلہ پر پہنچ گیا تھا۔ اس کے کان کی طرف سے دماغ کی شست لیکر میں نے فائر کر دیا۔ گولی لگتے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔ جھنجھلایا۔ کودا اور زور سے چنگھاڑا۔ میں نے دو گولیاں اس کے دماغ پر اور لگائیں ادھر قاسم نے دونوں فائر کر دیئے وہ سر پر گولیاں کھا کر گر پڑا اسکا گرنا تھا کہ جنگلیوں نے فوراً پہنچکر اپنے برچھوں سے اور نیزوں سے چند ہی منٹ میں اس کا خاتمہ کر دیا اور اسکے دونوں بڑے بڑے دانت کاٹ لئے اور کیمپ واپس آئے۔ ایک روز ہم صبح کے وقت ہاتھیوں کے شکار کی غرض سے باقاعدہ ترتیب سے جنگل میں جا رہے تھے اپنے کیمپ سے چار پانچ میل دور نکل گئے تھے۔ اسوقت داہنی جانب سے ایسی آواز گونجنے لگی کہ جیسے آندھی آ رہی ہو۔ مگر آسمان صاف تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ سورج چمک رہا تھا آندھی کی کوئی علامت نہ تھی۔ یہ آواز دم بدم قریب ہوتی جا رہی تھی۔ ہم حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اب درختوں اور جھاڑیوں کے ٹوٹنے کی آواز بھی صاف سنائی دینے لگی ہم رک گئے اور اسطرف کو متلاشی نظروں سے دیکھنے لگے۔ چند ہی منٹ گذرے

ہو لگے کہ پچھلے جنگلیوں نے خطرے کی سیٹی بجائی اور بے تحاشا ہماری طرف کو بھاگے
ہم نے بغیر کوئی شے دیکھے درختوں پر چڑھنے میں دیر نہ کی جوتے اتار کر پھینک دیئے
اور درختوں کی چوٹیوں پر پہونچ گئے۔ پچھلے جنگلی درختوں پر نہ چڑھ سکے۔ وہ بھاگتے
ہوئے آگے بڑھ گئے۔ یہ آندھی اور آفت کیا تھی۔ دراصل یہ جنگلی بھینسوں کا ایک
جھنڈ تھا۔ تقریباً چالیس پچاس ہو لگے ان کے بھاگنے اور ہانپنے کی آواز سے جنگل
میں یہ طوفان برپا تھا۔ جنگلی جو آگے دوڑتے جارہے تھے دو ان میں کے ان کی لپیٹ
میں آکر زخمی ہو گئے۔ خدا کی پناہ کیا آفت تھی۔ ان مارخوروں کا جھنڈ جنگل میں قیامت
برپا کئے ہوئے تھا۔ کسقدر تیزی اور چستی اس جانور میں تھی۔ مجھے آج جنگل میں ان کو دیکھنے
کا پہلا اتفاق تھا۔ یہ ایک طوفان تھا جو آندھی کی طرح آیا اور چلا گیا۔ جب یہ جھنڈ
ہم سے بہت دور نکل گیا تو ہم درختوں پر سے اترے جاکر زخمی جنگلیوں کو اٹھایا۔
اور کیمپ واپس آئے۔ جنگلی اگرچہ زخمی کافی ہوئے تھے مگر طاقتور جوان تھے چند ہی
دن میں اٹھ بیٹھے اور کام کاج کرنے لگے۔

باب اٹھائیسواں

ہاتھیوں کا حملہ۔ ہماری واپسی

دریائے ٹانا یوں تو کوئی بڑا دریا نہ تھی۔ مگر گہرا بہت معلوم ہوتا تھا۔ اسلیئے
سیکڑوں گھڑیال اور رہپو اس میں موجود تھے۔ علاوہ ان کے بڑی مچھلیوں کی بھی کمی نہ
تھی قاسم نے ایک روز پانچ فیٹ لانبی مچھلی بندوق سے ماری۔ دریا کی دوسری جانب



جنگلی ہاتھی کا حملہ

ہمارے مقابل کے گھنے جنگل میں ہاتھی بکثرت معلوم ہوتے تھے۔ دن رات ان کے چنگھاڑنے کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔ اور ان کا غول دور پر دریا کے پرلے کنارے پر پانی پینے اور نہاتے دکھائی دیتے تھے۔ افریقہ کے ہاتھی بہت سیاہ اور نہایت قوی ہیکل ہوتے ہیں اور ان کا غول جو زیادہ تر بیس پچیس جانوروں پر مشتمل ہوتا ہے نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ جانور شیر سے بھی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ شیر سے تو درخت پر چڑھکر جان بچائی جا سکتی ہے۔ مگر یہ تو ایسا کینہ پرور جانور ہے کہ انسان کو درخت پر بھی زندہ نہیں چھوڑتا ہے۔ درخت میں ٹکریں مار کر اسے گرا دیتا ہے اور آدمی کو کچل ڈالتا ہے یا سونڈ میں پکڑ کر بلند کر کے زمین پر زور سے پٹک دیتا ہے۔ خدا بچائے اس کے غصہ سے بندوق کی گولی کا اثر بھی اسکے جسم پر مشکل سے ہوتا ہے۔ اسکے دانت اکثر چھ فیٹ تک لانبے ہوتے ہیں۔

ایک روز علی الصباح ہی ان کا ایک جھنڈ بلائے ناگہانی ہو کر ہمارے کیمپ پہ حملہ آور ہوا۔ رات بھر شکار کی تاک میں جاگنے کے بعد صبحکو میں اپنے مچان پر آ کر سو گیا تھا۔ لیمبوا اپنے ساتھیوں سمیت جنگل میں جا چکا تھا صرف دو جنگلی اور قاسم چوہات کو میرے ساتھ گھاٹ پر تھے اسوقت کیمپ میں موجود تھے۔ درختوں کے نیچے گھاس پر لیٹے سوئے تھے اور خوراک کے شکار کے لئے جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ یکایک ان کو جنگل میں شور سنائی دیا۔ جو کیمپ کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔ بیسیوں ہاتھیوں کی چنگھاڑ سے جنگل پر خوف وہراس چھا گیا۔ میری آنکھ کھل گئی اور اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ان کا شور و غل اس جنگل میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اکثر ہر روز

ان کا شور سنا جاتا تھا ۔ مگر خوف کی بات یہ تھی کہ ان کا رخ ہمارے کیمپ کی طرف تھا
اور لیمبو اور دیگر جنگلی موجود نہ تھے ۔ قاسم خوف زدہ ہو کر میرے قریب مچان پر آ گیا
دونوں جنگلی بھی اپنے درخت پر چڑھ گئے ۔ ہم نے اپنی بندوقیں تیار کر لیں دونوں جنگلی
بھی اپنے نیزے لے کر بیٹھ گئے ۔ یہ خوفناک لشکر دم بدم ہمارے قریب ہوتا جا رہا تھا
تھوڑی ہی دیر میں یہ سیاہ طوفان یا کالی گھٹا ہمارے سر پر پہنچ گئی ۔ نر مادین اور
بچے ملا کر پچیس تیس کے قریب ہوں گے ۔ درختوں کے نیچے جو ہمارا سامان برتنوں
وغیرہ کی قسم سے پڑا تھا سب توڑ پھوڑ ڈالا ۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا کمبختوں نے
ہمکو درختوں پر دیکھ لیا ۔ غضبناک ہو گئے ۔ چار پانچ ہمارے درخت کے گرد لپٹ
گئے ۔ اپنے سونڈوں سے درخت کی بہت سی شاخیں توڑ ڈالیں ۔ مگر خوش قسمتی سے
جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ ہمارے مچان ایک محفوظ موٹے اور اونچے درخت پر بنے
ہوئے تھے ۔ انکی سونڈیں ہم تک نہ پہونچ سکیں آخر جھنجھلا کر انھوں نے درخت
کے تنے پر ٹکریں مارنا شروع کیں ۔ ٹکریں مارتے تھے اور چنگھاڑتے تھے ۔ ہم نے بندوق
کارتوسوں اور دیگر ضروری سامان کو مضبوطی سے قابو کر کے خود تنوں سے لپٹ کر اپنے
گرد رسے لپیٹ لیے ۔ تاکہ جھٹکوں سے نیچے نہ گر جاویں تقریباً دس منٹ تک
وہ درخت کو توڑنے اور گرانے کی کوشش کرتے رہے ۔ میرا تکیہ اور خاکی ہیٹ
نیچے گر پڑے اور پرزے پرزے کر ڈالے ۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے درخت
سے ہٹ گئے جنگلیوں کے درخت پر پل پڑے ۔ بدنصیبی سے انکا درخت زیادہ
مضبوط نہ تھا اور نہ ہی وہ لوگ زیادہ اونچائی پر تھے ۔ اس درخت کو اپنی ٹکروں
سے گرانے لگے ۔ اب میں نے اور قاسم نے ان پر گولیوں کی بوچھار شروع کر دی بندوقوں

ہیں کارتوس لگاتے تھے اور دن دن فائر کرتے جاتے تھے۔ وہ گولیاں کھا کر چنگھاڑتے تھے
اور اپنے کام میں مشغول تھے۔ آخر وہ درخت ان کے سامنے ٹھہر نہ سکا وہ ٹوٹ گیا درخت
کا ٹوٹنا تھا کہ ایک جنگلی نے ایسی پھرتی اور کرتب دکھایا کہ میں عش عش کر گیا۔ جیسے ہی
درخت ٹوٹا اس نے اپنا نیزہ ایک نر ہاتھی کی گردن پر زور سے مارا کہ وہ سیدھا پیوست
ہو گیا۔ وہ جنگلی ایک غیر معمولی تیزی سے اس ہاتھی کی کمر پر کودا۔ کودتے ہی نیزے کا
سہارا لیتے ہوئے ایک عجیب انداز سے جست کر کے آناً فاناً سامنے کے درخت پر پہنچ گیا
اور ان درندوں سے محفوظ ہو گیا۔ اب ہماری توجہ دوسرے جنگلی کی طرف مبذول ہو گئی
وہ بیچارہ درخت کے اچانک ٹوٹنے سے سیدھا زمین پر آ رہا۔ مگر واہ رے ہمت
فوراً کھڑا ہو گیا۔ اپنا برچھا زمین سے اٹھا لیا۔ اور جیسے ہی ایک ہاتھی اس پر دوڑا
بائیں طرف کو ہٹ کر اس نے برچھے کا ایسا تلا ہوا ہاتھ مارا۔ کہ ہاتھی کی آدھی سونڈ کٹ کر
الگ جا گری۔ وہ گولیوں سے پہلے ہی بے دم ہو رہا تھا۔ تاب نہ لا سکا۔ چند قدم بھاگنے
کے بعد زمین پر گر پڑا۔ جنگلی سنبھلا ہی تھا کہ ایک دوسرا نر اس پر جھپٹا۔ ہم نے فوراً چار
فائر اسکے سر اور گردن پر کئے۔ اس پر بھی اس نے ایک ٹکر جنگلی کے مارنا چاہا۔ مگر وہ
نہایت ہوشیاری سے ایک طرف کو ہٹ گیا۔ ہاتھی اپنے زور میں خود ہی آگے جا گرا اور
پھر نہ اٹھ سکا۔ مگر افسوس وہ بہادر جنگلی ایک تیسرے ہاتھی کی زد سے نہ بچ سکا۔ جنگلی
نے برچھا اسکی گردن میں بھونک دیا۔ لیکن زبردست ہاتھی نے اپنے سونڈ میں اسکو
لپیٹ لیا اور بڑے زور سے چنگھاڑ کر اسے ہوا میں بلند کیا اور زور سے زمین پر
دے پٹکا۔ جنگلی کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور بدنصیب ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا
اس کا سر پھٹ گیا تھا۔ ہم نے اس دوران میں جنگلی کے بچانے کے لئے کئی فائر اس ہاتھی

پر گئے۔ مگر کوئی نتیجہ نہ ہوا جنگلی کو کچل کر وہ بھاگ گئے۔ ہم نے پھر ان پر گولیاں چلائیں ایک مادہ اور دو بچے تھوڑی دور پر گر کر مر گئے اور وہ زخمی نر جس نے جنگلی کو مارا تھا کوئی دو سو گز کے فاصلہ پر جا کر گر گیا۔ اس کے تھوڑے فاصلہ پر ایک اور زخمی نر بے دم ہو کر درختوں کے جھنڈ میں لیٹ گیا۔ باقی سب جانور دریا کے دوسری جانب بھاگ گئے۔ ہم نے کل چالیس فائر ان پر کئے تھے۔ فائروں اور ہاتھیوں کی چنگھاڑوں کی آواز تمام جنگل میں پہنچ رہی تھی لینمبو پریشان ہو کر دیگر جنگلیوں کو بھگاتا چلا آ رہا تھا۔ اسکو خوف تھا کہ ہاتھیوں کا اتنا بڑا لشکر ہم چاروں کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ اس کے آتے آتے ہاتھی دریا کے پار جا چکے تھے لینمبو اپنے ساتھیوں سمیت ہمارے پاس پہنچ چکا تھا۔ مجھکو صحیح سالم دیکھ کر بہت خوش ہوا مگر ہم سب کو بیچارے جنگلی کی جان جانے کا بڑا رنج تھا سب ملا کر چار نر ایک مادہ اور دو بچے مارے گئے تھے یہ خوفناک سین تقریباً نصف گھنٹہ ہمارے پیش نظر رہا۔ میں نے اپنی جان بچنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ تقریباً ایک مہینہ ہمکو اس جنگل میں آئے ہوئے ہو گیا تھا ہاتھی دانت اور گینڈے کے سینگ میری امید سے کہیں زائد جمع ہو گئے تھے۔ لہذا میں نے واپسی کا ارادہ کر دیا جنگل کی زندگی سے اب میں تنگ بھی آ چکا تھا۔ اب مجھ میں اور جنگلیوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں رہا تھا۔ وہ بالکل ننگے تھے۔ میرے بدن پر تھوڑے پھٹے ہوئے کپڑے رہ گئے تھے ہاتھیوں کی مہربانی سے ننگے سر اور ننگے پاؤں رہ گیا تھا۔ ناخن تو میں اپنے چاقو سے کاٹ لیتا تھا۔ مگر داڑھی اور سر کے بالوں کا برا حال تھا۔ اس موقع پر ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ ان جنگلی لوگوں کے داڑھی اور مونچھیں قدرتی طور پر نہیں نکلتی ہیں مردوں اور عورتوں کے سر پر یکساں چھوٹے چھوٹے بال بھیڑ کی اون کی مانند نکلتے ہیں جو کہ زیادہ نہیں بڑھتے۔ آخر ایک روز ہم نے کوچ کر دیا۔ واپسی میں ہمارے پاس

بوجھ بہت کافی ہوگیا تھا۔ اس لیے سفر بہت آہستہ آہستہ طے ہو رہا تھا۔ شام تک ہم ہیڈ وگو نہ پہنچ سکے۔ رات راستہ ہی میں درختوں پر گزری۔ اگلے دن صبح کو چل کر ہم دوپہر کے وقت ہیڈوگو پہنچ گئے۔ سردار ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ایک ہفتہ یہاں قیام کر کے ہم نے آرام لیا۔ سردار کا عطیہ ہاتھی دانت اور گینڈے کے سینگ حاصل کئے۔ سردار نے بارہ تازہ دم جنگلی بوجھ اٹھانے کے لیے اور ٹھیک راستہ بتانے کے لیے ہمارے ساتھ کئے۔ ہم اسکا شکریہ ادا کر کے اس سے رخصت ہوئے۔ واپسی کے وقت دوسرا راستہ اختیار کیا جس راستہ سے ہم یہاں آئے تھے اس کو چھوڑ کر نئے جنگلیوں نے ایک دوسرے راستہ پر چلنا شروع کیا۔ دن کو ہم سفر کرتے اور رات کو درختوں پر بسیرا کرتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ سبزہ زار میدانوں سے بھی گزرے۔ کھلے میدان پہاڑ سب راستہ میں آئے مگر اب سرنگ میں سے نہ گزرنا پڑا۔ چار روز سفر کے بعد ہم واپس لیمبو کے گاؤں میں پہنچ گئے۔ سردار نے پھر ہماری خاطر تواضع کی۔ وہ جنگلی جو ہاتھیوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا وہ اسی گاؤں کا تھا۔ جب اس کے مرنے کا علم اس کے گھر والوں کو ہوا تو انھوں نے ذرا بھی رنج نہ منایا۔ میں نے اس کے حصہ کی مزدوری کا انعام اس کے بچوں کو دے دیا۔ پانچ روز یہاں ٹھہرنے کے بعد میں نے ہیڈوگو کے جنگلیوں کو موتی تاریں اور رنگین کی چادریں ان میں تقسیم کر کے ان کو واپس کر دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ یہ چیزیں ان کے لیے بہترین انعام تھا۔ میں واپسی کے کوچ کے لئے تیار ہوگیا۔ گاؤں سے بارہ آدمی اور لیے اور روانہ ہوگئے۔ بوجھ کی وجہ سے آٹھ دس میل روزانہ سے زائد سفر طے نہ ہو سکتا تھا۔ جنگلوں میں مجھے دن اور تاریخیں بھول چکی تھیں۔ مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ آج کون سا دن ہے یا کیا تاریخ ہے صرف اتنا خیال تھا کہ مارچ کا مہینہ ہوگا۔ میں

۲۷ جنوری ۱۹۵۱ء کو نروبی سے اس سفر پر روانہ ہوا تھا۔

دن بھر چلتے رہنے کے بعد شام کو ہم نے ایک مقام پر رک کر رات بسر کرنے کیلئے درختوں پر انتظام کیا۔ تقریباً ۱۱ میل کا فاصلہ آج ہم طے کر چکے تھے رات کسی خاص واقعہ گذر گئی۔ صبح اٹھکر ہم پھر روانہ ہوئے اور دوپہر تک چلتے رہے۔ غالباً سات میل سفر کے بعد ہم ایتھی دریا پر پہنچ گئے اور وہیں ڈیرا ڈالدیا۔ تھکان کی وجہ سے اس دن آگے کوچ نہ کیا۔ کھانے سے فراغت کر کے ہم سب لوگ لیٹ گئے تھے۔ دو گھنٹے آرام کے بعد اٹھکر منہ ہاتھ دھویا نروبی یہاں سے تقریباً ۵۳ میل کی دوری پر تھی۔ لیمبو اور جنگلی رات بسیرے کی غرض سے درختوں پر جگہیں بنانے میں مشغول تھے۔ خوراک کے لیے گوشت ختم ہو چکا تھا میں اور حاصل کرنے کے سوچ میں تھا کہ سامنے جنگل کے ایک کھلے حصہ میں آسمان پر سیکڑوں گدھ اڑتے ہوئے نظر آئے۔ میں اور قاسم بندوقیں لیکر اس طرف کو روانہ ہو گئے۔ آدھ گھنٹہ میں ہم وہاں جا پہنچے دیکھا کہ ایک بڑے زیبرے کی لاش درختوں کے نیچے پڑی ہے اور اوپر گدھ منڈلا رہے ہیں۔ لاش کا ایک تہائی حصہ کھایا جا چکا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ اسے شیر نے مارا ہے اور وہ قریب ہے۔ یہیں موجود ہوگا اور رات کو ضرور وہ باقی ماندہ حصہ لاش کو کھانے آئے گا۔ میرا یہ خیال یقین کی حد کو پہنچ گیا۔ اتفاق سے بیٹھنے کے لیے قریب ہی کئی مناسب اور محفوظ درخت بھی تھے قاسم نے پچیس تیس گز کے فاصلہ سے ایک مضبوط درخت پر دو آدمیوں کی جگہ بنائی اور ہم واپس کیمپ آگئے۔ سورج غروب ہوتے میں دو گھنٹہ ابھی باقی تھے دوسری طرف جنگل میں دریا کے کنارے ہم نے چند پرندے شکار کئے اور بھون کر کھا گئے اور شام سے قبل بندوقیں لیکر روانہ ہو گئے زیبرے کی لاش کے قریب درخت پر بیٹھ گئے اور

پتوں کی آڑ میں چھپ گئے تاکہ شیر کو ہماری موجودگی کا احساس نہ ہو۔ سورج غروب ہو رہا تھا کچھ کچھ تاریکی ہو چلی تھی ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا ہم بہت چوکنے ہو کر انتظار میں بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر میں شیر نہایت خاموشی کے ساتھ آہستہ آہستہ جنگل سے نکل آیا اور اپنے شکار کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ جنگلوں میں زندگی کی وجہ سے اب شیر کا ہم سے اسقدر قریب ہونے کا ہم پہ کوئی زیادہ اثر نہ تھا۔ شیر نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور منہ اوپر کو اٹھا کر سونگھنا شروع کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسکو ہماری موجودگی کا احساس ہو گیا وہ ہمارے درخت کے نیچے آکر کھڑا ہو گیا اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر لاش کے قریب واپس گیا اور اُسے کھانا شروع کر دیا۔ مجھے چند روز سے کھانسی کی شکایت ہو رہی تھی۔ شیر اپنے کھانے میں مشغول تھا۔ اور منہ اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھتا بھی جاتا تھا۔ میں نے رائفل . . . سیدھی کر کے اس کے سینہ کا نشانہ لیا۔ جیسے ہی میں نے فائر کرنا چاہا۔ باوجود روکنے کی کوشش کے مجھے کھانسی آ گئی۔ کھانسی کی آواز سنکر شیر نے کھانا چھوڑ دیا۔ ہمارے درخت کی طرف غراتے ہوئے دیکھا اور فوراً جنگل میں غائب ہو گیا۔ مجھے اس کے اسطرح نکل جانے کا بہت صدمہ ہوا۔ لیکن چند منٹ بعد ہی واپس آ گیا اور پھر اپنے شکار کو کھانے لگا۔ میں بالکل تیار تھا۔ جیسے ہی وہ ذرا سیدھا ہو کر زد میں آیا۔ میں نے اسکے سینہ پر گولی لگائی۔ گولی لگتے ہی وہ غضبناک ہو کر بادل کی طرح گرجا۔ ایک دم درخت کے نیچے آکر جست پر جست کرنے لگا۔ اپنی خوفناک گرج سے جنگل کو سر پر اٹھا لیا۔ میں نے رائفل سے اور قاسم نے گراپ کے فائر اسپر شروع کر دیئے وہ بری طرح زخمی ہوا اور جنگل میں جا گھسا۔ دیر تک جنگل میں اس کے بولنے کی آواز سنائی دیتی رہی۔ رات ہم نے اس درخت پر گزاری صبح ہوتے ہی ہم نیچے اترے

بندوقیں تیار کر کے اور خون کا نشان لیتے ہوئے بہت دور تک جنگل میں چلے گئے۔ پون میل کے قریب گئے ہونگے کہ ایک گہرے کھائے کے اندر لمبی گھاس میں خون کے نشان غائب ہو گئے ہم نے اوپر ہی سے اس کی تلاش کی کوشش کی۔ لینمبو نے رات کو جو بہت سے فائر سنے تو وہ صبح ہی چند جنگلیوں سمیت ہمیں تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچ گیا۔ جیسے ہی ہم نے جھاڑیوں پہ پتھر پھینکے زخمی شیر اچانک ایک دل ہلا دینے والی گرج کے ساتھ ہماری طرف جھپٹا۔ ہم خوش قسمتی سے بلندی پر تھے اور وہ نشیب میں۔ ورنہ وہ ہم پہ آ کودا تھا۔ قبل اسکے کہ وہ ہم تک پہنچے۔ ہم نے دونوں بندوقوں سے کئی فائر اس پر کر دیئے وہ وہیں گر کر ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گیا۔ جنگلیوں نے اسکا سر اور کھال اتار کر اپنے ساتھ لے لی۔ ہم کیمپ واپس آئے۔ ناشتہ کے بعد وہاں سے کوچ کر دیا۔ دن بھر سفر کیا۔ شام کو سورج غروب ہونے کے بعد ہم نروبی میں داخل ہوئے۔ اور یہ جنگلات کا سفر ختم ہوا۔ اس روز وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ آج تاریخ ۱۳ اپریل ہے ہم ڈھائی مہینے کے بعد اس سفر سے نروبی واپس آئے۔

یہاں یہ حال معلوم ہوا کہ معراج حالت بیماری میں بمبئی چلا گیا تھا۔ گھر سے خطوط آئے ہوئے رکھے تھے۔ بہت دنوں کے بعد خیریت کی خبر معلوم ہوئی۔ میں نے چند خطوط جواباً لکھے جنگلیوں کو انعام دیکر رخصت کر دیا۔ لینمبو کو اپنے پاس ایک ماہ کے لیئے روک لیا۔ رفتہ رفتہ اسکو کپڑے پہننے کا عادی کیا۔ اب وہ تھوڑی بہت روٹی بھی کھا لیتا تھا جلیبی کھانے کا یہ بہت شوقین ہو گیا تھا صبحکو بلا ناغہ آدھ سیر جلیبی کا ناشتہ اسکا مقرر تھا۔ مگر اس پر بھی اسکی نیت نہ بھرتی۔ دن بھر برآمدہ میں بیٹھا حلوائی کی دوکان کو تکتا رہتا اس زمانہ میں وہاں دو روپیہ سیر جلیبی ملتی تھی۔ ایک ہفتہ میں اسکو

جلیبی کا نام یاد ہوا۔ وہ بھی غلط۔ صبح کو حلوائی کی دوکان کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہتا۔ باجل بی (ماسٹر جلیبی) مجھے اس کے اس حال پر ہنسی آتی۔ ہاتھی دانت اور گینڈے کے سینگھ بوریوں میں بھر کر میں نے ممباسہ بھجوا دیے۔ گینڈے کی کھالیں نیروبی ہی میں فروخت ہوگئی تھیں۔ ایک مہینے کے بعد میں نے لیمبو کو رخصت کر دیا۔ اسکو بہت سے سامان کے علاوہ پانچ سیر جلیبی بھی دی گئی۔ وہ بیحد خوش تھا اور چلتے وقت خواہش کرنے لگا کہ میں پھر بھی کبھی اسکے گاؤں چلوں مگر یہ ممکن نہ ہو سکا

باب اکتیسواں

زنجبار اور وہاں کا قیام

میں اگست سنہ ۱۹۰۰ء تک نیروبی میں رہا۔ مال ابھی تک ممباسہ میں پڑا تھا۔ اصل میں اس مال کی بڑی منڈی زنجبار میں تھی۔ لوگوں نے مجھے رائے دی کہ یہ مال زنجبار میں فروخت کیا جائے۔ چنانچہ اگست میں مع قاسم کے میں ممباسہ کو روانہ ہوگیا۔ وہاں سے مال ساتھ لیکر ہم جہاز پر سوار ہوگئے۔ اگلے دن زنجبار پہونچ گئے۔ زنجبار مشرقی افریقہ میں سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ ہے۔ نہایت ہی خوبصورت شہر ہے۔ دراصل یہ چھوٹا سا جزیرہ ہی ہے جو براعظم افریقہ کے ساحل سے زیادہ دور نہیں ہے۔ سمندر اسکو ساحل سے جدا کرتا ہے۔ یہ تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے۔ ہاتھی دانت گینڈے کے سینگ آبنوس لونگ۔ ناریل مشک عنبر وغیرہ یہاں سے ممالک غیر کو بھیجے جاتے ہیں۔ یہاں کے اصلی باشندے عرب اور سواحلی ہیں۔ عام زبان بھی سواحلی ہے۔ عرب سلطان

یہاں کا حاکم ہے جسکا نہایت شاندار اور خوبصورت محل سمندر کے کنارے پر ہے۔ بمبئی کے علاقہ کے لوگ، خوجے، بوہرے، میمن اور گجراتی وغیرہ بہت کثرت سے یہاں آباد ہیں ہر قسم کی تجارت انہیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ انگریز، جرمن، اٹیلین، سندھ اور کولمبو کے باشندے بھی یہاں رہتے ہیں۔ میں نے رہائش کے لئے ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ یہاں بوہرے لوگوں کے ہوٹل ہیں۔ جن میں ہر وقت عمدہ ہندوستانی کھانا مل سکتا تھا۔ بریانی خاص طور پر ان ہوٹلوں میں نہایت عمدہ پکتی تھی۔ میں یہاں ہاتھی دانت کے سوداگروں سے ملا اور انکے ہاتھ تھوڑا تھوڑا مال فروخت کرنا شروع کر دیا۔ زنجبار مجھے ہر پہلو سے نہایت پسند تھا۔ تجارتی نقطہ نظر کے علاوہ آب و ہوا کے لحاظ سے بہترین مقام ہے۔ اور تفریح کیلئے بھی بہت اچھی جگہ ہے۔ یورپ ہندوستان جنوبی افریقہ اور جزیرہ مبڈیگاسکر سے جہازوں کی آمدورفت برابر جاری رہتی ہے۔ نئے نئے لوگ روزانہ نظر آتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں میری واقفیت یہاں لوگوں سے بہت بڑھ گئی تھی۔ تجارت پیشہ لوگوں سے ملنے جلنے لگا۔ یہاں عام قاعدہ ہے کہ شام کو چار بجے کے بعد عام کاروبار اور دوکانیں بند ہو جاتی ہیں صرف ہوٹل اور کھانے پینے کے سامان کی دوکانیں کھلی رہتی ہیں۔ کاروباری لوگ مرد اور عورتیں شہر سے باہر سمندر کے کنارے مختلف جگہوں پر تفریح کے لئے چلے جاتے ہیں۔ جہاں طرح طرح کے کھیل تماشا ہوتے ہیں۔ تجارت پیشہ لوگوں کی آپس میں ملاقاتیں ہوتی ہیں کافی اور قہوے کے دور چلتے ہیں۔ گویا شہر سے باہر یہ ان لوگوں کے کلب ہیں یہ لوگ دن بھر کام کرنیکے بعد شام کو تفریح کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بمبئی کی تجارت پیشہ لوگ یہاں بہت خوشحال ہیں میمن تو سنت جماعت ہیں خوجہ لوگوں میں شیعہ بھی اور آغا خانی بھی ہیں

ان کے جماعت خانے الگ الگ ہیں۔ بوہروں کا جماعت خانہ بھی علٰحدہ ہے۔ عرب لوگ یہاں کی بڑی زمینداری اور کاشتکاری کے مالک ہیں۔ ناریل اور لونگ کی یہاں بہت پیداوار ہے۔ آم نارنگی وغیرہ میوے بھی بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔

میں نے بیکاری کا مشغلہ سمجھکر ایک اور کام یہاں شروع کر دیا۔ دراصل مجھے تین پنجابی جو یہاں بیکار اور تنگ حال تھے ان کی مدد کرنا پڑی۔ میں نے عربوں کی ضرورت کا سامان چار پانچسو روپیہ کا خرید کر ان تینوں کو پھیری پر لگا دیا۔ جس میں عطر صابون ریشمی کپڑا نقلی کہربا، مونگا اور دیگر فینسی چیزیں تھیں۔ ہر ایک بیس تیس روپیہ کا مال روزانہ بیچ لاتا۔ میں ہر روز شام کو انکا حساب کرکے نصف منافع ان کے حوالے کر دیتا۔ وہ لوگ بہت خوش ہوگئے، ہر روز ...... منافع کی خاصی رقم انکے ہاتھ میں آجاتی میرا خرچہ بھی مفت میں چلنے لگا۔ قاسم بن منصور کی وفاداری کے صلہ میں علاوہ اسکی تنخواہوں کے میں نے اپنے خرچ سے اسکی شادی ایک سواحلی لڑکی سے کرا دی اور تین سو روپیہ کے سرمایہ سے اسکو بساط خانہ کی دوکان کرا کر بڑے دوکانداروں سے اسکا لین دین کرا دیا۔ آدمی سمجھدار اور ایماندار تھا۔ دونوں میاں بیوی ملکر دوکان کا کام کرتے تھے۔ میرے دیکھتے دیکھتے پانچ چھ سو کا سامان ان کی دوکان میں ہوگیا تھا اور گھر کو بھی انھوں نے ضروریات کی تمام چیزوں سے آراستہ کرلیا۔ میاں بیوی دونوں میرے بہت ممنون تھے۔ خوشی کی زندگی دونوں بسر کر رہے تھے۔

میرے دل میں مشرقی افریقہ کے جرمن مقبوضات دیکھنے کا ابھی شوق باقی تھا۔ ادھر گھر سے جو خطوط آرہے تھے۔ ان میں واپسی کے سخت تقاضے تھے۔ والد صاحب قبلہ کی خواہش یہ تھی کہ میں جلد از جلد واپس وطن پہنچوں۔

زنجبار میں مجھے کئی مرتبہ قبلہ مولوی سید تفضل حسین صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا
مولوی صاحب موصوف پنجاب میں میرے ہموطن تھے اور والد صاحب قبلہ سے ان کے
بہت مراسم. مولوی صاحب شیعہ تھے اور پھنگانی میں (جو کہ مشرقی افریقہ میں جرمنی
علاقہ تھا) شیعہ خوجہ جماعت کے امام تھے ۔ خوجہ لوگ اپنے امام صاحب کا بہت احترام
کرتے ہیں. مولوی صاحب قبلہ نے کئی بار باصرار فرمایا تھا کہ وطن جانے سے قبل میں چند
روز کے لیے پھنگانی ضرور آؤں ۔ چنانچہ میں نے واپسی کا پروگرام اسطرح بنایا کہ پھنگانی
میں چند روز ان کا مہمان رہوں. وہاں سے ٹانگا پہنچکر بمبئی جانے کے لیے جہاز پر
سوار ہو جاؤں اسوقت پھنگانی اور ٹانگا دونوں جرمن کے قبضہ میں تھے. یہ مقامات
جنگ عظیم کے بعد برٹش مقبوضات میں شامل ہو گئے ۔ جب میں نے واپسی کی تیاری
کی تو قاسم بہت بے دل ہوا. اسکو مجھ سے بہت محبت ہو گئی تھی وہ میرا ساتھ چھوڑنا نہیں
چاہتا تھا ۔ میں نے اسے سمجھایا اور کہا کہ میں پھر کچھ عرصہ کے بعد افریقہ واپس آؤنگا
اس پر اس نے یہ خواہش کی کہ کم از کم جب تک آپ سرزمین افریقہ پر ہیں اور جہاز پر
سوار نہیں ہوتے. اسوقت تک مجھے اپنی خدمت سے جدا نہ کریں. چنانچہ میں نے اسکو اپنے
ساتھ ٹانگا تک لیجانے کا ارادہ کر لیا. چند ہموطنوں کی مہربانی سے میری عدم موجودگی
میں دن کے وقت میرے مکان میں چوری ہو گئی. تقریباً ڈھائی ہزار روپیہ کے قریب
مجھے نقصان پہنچا. میں نے اپنے پروگرام کے مطابق ایک بادبان جہاز میں پھنگانی
تک جانے کا انتظام کیا. پھنگانی چھوٹی جگہ تھی. وہاں بڑے سٹیمر نہیں جاتے تھے. ہاں
البتہ ٹانگا بڑا بندرگاہ تھا. وہاں بڑے بڑے جہاز آتے جاتے تھے. میں نے دو ٹکٹ
پھنگانی کے منگوائے. قاسم نے سب سامان قلیوں کی مدد سے جہاز پر پہنچا دیا. کھانے پینے

کا سامان بھی ساتھ تھا۔ شام کے وقت میں اور قاسم دونوں جہاز میں سوار ہوگئے۔ غروب آفتاب کے قریب ہوا موافق دیکھکر جہاز زنجبار سے روانہ ہوگیا۔ میرا قیام زنجبار میں ایک سال سے کچھ زائد رہا۔ اس جہاز میں نمک بھرا ہوا تھا۔ مسافر صرف ہم دو آدمی ہی تھے۔ چار پانچ سواحلی جہاز کے اسٹاف میں تھے۔ ہم رات کا کھانا کھاکر سو گئے۔

جہاز رات بھر اور دن بھر چلتا رہا۔ شام کو سورج چھپنے سے پہلے کنارہ دکھائی دینے لگا۔ تقریباً ۸ بجے رات کو جہاز بندرگاہ میں جاکر لنگر انداز ہوگیا۔ چونکہ رات ہو چکی تھی اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ رات جہاز میں گزار کر صبح کو مولوی صاحب سے ملاقات کریں۔ لیکن جہاز والوں سے معلوم ہوا کہ ہمیں اُسی وقت کسٹم آفیسر کے سامنے جانا ہوگا اور اس کے سامنے بیان کرنے کی ضرورت ہوگی کہ ہم خیریت سے پہنچ گئے ہیں۔ کسٹم ہاؤس سامنے ہی تھا اور کسٹم آفیسر ساحل پر لالٹین لئے کھڑا تھا۔ میں صرف کرتا پاجامہ اور پاؤں میں سلیپر پہنے ہوئے تھا۔ اسی طرح مجھے قاسم اٹھاکر پانی کے پار کنارے پر لے گیا۔ آفیسر کے سوالات کے جواب دینے کے بعد میں نے ایک نوجوان سے جو پاس ہی کھڑا تھا۔ مولوی صاحب کا پتہ پوچھا۔ وہ مجھے مولوی صاحب کا مہمان سمجھکر بہت عزت سے پیش آیا اور کہنے لگا کہ ان کا مکان تو کچھ دور پر ہے مگر وہ اسوقت سامنے مسجد میں نماز پڑھا رہے ہیں چلئے میں ابھی آپ کو ان کے پاس لئے چلتا ہوں۔ میں نے چاہا کہ جہاز پر واپس آکر کپڑے پہن لوں تو چلوں مگر وہ نہیں مانا۔ مجھے بااصرار اسی وقت لے گیا۔ نماز مسجد میں ختم ہونے ہی والی تھی۔ چند منٹ بعد مولانا باہر تشریف لائے تو مجھکو دیکھکر ٹھٹکے۔ غور سے دیکھکر پہچانا اور فوراً لپٹا لیا۔ مجھ سے اس بے سروسامانی کا حال پوچھا تو میں نے کہا کہ یہ حضرت جو مجھے اسطرح پکڑ لائے ہیں اسکے ذمہ دار ہیں۔

خیر مولانا مجھے اپنے گھر لے گئے۔ قاسم کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ سامان لے کر چلا آئے مولوی صاحب کے ساتھ کھانا کھا کر میں سو گیا۔ صبح آنکھ کھلی تو قاسم کو مع سامان کے موجود پایا۔

بھٹکانی گو کہ بہت چھوٹا سا مقام ہے مگر نہایت صاف ستھرا تھا۔ آب و ہوا بھی اس جگہ کی نہایت عمدہ تھی۔ میں یہاں چند جرمن آفیسروں سے ملا۔ انگریزی میں نہیں بلکہ وہ سواحلی میں مجھ سے بات چیت کر سکے۔ انکی سادگی اور بے تکلفی کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔ تقریباً پندرہ روز تک میں مولانا کا مہمان رہا۔ بیچارے بےحد خاطر و مدارات کرتے رہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ ۶ ستمبر ۱۹۰۱ء کو ٹانگا سے بمبئی جانے والا جہاز پہونچیگا۔ اس لئے ۵ ستمبر تک میرا وہاں پہونچ جانا ضرور تھا۔ بھٹکانی سے ٹانگا جانے والے بادبانی جہاز کی کئی روز سے تلاش تھی۔ مگر کوئی جہاز تیار نہ ملتا تھا۔ ہر روز کسٹم ہاؤس آدمی بھیجے جاتے مگر کسی جہاز کی روانگی کی اطلاع نہ ملتی مجھے اندیشہ یہ تھا کہ اگر ۶ ستمبر والا اسٹیمر نکل گیا تو پھر مجھے ایک مہینہ اور انتظار کرنا پڑے گا۔ مجھے اب گھر پہونچنے کی بہت جلدی تھی۔ میری ضعیف والدہ علیل اور مجھے دیکھنے کے لیے بہت بےچین تھیں۔

شام کو مغرب کے بعد مولوی صاحب کے مکان پر حسب معمول خوجہ لوگوں کا مجمع تھا یہ لوگ سیدوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ میں چونکہ سنت جماعت تھا ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ ایک سنی سید نہیں ہو سکتا۔ مجھے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ میں ایک مہمان کی حیثیت سے یہاں تھا۔ مولوی صاحب کی وجہ سے وہ لوگ میرے ساتھ بھی عزت سے پیش آتے تھے۔ اسوقت تک جہاز کوئی تیار

نہیں تھا۔ لوگوں میں یہ ذکر چھڑ گیا کہ بھنگالی سے ٹھانگا جنگل کے راستے سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور دن بھر میں گدھے پر سوار ہو کر طے ہو سکتا ہے۔ مگر راستہ سخت مخدوش ہے۔ راستہ کے متعلق لوگوں میں عجیب غریب قصہ شروع ہو گئے۔ ایک صاحب نے کہا کہ ابھی ایک مہینہ نہیں ہوا کہ ایک عرب اسی راستہ سے اپنے گدھے پر سوار آ رہا تھا۔ جب وہ ندی کے قریب پہونچا تو ایک شیر نے دونوں کو مار ڈالا۔ غرض شیروں اور جنگلی آدمیوں کے مظالم کے قصہ دیر تک جاری رہے۔ مجھے اتنا معلوم ہو گیا کہ خشکی کا راستہ بھی ٹھانگا تک موجود ہے۔ جوں جوں دن گذر رہے تھے میری بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ کئی بار ارادہ کیا کہ جنگل کے راستہ سے ہی چل دوں۔ مگر مولوی صاحب نے مجھے اس خطرے میں پڑھنے سے باز رکھا۔

باب تیسواں

واپسی وطن

۲ ستمبر ۱۹۱۸ء کی شام کو کسٹم آفیسر نے اطلاع دی کہ اگلی صبح کو ۶ بجے ایک جرمن اپنا جہاز ٹھانگا لیجائے گا۔ اسی جہاز میں میرے جانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔ میرے لئے یہ ایک بڑی خوشخبری تھی۔ اپنا کل سامان اور قاسم کو رات ہی کو جہاز پر بھیج دیا میرے پاس صرف کچھ روپیہ جو جیب میں پڑے ہوئے تھے رہ گئے یا جسم پر جو کپڑے تھے باقی سب سامان وغیرہ جہاز میں پہونچ گیا تھا۔ میں پانچ بجے صبح ہی تیار ہو گیا مولوی صاحب نے ایک ٹوکری میں راستہ کے لئے کچھ کھانے پینے کا سامان رکھنا

شروع کیا۔ میں نے ہر چند اصرار کیا کہ جو سامان ہمارے پاس موجود ہے کافی ہے۔ مگر انھوں نے ایک نہ سنی اپنی دھن میں لگے رہے۔ فلاں چیز لاؤ۔ یہ بھی لاؤ وہ بھی لاؤ غرض سامان اکھٹا کرنے میں چھ بجا دیئے۔ اب مولوی صاحب معہ چند ہمراہیوں کے مجھے جہاز پر سوار کرنے چلے۔ جب بندرگاہ کے قریب پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جہاز روانہ ہو چکا ہے اور تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر جا رہا ہے قاسم معہ سامان کے اس میں تھا۔ میری اسوقت کی پریشانی کا اندازہ کرنا مشکل ہے خیر میں نے مولوی صاحب کو تو یہ کہکر رخصت کر دیا کہ آپ تشریف لے چلیے میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ میں اسی پریشانی کے عالم میں ٹوکری والے ملازم کو ساتھ لے کر مولوی صاحب کے ایک مرید خوجہ کے پاس اس کی دوکان پر پہونچا اور اس سے کہا کہ ٹھانگا تک سواری کے لئے ایک گدھے کا انتظام کر دو (عرب اور مصر کی طرح یہاں بھی گدھے کی سواری کا عام رواج ہے) یہ گدھے بہت تیز چلتے ہیں۔ انھوں نے ایک سواحلی گدھے والے کو بلا کر میرے ساتھ جانے کے لئے تیار کر دیا چھ روپیہ کرایہ طے ہوا۔ وہ گدھے پر زین ڈالکر لے آیا اور ہاتھ میں اپنا نیزہ لے آیا ٹوکری کو نیزہ پر لٹکا کر کندھے پر رکھ لیا۔ میں گدھے پر سوار ہو کر خدا کے بھروسہ پر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اگر مولوی صاحب کو میرا یہ ارادہ معلوم ہو جاتا تو وہ مجھے ہرگز اس طرح نہ جانے دیتے۔ چار پانچ میل میدانی راستہ طے کرنے کے بعد ہم گھنے جنگل میں داخل ہوئے۔ یہ خوفناک جنگل میرے لئے کوئی نئی چیز نہ تھی۔ اس سے کہیں خطرناک جنگلوں میں مہینوں رہ چکا تھا مگر افسوس یہ تھا کہ میں اسوقت بالکل بے سر و سامان تھا۔ میرا شکاری چاقو تک میرے پاس نہ تھا۔ اسوقت اگر

کوئی چھوٹا چیتا بھی حملہ آور ہوتا تو اسکے مقابلہ کے لیے میرے پاس کوئی ہتھیار
نہ تھا۔ البتہ جنگلیوں کے ساتھ رہنے سے درخت پر پھرتی کے ساتھ چڑھ جانے کی
مشق ہوگئی تھی۔ یہی بس میرا سہارا تھا۔ توکل بر خدا چلا جا رہا تھا۔ سواحلی آگے
آگے تھا۔ لانبی لانبی گھاس تھی۔ راستہ صاف نہیں تھا ہر آن یہی دھڑکا تھا کہ کوئی
درندہ اچانک حملہ نہ کردے۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے راستہ بخیریت طے ہوتا گیا
آخر وہ ندی بھی آگئی جس پر شیر نے عرب اور گدھے کو مارا تھا۔ اس مقام پر آکر
دل میں عجیب عجیب خیالات آنے لگے مگر ہم اس مقام سے بھی گذر گئے۔ تین چار
میل اور چلکر گھنے جنگل ختم ہوگئے اور جھاڑیوں دار میدان شروع ہوئے۔ ان
میں سے گذرتے ہوئے تقریباً ایک بجے ہم ایک آبادی میں پہونچ گئے۔ ایک
بلند جگہ پر جنگلیوں کی جھونپڑیاں تھیں بیچ میں ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ میں
میدان میں ایک درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھ گیا سواحلی تھوڑی دور پر ایک
ندی میں سے پانی لے آیا۔ میں نے منھ ہاتھ دھویا ٹوکری میں سے ناشتہ نکالکر
خود کھایا اور سواحلی کو بھی دیا۔ اسکے بعد میں تھوڑی دیر آرام کرنے کی غرض سے
لیٹ گیا۔ اس گاؤں کی تمام عورتیں اور بچے میرے گرد جمع ہوگئے۔ مرد غالباً
اسوقت گاؤں میں موجود نہ تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک میں ان لوگوں کا تماشا بنا
رہا۔ پھر ہم اٹھکر روانہ ہوئے۔ اب راستہ میں گھنے جنگل تو نہیں تھے مگر بڑی بڑی
جھاڑیاں تھیں۔ شتر مرغ اور ہرن بکثرت تھے۔ چار بجے کے قریب ہم ایک بڑی
ندی کے کنارے پھر پہونچے۔ ندی بہت چوڑی تھی۔ اور گہری بھی بہت زیادہ
معلوم ہوتی تھی۔ اس سے پار ہونے کا کوئی سامان یہاں نظر نہ آتا تھا۔ میں اسی

غور و فکر میں پندرہ منٹ تک کنارے پر کھڑا رہا۔ زیادہ فکر کی بات یہ تھی کہ شام ہو رہی تھی اور ابھی چھ سات میل کا سفر جنگل میں باقی تھا میں اس سوچ میں تھا کہ داہنی جانب کچھ دھواں سا اٹھتا نظر آیا ندی اسطرف گھوم گئی تھی۔ نشیب میں کچھ آبادی معلوم ہوتی تھی میں نے سواحلی کو فوراً اسطرف دوڑایا کہ اگر اسطرف آبادی ہو تو چند آدمی وہاں سے بلا لائے۔ ذرا سی دیر میں لانبے سیاہ فام تین جنگلی اس سواحلی کے ساتھ میرے پاس پہونچ گئے۔ ان کو اشارہ سے پار ہونے کے لیے کہا گیا۔ ان میں کے دو آدمی فوراً بھاگ گئے تھوڑی دیر میں ایک ڈونگی (چھوٹی کشتی) پانی میں کھینچتے ہوئے لے آئے۔ مجھے اور سواحلی کو دو دو آدمیوں نے اٹھا کر کشتی میں بٹھا دیا۔ گدھے کی زین اور ٹوکری بھی رکھ دی۔ دو آدمی اس ڈونگی کو پار لے گئے اور ایک گدھے کو کھینچتا ہوا لے آیا۔ پار پہنچکر میں نے ٹوکری میں سے ان لوگوں کو کچھ کیلے کھانے کیلئے دیئے کچھ پیسے بھی دیئے جن کو وہ دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ یہاں سے ہم روانہ ہو کر تیز قدمی سے جنگل طے کرتے ہوئے آخر کار غروب آفتاب کے بعد ٹھانگا پہنچ گئے۔

گذشتہ شام کو مولوی صاحب نے ایک خط ایک خوجہ کے نام دیا تھا جو ان کا مرید تھا اور ٹھانگا میں کسٹم ہوس میں کلرک تھا۔ ان بابو صاحب کی تلاش کی گئی۔ ان کے مکان پر پہنچکر مجھے بہت آرام ملا۔ اگلی صبح کو سواحلی کو رخصت کر دیا اور اپنا گدھا لے کر واپس چلا گیا۔ اس دن تاریخ ۴ ستمبر تھی۔ سٹیمر کے آنے میں دو دن باقی تھے۔ شام تک بندرگاہ میں میرے سامان والا جہاز نہ پہنچا تھا لیکن اگلے روز صبح ہی وہ جہاز ٹھانگا پہنچ گیا۔ قاسم بہت پریشان

تھا۔ مجھے پہلے سے وہاں موجود پاکر حیران رہ گیا۔

میں نے بمبئی کا ٹکٹ اسی روز خرید لیا۔ ٹانگا شرقی افریقہ کی جرمنی مقبوضات میں ایک بہت عمدہ جگہ ہے بڑی بڑی دوکانیں اور بازار ہیں بڑی رونق کا شہر ہے۔ دوسرے روز اسٹیمر بندرگاہ میں پہنچ گیا۔ میں مع سامان کے سوار ہو گیا۔ قاسم نے مجھے تختۂ جہاز تک پہنچا کر الوداع کہا۔ اور خود رنج وغم کے ساتھ بندرگاہ کو واپس چلا گیا۔ زنجبار جانے والا جہاز دو دن بعد آنے والا تھا۔ مجھے بھی قاسم کی علیحدگی کا صدمہ تھا۔ ۴ بجے شام کو جہاز ٹانگا سے روانہ ہوا۔ ممباسہ۔ عدن۔ گوا ہو ہوا اور سمندر کی دشواریوں کا مقابلہ کرتا ہوا۔ بالآخر ۱۲ ستمبر ۱۹۰۱ء کو بمبئی پہنچ گیا۔ میں نے اپنے اعزہ کو بذریعہ تار بمبئی پہنچ جانے کی اطلاع دی۔ سوا دو سال کے بعد میرا یہ پہلا سفر کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔

بشرط زندگی میں اپنے دوسرے سفر کے دلچسپ حالات بھی آئندہ ناظرین کی خدمت میں پیش کروں گا۔ جس میں ملایا سٹیٹ برٹش اور ڈچ بورنیو اور وہاں کے جنگلات کے پورے حالات اور جزیرہ منڈاناؤ اور جزائر فلپائن کے پورے حالات ہوں گے اور اس میں یہ بھی دیکھایا جائے گا کہ ہندوستان کے نوجوان ان ملکوں میں جا کر کن کن طریقوں سے ہزاروں روپیہ پیدا کر سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

خاکسار سید محمد علی شاہ سبزواری

چوک آرہ صوبہ بہار

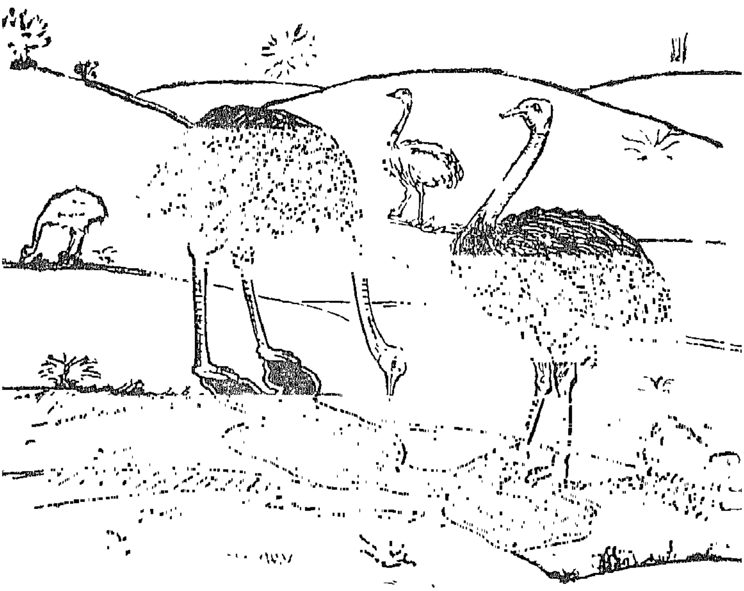
۶۸۶

جن تین بیچاریوں کا ذکر میں نے صفحہ   پر کیا ہے ان کی مصیبتوں کے حالات بالترتیب ذیل میں درج ہیں۔

افریقہ دنیا میں ایک بڑا برا عظم ہے جس میں آباد حصوں سے کہیں زیادہ غیر آباد اور گھنے جنگل ہیں۔ اُف ان بے پناہ جنگلوں میں دنیا کی ہزار ہا آفتیں موجود ہیں اور جنگل کا کوئی وسیع حصہ ایسا نہیں ہے جو ان آفتوں سے خالی ہو۔

بہت سے جنگل ایسے ہیں جن میں صرف بے شمار ہاتھیوں ہی کی آبادی ہے ان میں گینڈے اور جنگلی بھینسے بھی بکثرت رہتے ہیں افریقہ میں دریاؤں اور ان کے کناروں پر ہپپو (دریائی گھوڑے) اور گھڑیال کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں پہاڑوں۔ غاروں اور مرغزاروں میں پرانے سانپ اور بڑے بڑے اژدہا موجود ہیں گوریلا بن مانس افریقہ کا مشہور اور خوفناک درندہ ہے گو یہ افریقہ کے عام جنگلوں میں نہیں۔ بلکہ اندرونی گھنے جنگلوں میں رہتا ہے۔

ان سب کے علاوہ شیر ببر افریقہ کا خاص مشہور و معروف جانور ہے جو ملک کے ہر جنگل میں کثرت سے موجود ہے وہاں معمولی شیر یا ٹیگر نہیں ہوتا۔ صرف شیر ببر پایا جاتا ہے جو غیر معمولی طاقت ور اور زبردست جانور ہے اور جس کو بجا طور پر جنگل کا شہنشاہ کہا جاتا ہے۔ چیتے بھی ہر جنگل میں بکثرت ہیں۔ ریچھ بھی افریقہ میں نہیں ہوتا۔ ان کے علاوہ شتر مرغ۔ زرافہ۔ زیبرا۔ خاص افریقہ کے جانور ہیں یہ دوسرے ملکوں میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ ہرنوں کی اقسام وہاں بہت موجود ہیں اور پرندوں کی بھی بہت کثرت ہے انکی قسموں کا شمار ناممکن ہے۔ وہاں



شتر مرغ .

سے بڑے بڑے سفید اور سرخ طوطے ہندوستان بھی لائے جاتے ہیں۔ گینی فاؤل مرغیاں جو اکثر شہروں میں دیکھنے میں آتی ہیں۔ ان کی نسل بھی افریقہ کے جنگلوں سے لائی گئی ہے۔

صحرائے اعظم اور افریقہ کے بعض جنگلوں میں ایسے جانور بھی پائے گئے ہیں جنکا وجود دنیا کے دوسرے حصوں میں نہیں ہے بعض ان میں نہایت حیرت انگیز ہیں جن میں سے ایک کا ذکر اس مضمون میں آئے گا۔

جنگلی انسانوں کی آبادی بھی ہر جگہ بکثرت ہے۔ ان میں بعض قومیں آدم خور بھی ہیں جو افریقہ کے دور دراز جنگلوں میں رہتی ہیں وہاں تک مہذب انسانوں کا گذر نہیں ہے۔ مشرقی افریقہ میں کلیمانجارو پہاڑ کا مشہور سلسلہ ہے یہ پہاڑ نہایت سرسبز ہے۔ دلکش اور دلفریب مناظر بکثرت ہیں بلند آبشاریں ہیں ندی نالوں کی کثرت ہے اور اس کے گرد و پیش گھنے جنگلوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ ممباسہ سے مغرب کی جانب تقریباً ڈیڑھ سو میل کے فاصلہ سے ان پہاڑوں اور جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور دور تک جرمن مشرقی افریقہ میں پھیلتا چلا گیا ہے۔ (جنگ عظیم کے بعد سے یہ سب علاقے برطانیہ کے مقبوضات میں شامل ہو گئے ہیں) دور سے کلیمانجارو کی دلفریب چوٹیاں نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے گرد جنگلوں میں شکار کثرت سے ہے ہرنوں کی بہت قسمیں ہیں زیبرا، شتر مرغ، زرافہ، چیتے اور شیر ببر بہت ہیں۔ ہاتھی گو اس جنگل میں زیادہ نہیں ہے مگر کہیں کہیں پایا جاتا ہے۔ چونکہ ساحل بحر سے یہ جنگل قریب ہے اس لئے اکثر یورپ اور دیگر ملکوں کے شکاری

وہاں شکار کی غرض سے جاتے رہتے ہیں وہ لوگ ممباسہ سے بوئی اسٹیشن تک ریل میں سفر کرتے ہیں وہاں سے پیدل یا گھوڑے کی سواری پر جنگل تک پہونچتے ہیں۔ خیموں قلیوں اور راشن وغیرہ کا انتظام بھی ممباسہ سے کرتے ہیں۔ قلی اور گھوڑے بوئی سے مل جاتے ہیں۔

کلیمانجارو کے قرب وجوار میں واٹاٹیٹا قوم کے جنگلی آباد ہیں ان کی بستیاں دور تک پھیلی ہوئی ہیں اگر ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ تو وہ اجنبی لوگوں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرتے۔ مرد بالکل ننگے ہیں البتہ عورتیں چمڑے وغیرہ سے ستر پوشی کر لیتی ہیں۔ شیروں اور تیروں سے جنگلی جانوروں کا شکار کر لیتے ہیں اپنے تیز اور نوکیلے دانتوں سے نوچ کر کچا کھا جاتے ہیں۔

ایک عجیب خوفناک درندہ

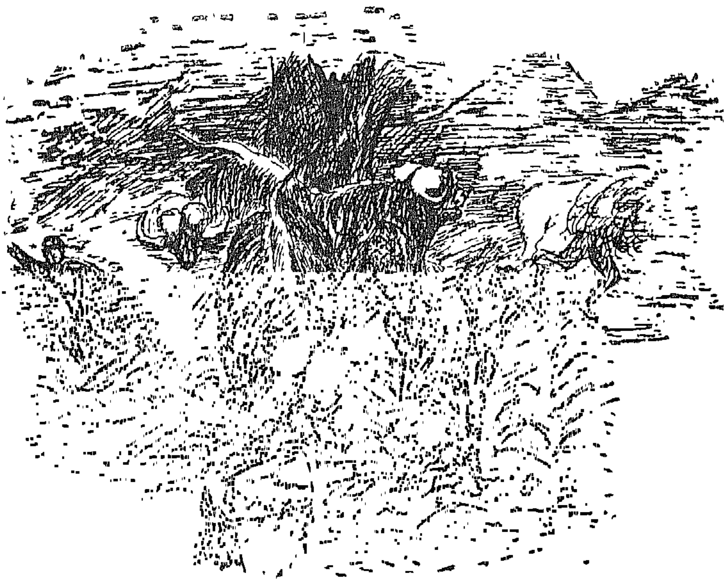
دوپہر کا وقت ہے دن ڈھل چکا ہے دھوپ سخت تیز ہے گرم لو چل رہی ہے درندہ، چرند، پرند سب اپنے اپنے جگہ چھپے ہوئے خاموش پڑے ہیں ایک چڑیا تک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ سارے جنگل پر سناٹے کا عالم ہے

عین اس وقت جلتی ہوئی دھوپ میں ایک نوجوان شخص کلیمانجارو کی بلند چوٹی سے تیزی کے ساتھ نیچے جنگل کی طرف اترتا ہوا دکھائی دے رہا ہے اس کے گلے میں کارتوسوں کی پیٹی ہے ہاتھ میں دونالی بندوق ہے۔ یہ ابھی ابھی پہاڑ کے ایک غار سے باہر نکلا ہے لباس سے یہ ہندوستانی معلوم ہوتا ہے اس پر خطر جنگل میں وہ تنہا ہے لیکن اس کے چہرہ پر کوئی خوف یا گھبراہٹ

کے آثار نہیں ہیں بلکہ اطمینان پایا جاتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص اس جنگل میں نو وارد نہیں ہے جنگل کی زندگی کا عادی ہے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ میں یہ نیچے گھنے جنگل میں پہنچا۔ نشیب میں اور درختوں کے سائے میں پہنچ کر گرمی سے کچھ امن محسوس ہوا۔ یہاں قدرے ٹھنڈک تھی۔ گرم گو نہ تھی۔ قریب کے درختوں سے کچھ پکے ہوئے پھل توڑے اور ندی کے کنارے ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا۔ بندوق اور پیٹی قریب رکھ لئے۔ ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھو کر پھل کھائے۔ ندی کے کنارے گھنے درختوں کے سائے میں جو ٹھنڈک ملی۔ تو طبیعت میں سکون پیدا ہوا۔ ندی کا پانی بلندی سے پتھروں پر زور سے گر رہا تھا۔ جس سے ایک دلکش اور وجد آور آواز پیدا ہو رہی تھی اس آواز سے یہ نوجوان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ بے خود ہو کر پانی کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملا کر گانے لگا۔ اور اس میں ایسا محو ہوا کہ کئی گھنٹے اس کو حال میں گذر گئے۔ شام ہو گئی چار بج گئے۔ اب وہ وہاں سے اٹھا۔ اور اپنے مسکن غار کی طرف واپس روانہ ہوا ابھی اس نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا۔ کہ جنگل میں اس کو ایک غیر معمولی ہنگامہ سنائی دیا جو دم بدم بڑھتا جا رہا تھا آج یہ اس جنگل میں بالکل نئی بات تھی۔ شیروں، چیتوں اور دیگر درندوں کی ہنگامہ خیزیاں تو یہ ہر روز ہی سنتا تھا مگر یہ شور و ہنگامہ اس کے لئے حیران کن تھا۔ حیرت میں غرق کھڑا تھا کہ فوراً ہی اس نے دیکھا کہ ہزاروں کی تعداد میں چھوٹے بڑے بندر بھاگے چلے آ رہے تھے اور بہت سے زمین پر ہیں اور بعض درختوں کے اوپر اوپر چلاتے اور چھلانگتے ہوئے جا رہے ہیں سب بدحواس ہیں یہ مغرب کی طرف سے۔ مشرق کی جانب تیزی سے

جارہے ہیں ابھی انکا سلسلہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ بے حساب ہرن سانبھر زیبرا شتر مرغ وغیرہ لاتعداد جانور اسی طرف سے بھاگتے ہوئے آرہے ہیں خوف اور دہشت ان پر اسقدر غالب معلوم ہوتی ہے کہ سب بدحواسی کے عالم میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کر رہے ہیں ان جانوروں کی یہ بدحواسی دیکھکر نوجوان کے دل پر حیرت کیساتھ خوف بھی طاری ہوگیا۔ اور یہ دل میں سمجھا کہ ان جانوروں پر ضرور شیروں نے حملہ کر دیا ہے اور یہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگے جا رہے ہیں اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے یہ فوراً اپنی بندوق لیکر جلدی سے ایک بڑے درخت پر چڑھ گیا پچیس فیٹ کی بلندی پر پہنچ کر بیٹھ گیا اور حیرت سے ان جانوروں کا تماشہ دیکھنے لگا۔ اس کو یہ یقین تھا کہ شیر ببر ان جانوروں کا پیچھا کر رہے ہیں۔

ابھی اس کو یہاں بیٹھے ہوئے تھوڑے ہی دیر گذری تھی کہ اس نے سخت حیرت سے یہ دیکھا کہ ان جانوروں کے درمیان چیتے اور شیر ببر بھی اسی بدحواسی کے عالم میں بھاگتے چلے آرہے ہیں۔ اور آپس میں انکے اتحاد کی یہ حالت ہے کہ کوئی شیر یا چیتا ان جانوروں پر حملہ آور نہیں ہو رہا ہے انھیں کے درمیان بڑے بڑے سانپ بھی شامل ہیں سب ملے جلے بھاگے جا رہے ہیں۔ اب نوجوان کی حیرت کی انتہا نہ تھی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے اور آج اس جنگل کے جانوروں پر یہ کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے تھوڑی دیر بعد اس کی حیرت اور بھی بڑھ گئی جب اس نے یہ دیکھا کہ بہت سے ہاتھی اور گینڈے دھاڑتے چنگھاڑتے درختوں اور جھاڑیوں کو توڑتے ہوئے اسی طرف بھاگے جا رہے ہیں اور سب کا رخ ایک ہی طرف یعنی مشرق کی جانب ہے اب اس کو یہ خیال ہوا غالباً جنگل میں آگ لگ گئی ہے جس سے یہ سب جانور



جنگلی بھینسے

جنگل چھوڑ کر دوسری طرف بھاگے جا رہے ہیں۔

ابھی یہ اسی حیرانی اور پریشانی میں تھا کہ اس کو ایک قسم کی بو محسوس ہوئی۔ جیسے گیس یا بارود کی بو ہوتی ہے اور یہ بو دم بدم تیز ہوتی جا رہی تھی۔ جس سے اسکا دم گھٹنے لگا۔ جانوروں کی بھاگ دوڑ اب اس کے سامنے سے موقوف ہو چکی تھی اور اس کی ساری توجہ جنگل کی طرف تھی۔ درخت پہ بیٹھا یہ چاروں طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

اب شام ہو چکی تھی۔ آفتاب غروب کے قریب تھا مگر دن کی روشنی ابھی باقی تھی۔ جنگل میں صرف ایک یہی دہشت زدہ انسان درخت پہ بیٹھا خوف سے کانپ رہا تھا۔ تھوڑی دیر گذرنے کے بعد قریب ہی سے ایک ہیبت ناک گرج کی آواز نے اس پر لرزہ طاری کر دیا۔ فوراً بعد اس نے دیکھا کہ تیس چالیس گز کے فاصلے پر اس کے سامنے ایک خوفناک بلا نمودار ہو گئی ہے۔ اس کا رنگ خون کی طرح سرخ تھا دور تک زمین پر پھیلی ہوئی تھی لمبائی میں پندرہ فٹ سے کم نہیں تھی۔ گدھے کے برابر اونچی تھی، اور گدھے کے مانند پاؤں تھے۔ دم بہت لمبی جس کے آخری حصے پر بالوں کا بڑا گچھا تھا۔ منہ اور دانت بہت لمبے نہایت خوفناک تھے جب یہ بلا بالکل سامنے آ گئی تو نوجوان اسکو دیکھتے ہی خوف سے لرز گیا۔ اس کے منہ سے بے اختیار زور کی چیخ نکل گئی۔ بلا نے منہ اٹھا کر اس طرف دیکھا تو نوجوان پر دہشت کا غلبہ اس قدر تھا کہ اس کو اندیشہ ہوا کہ وہ بے قابو ہو کر درخت سے گر نہ جائے مگر اس نے اپنی جان بچانے کے لئے ہمت سے کام لیا۔ اپنی پگڑی سے اپنے آپ کو درخت کی شاخ کے ساتھ مضبوط باندھ لیا۔ جس سے نیچے گرنے کا

اندیشہ نہ رہا۔ بلکہ اس زور سے چیخنا اور شور مچانا شروع کیا کہ تمام جنگل میں لرزہ آگیا
وہ درخت پر کانپ رہا تھا اور بدحواس تھا اس پر بے ہوشی کی سی حالت طاری تھی
اس درندے نے درخت کے قریب پہونچ کر نوجوان کو نیچے گرانے کی کوشش کی۔
آدھ گھنٹہ تک متواتر اوپر کودتے اور درخت پر چڑھنے کی جدوجہد کرتا رہا۔ مگر
کامیاب نہ ہوا۔ وہ جسم کا بھاری تھا بلند جست نہ لگا سکتا تھا اور نہ درخت پر چڑھ
سکتا تھا۔ البتہ آندھی کی طرح تیز دوڑ سکتا تھا۔ آخر اس نے یہ کیا کہ اپنے اگلے دونوں
پاؤں سے درخت کے نیچے ایک گڑھا کھودا۔ اور اس کو اپنے پیشاب سے بھر دیا
اس میں اپنے دم کو اس زور سے گھما کر اوپر کی طرف اچھالا کہ پیشاب کے چھینٹے تمام
درخت پر پڑے اور بہت سے چھینٹے نوجوان کے بدن اور چہرے پر پڑے۔ جن کے پڑتے ہی جسم
میں آگ لگ گئی۔ کپڑا اور بدن جل گیا۔ سفید نشان اور گہرے زخم ہوگئے اب
وہ نوجوان بے ہوش تھا اور نہیں جانتا تھا کہ وہ بلا کب وہاں سے دور ہوئی۔
آدھی رات کے قریب اس کی آنکھ کھلی۔ اس کو ہوش تھا مگر زخموں میں درد
تھا۔ صبح تک بے چینی رہی۔ صبح ہوئی جنگل میں اس نے حسب معمول بندروں
اور دیگر جانوروں کو بولتے اور چلتے پھرتے دیکھا۔ اس کو اطمینان ہوا۔ درخت
سے اترا۔ ندی کے کنارے پہنچا وہاں سے اپنے مسکن کی طرف آہستہ آہستہ روانہ
ہوا۔ پہاڑ کی چڑھائی تھی زخموں میں تکلیف تھی بہت دیر میں وہاں پہنچا اس
نے پہاڑ کے ایک غار کو اندر سے صاف کرکے اپنے رہنے سہنے کے لئے جگہ بنا
رکھی تھی۔ اس میں گھاس کا بستر بنا لیا تھا۔ رات کو غار کے منہ پر بڑا سا پتھر رکھ
کر اسکو محفوظ کر لیتا تھا۔ اب وہ غار کے اندر پہنچ گیا تھا۔ اور غار کو بند کرکے

لپیٹ چکا تھا۔

یہ عجیب و غریب درندہ جو اس نوجوان نے اس جنگل میں پہلی مرتبہ دیکھا کلیمون تھا۔ افریقہ کے خاص خاص جنگلوں میں یہ بہت پایا جاتا ہے صحرائے اعظم کے تنہا جنگلوں میں اکثر ہوتا ہے۔

جنوبی امریکہ میں برازیل کے وسیع گھنے جنگلوں دریائے آمازن کے کناروں پر کہیں کہیں اس سے ملتا جلتا ایک درندہ پایا جاتا ہے جو قد میں اس سے قدرے چھوٹا ہوتا ہے میں نے اس درندہ کو برازیل جنوبی امریکہ کے مشہور شہر و بندرگاہ باہیا BAHIA کے میوزیم میں ١٩١١ء میں مردہ حالت میں دیکھا تھا۔ یہ جانور پہاڑوں کے غاروں میں رہتا ہے۔ ایک یا دو ماہ کے بعد صرف ایک مرتبہ شکار کی غرض سے باہر نکلتا ہے جب یہ باہر آتا ہے تو اس کی بو جنگل میں اتنی پھیل جاتی ہے کہ جنگل کے سب جانور اس کی بو پاتے ہی خوفزدہ ہو کر دور بھاگ جاتے ہیں اپنی خوراک کے لیے یہ بڑے بڑے جانوروں کو مار ڈالتا ہے ہاتھی اور گینڈے بھی اس سے نہیں بچ سکتے۔ ایک مرتبہ پیٹ بھر لینے کے بعد دو ماہ تک غار میں پڑا سوتا رہتا ہے تین سو برس قبل جبکہ پرتگیزوں نے عربوں سے جنگ کے بعد مشرقی افریقہ کے ساحلی حصوں پر قبضہ کیا تھا اسی وقت پرتگیزوں نے اس خوفناک جانور کو پہلی مرتبہ اسی پہاڑ کلیمانجارو کے جنگلوں میں دیکھا تھا۔ اور اسی پہاڑ کے نام کی نسبت سے اس درندہ کو کلیمون کے نام سے موسوم کیا گیا۔ چونکہ یہ جانور انتہائی دور دور گھنے جنگلوں میں رہتا ہے اس لیے عام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ یہ زہریلے اور بڑے بڑے سانپوں کو بھی کھا جاتا ہے۔ اس جانور کی عمر کئی ہزار برس کی ہوتی ہے

نوجوان کے حالات

نوجوان جو اسوقت پہاڑ کے غار میں زخموں کی تکلیف سے پڑا کراہ رہا ہے پنجاب کا رہنے والا ایک سکھ نوجوان ہے۔ اسکی عمر تقریباً ۲۴ برس کی ہو گی۔ اپنا گھر اور وطن چھوڑے ہوئے اسکو تین برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور اس پرخطر جنگل میں رہتے ہوئے ایک سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے۔ یہ اس جنگل اور یہاں کے اور درندوں کی حالت سے بہت کچھ واقف ہو چکا ہے اتنے طویل عرصہ تک ایسے خطرناک جنگل میں ایک انسان کی زندگی تعجب خیز ہے اب وہ اس زندگی کا عادی ہو چکا ہے اس کا مسکن یہ غار پہاڑ کی بلندی پر کھلی ہوئی جگہ میں واقع ہے وہاں تک خونخوار درندوں کا گذر نہیں۔ ہاتھی گینڈے اور شیر ایسے کھلی اور بلند جگہوں تک نہیں جاتے۔ ہاں چیتے کا خوف ضرور رہتا ہے۔ بہت سی قسم کے جنگلی پھل اسکو قریب ہی مل جاتے ہیں۔ البتہ پانی کے لئے اسکو نیچے ندی تک جانا پڑتا ہے۔ وہاں وہ ایسے وقت میں جاتا ہے جبکہ جنگل میں درندوں کا زیادہ خوف نہیں ہوتا۔ یعنی دوپہر کے وقت جب دھوپ کی سخت تیزی کی وجہ سے سب جانور آرام میں ہوتے ہیں شام سے قبل واپس آجاتا ہے۔ اس نے اپنے آرام کے لیئے بہت کچھ سامان کر لیا ہے۔ دھوپ سردی اور بارش کے وقت یہ غار کے اندر رہتا ہے رات کو گرمی کے وقت قریب کے درخت پر جو اس نے مچان بنا رکھا ہے۔ اس پر سوتا ہے جنگل کے بہت سے چھوٹے بڑے بند۔ اس سے مانوس ہو چکے ہیں صبح شام ہر روز ان سے کھیلتا ہے وہ اس کے قریب اور ساتھ بیٹھے رہتے ہیں یہ ایک چھڑی کو اپنے ہاتھ میں لیکر

ان سب کو ایک قطار میں کھڑا کرتا ہے اور ان کو کھیل تماشے سکھاتا ہے وہ بھی اس کے اشاروں پر چلتے ہوئے اس کی نقل کرتے ہیں اس نے سب کے نام پنجابی میں رکھ چھوڑے ہیں جب وہ ان کو محبت کے لہجے میں موتی۔ ہیرا اور سجن وغیرہ ناموں سے پکارتا ہے تو وہ درختوں سے کودتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں وہ سب کو پیار کرتا ہے۔

گوشت کھانے کی عادت اس کو بچپن ہی سے کم تھی۔ اس کے پاس بندوق اور کارتوس موجود تھے جنگل میں ہرنوں اور پرندوں کی کمی نہ تھی۔ مگر یہ ان کا شکار نہیں کرتا تھا۔ جنگلی پھل کھا کر پیٹ بھر لیتا تھا۔ جنگلی لوگوں کی آمد و رفت یہاں تک نہیں تھی۔

اب سنئے کہ یہ نوجوان اس جنگل میں کیونکر پہنچا۔ امر سنگھ اپنے باپ نمبردار کا اکلوتا بیٹا تھا۔ پنجاب میں اپنے گاؤں کے قریب کے اسکول سے اس نے مڈل پاس کیا۔ اس کا باپ اس کو اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتا تھا مگر اس کا دل پڑھنے میں باہر کے ملکوں کے حالات اور کامیاب لوگوں کی زندگیوں کے واقعات پڑھکر اس کے دل میں بلند پروازی کے خیالات پیدا ہو چکے تھے۔ دوسرے ملکوں کی سیر و سیاحت کا شوق اس کو بے چین کئے ہوئے تھا اس پر مزید اضافہ یہ ہوا کہ اس کے اپنے گاؤں کے دو آدمی جو معمولی کسان تھے چند سالوں کے بعد آسٹریلیا سے واپس آئے اور بہت سا روپیہ کما کر اپنے ساتھ لائے۔ گاؤں میں عمدہ پختہ مکان بنوائے۔ زمینداریاں خریدیں۔ ان کی یہ دولت مندی دیکھکر اس کے دل میں بھی سفر کے ولولے پیدا ہوئے۔ مگر افسوس سفر میں جانے کے لئے اس کے پاس سرمایہ نہیں تھا اپنے

والدین سے اس کو ہرگز یہ امید نہ تھی کہ وہ اس کو سفر کی اجازت دیں گے ۔ اس لیے روپے کی امداد بھی ان سے نہیں مل سکتی تھی ۔ عمر اس کی بیس برس کے قریب تھی اچھے قد و قامت کا خوبصورت نوجوان تھا ۔ ماں باپ اس کی شادی کی فکر میں تھے اور یہ گھر سے بھاگ جانے کی فکر میں تھا ۔ اس کے پاس زادِ راہ نہیں تھا نہ اسکو کہیں سے روپیہ ملنے کی توقع تھی ۔ نہایت پریشان تھا ۔ آخر اس نے کسی طرح دس بیس روپیہ کا بندوبست کیا ۔ اور ماہ جون ۱۸۹۶ء میں والدین کی اجازت کے بغیر گھر سے روانہ ہو گیا ۔ اور لاہور پہنچا وہاں اسکو معلوم ہوا کہ افریقہ کے لئے بھرتی ہو رہی ہے ۔ قد اس کا موزوں تھا ریلوے پولیس میں بھرتی ہو کر دوسرے لوگوں کے ساتھ بمبئی پہنچا ۔ وہاں سے جہاز کے ذریعہ ممباسہ کلنڈنی مشرقی افریقہ پہنچ گیا ۔ اور یوگنڈا ریلوے پولیس میں بھرتی ہو گیا ۔ آدمی لکھا پڑھا اور سمجھدار تھا کسی قدر انگریزی سے بھی واقف تھا ایک سال کے بعد ترقی پاکر پولیس کے دفتر میں لے لیا ۔ اپنی قابلیت کی وجہ سے جلد ہر دلعزیز ہو گیا ۔ یہ اس ملازمت پر مطمئن نہیں تھا دنیا کے ملکوں کی سیر کرنا چاہتا تھا ۔ اور تاجرانہ حیثیت سے بہت سا روپیہ کمانا چاہتا تھا ۔ مگر سردست ملازمت کرنے پر مجبور تھا ۔ دفتر کا ہیڈ کلرک اس کا ہم قوم سکھ تھا ۔ مگر وہ بہت چھوٹے خیال کا آدمی تھا وہ اکثر اپنے ماتحت لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا تھا ۔ امر سنگھ اس سختی کو برداشت نہ کر سکا ایک روز اس سے لڑ پڑا ۔ بڑے گھر کا لڑکا تھا ۔ ہیڈ کلرک کی کمینہ روش سے تنگ آ گیا ۔ جب اس نے بڑے بابو کا مقابلہ کیا تو افسران تک اس کی شکایت ہونے لگی ۔ اس کے علاوہ ہیڈ کلرک اس کو ذلیل کرنے

اور تکلیف پہنچانے کا موقع تلاش کرنے لگا۔ آخر دفتر میں چوری کا الزام لگا کر اس کو گرفتار کرا دیا۔ غریب کو تین ماہ کی سزا ہوئی پچیس روپیہ جرمانہ ہوا اور ملازمت سے برخاست ہو گیا۔

سزا بھگتنے کے بعد جب امر سنگھ جیل سے واپس آیا۔ تو وہ ہیڈ کلرک سے اپنی ذلت اور رسوائی کا انتقام لینے کے لیے بے چین تھا وہ اپنے غصے کو ضبط نہ کر سکا۔ اس کا دل انتقام کی آگ سے پھنکا جا رہا تھا۔ ایک روز آدھی رات کے بعد وہ کسی طرح خاموشی کے ساتھ ہیڈ کلرک کے کوارٹر میں داخل ہو گیا وہ سو رہا تھا امر سنگھ نے چھرے سے اس کو سخت زخمی کیا اس کی دونالی بندوق مع کارتوسوں کی پیٹی کے اپنے ساتھ لے کر وہاں سے نکلا۔ اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ہیڈ کلرک چند ماہ ہسپتال میں زیر علاج رہ کر اچھا ہو گیا۔

امر سنگھ وہاں سے فرار ہو کر جنوب مغرب کی طرف چلا گیا۔ دن کو جنگل میں سفر کرتا۔ اور رات کو درختوں پر بسر کرتا ہوا وہ اسی طرح متواتر جنگل میں چل رہا تھا۔ جنگلی پھل کھانے کو اس کو ملجاتے تھے چند روز بعد وہ ایک پہاڑ کے قریب پہنچا وہاں وائیٹا جنگلی قوم کی بستیاں تھیں۔ یہ لوگ مردم خور نہیں ہیں اجنبی لوگوں کے ساتھ ان کا سلوک برا نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ساحل سے قریب تر آباد ہیں۔

شام کا وقت تھا۔ آفتاب غروب ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا کہ امر سنگھ ان جنگلیوں کی بستی میں پہنچا بہت سے جنگلی عورت مرد اس کے گرد جمع ہو گئے۔ جنگلیوں کی زبان وہ نہیں سمجھتا تھا۔ انھوں نے ایک جھونپڑی کی طرف

اشارہ کیا۔ وہ اس کے اندر چلا گیا۔ وہاں فرش پر گھاس بچھی ہوئی تھی۔ اس پر لیٹ گیا۔ جنگلی لوگ بھنے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا لائے۔ اس نے اشارے سے اس کے لینے سے انکار کیا۔ پھر وہ لکڑی کے برتن میں دودھ لائے۔ وہ اس نے لیکر پی لیا۔ رات وہاں گذاری۔

امر سنگھ اپنے دل میں بڑے بڑے ارادے لیکر گھر سے نکلا تھا۔ مگر وہ ان ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس وقت وہ تنہا تھا کوئی ہمدرد ساتھ نہ تھا۔ اگر وہ چاہتا تو یہاں سے قریب جرمنی ساحلی شہروں میں پہنچ جاتا۔ وہاں ملازمت یا کوئی دوسرا کام کر لیتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا وہ زندگی سے بیزار تھا۔ اس نے جنگل ہی کی طرف رخ کیا۔ اس بستی سے نکلا اور کوہ کلیمانجارو کی جانب روانہ ہو گیا۔ دن بھر میں وہ دس بارہ میل سفر کرتا تھا سب سے بڑی مصیبت تنہائی کی تھی۔ اب یہ نہایت پر خطر جنگلوں میں سفر کر رہا تھا۔ اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہے کوئی مددگار یار ہمسفر ساتھ ہوتا تو اس کو پتہ چلتا کہ وہ بہت پر خطر جنگلوں کی طرف جا رہا ہے۔ وہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ بھری ہوئی بندوق اپنے کندھے پر رکھتا تھا۔ ایک روز صبح کے وقت وہ بہت سی جھاڑیوں کے درمیان سے گذر رہا تھا کہ اچانک ایک چیتے کے سر پر پہنچ گیا۔ جس نے ایک ہرن شکار کر کے ابھی کھانا ہی شروع کیا تھا۔ وہ اس کو دیکھتے ہی اپنا شکار چھوڑ کر اس پر کود پڑا امر سنگھ نے بہت دلیری سے اس کا مقابلہ کیا۔ اس پر بھی وہ کافی زخمی ہو گیا۔ بندوق بھری ہوئی ہاتھ میں تھی موقع ملتے ہی دونوں فائر اس پر کر دیئے۔ چیتا گر کر مر گیا تھوڑی دور آگے جا کر جب ایک چشمے کے قریب پہنچا تو اپنے

زخم صاف کر کے باندھے۔ زخموں کی وجہ سے وہ سفر کے قابل نہ رہا تھا۔ ایک بڑے درخت پر چڑھ گیا۔ دن بھر اس پر پڑا رہا۔ رات بھی اسی پر گذاری۔ اگلی صبح کو پھر روانہ ہوا۔ جنگل میں ہر طرف جانور ہی جانور تھے۔ مگر اس نے کسی جانور پر گولی نہیں چلائی۔ دو روز سفر کے بعد وہ کلیمانجارو کے گھنے جنگلوں سے گذرتا ہوا۔ پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر پہنچ گیا۔ یہ مقام اور اس کے ارد گرد کے مناظر اس کو بہت پسند ہوئے وہیں اس نے ڈیرا ڈال دیا۔

امر سنگھ زخمی تھا۔ اور غار کے اندر پڑا تھا۔ زخموں کی وجہ سے تکلیف تھی۔ دو روز تک وہ باہر نہیں نکل سکا۔ کلبیوں کے زہریلے پیشاب کے اثر سے زخم پھول گئے تھے اس کو تیز بخار تھا۔ تیسرے روز وہ اٹھکر باہر آیا۔ ایک درخت کی پتلی شاخیں توڑیں۔ ان میں سے جو سفید دودھ سا نکلا۔ وہ اس نے زخموں پر لگایا۔ صبح و شام یہی دودھ اپنے زخموں پر لگاتا رہا۔ ایک ہفتہ میں اس کے زخم اچھے ہو گئے۔ لیکن انکے گہرے نشان بدن پر اور چہرے پر باقی رہ گئے۔ اس کا چہرہ جل سا گیا تھا جس سے اس کی صورت میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا تھا۔

اس تکلیف اور مصیبت کے بعد اس کو گھر اور وطن یاد آنے لگے۔ اور واپسی کے ارادہ سے جنگل وہاں سے روانہ ہوا۔ کئی روز سفر کے بعد وہ ایک جنگلیوں کی بستی میں پہنچا انھوں نے اس کو ایک بڑے جھونپڑے میں جگہ دی۔ جس میں تین چار کمرے تھے یہ تھکا ماندہ تھا۔ ایک کوٹھری میں گھاس پر لیٹ گیا۔ شام کو اس کو دودھ ملا۔ جو اس نے پی لیا۔

شام ہو چکی تھی۔ سورج چھپنے کے قریب تھا۔ یہ اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ کہ ساتھ والے کمرے سے کسی بیمار آدمی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے خیال کیا کہ کوئی جنگلی آدمی بیمار پڑا ہے اور تکلیف میں ہے۔ آدھ گھنٹہ گذرنے کے بعد بیمار نے کروٹ لی اور زور سے ہندوستانی زبان میں پکارا۔ کوئی مجھے پانی دو۔ میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔ پھر یہی الفاظ سواحلی زبان میں دہرائے امر سنگھ سنتے ہی حیرت زدہ ہو کر اٹھا۔ اور اس کوٹھڑی کی طرف گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ کوٹھری کے اندر گھاس پر ایک ہندوستانی شخص پڑا ہے بہت کمزور اور نحیف ہے چہرہ زرد ہے لب خشک ہیں عمر تقریباً چالیس برس کی ہے دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ بیمار نے نحیف آواز میں پوچھا۔ تم کون ہو اور یہاں کب آئے۔ اور اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ امر سنگھ نے جواب دیا کہ پہلے پانی لا کر آپ کو پلاؤں تب آپ کے پاس بیٹھوں گا۔ بیمار نے ایک گلاس کی طرف اشارہ کیا۔ امر سنگھ گلاس میں پانی بھر لایا۔ اور اس کو پلا کر اس کے قریب بیٹھ گیا تھوڑی دیر کے بعد امر سنگھ نے دیکھا کہ وہ مریض زخمی ہے اس کی پشت پر کئی زخم ہیں وہ کمزوری کی وجہ سے زیادہ بول نہیں سکتا۔ جنگلیوں نے اس کے زخموں پر ایک روغن سا لگا دیا تھا۔ جس سے درد میں کمی تھی۔ امر سنگھ نے تھوڑا دودھ لا کر اس کو پلایا۔ اس کا سر اپنے ہاتھوں سے دباتا رہا۔ مریض کو آرام ملا۔ وہ سو گیا۔ امر سنگھ بھی جا کر اپنی کوٹھڑی میں لیٹ رہا۔ دوسرے دن امر سنگھ نے اس کے زخموں کو صاف کیا اور جنگلیوں کی دوائی ان پر لگائی۔ گرم دودھ پلایا۔ امر سنگھ کی خدمت سے مریض اچھا ہونے لگا۔ دس روز کے بعد وہ

چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ جنگلی لوگ جب صبح کو شکار مار کر لاتے۔ تو امر سنگھ ان سے تھوڑا گوشت لیکر آگ پر بھون لیتا۔ اور دونوں کھا لیتے اب مریض بالکل اچھا تھا۔

ایک روز اس کی درخواست پر امر سنگھ نے اپنے تمام گذشتہ واقعات اس کے روبرو بیان کئے جن کو سن کر مریض بہت متاثر ہوا۔ اور اپنے حالات اس نے یوں بیان کرنا شروع کیا۔

اس نے کہا کہ میں ضلع کرنال پنجاب کا رہنے والا ہوں قوم پٹھان ہوں رحیم خاں میرا نام ہے۔ اپنے قصبے کے بڑے رئیس مرشد علیخاں صاحب کے پاس میں مدت سے ملازم تھا۔ ان کو مجھ پر ہر طرح بھروسہ اور اعتماد تھا عرصہ چار ماہ کا ہوا کہ مرشد علی خاں حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ شکار کا ان کو بے حد شوق تھا افریقہ کے جنگلوں میں شکار کی تعریف وہ ہمیشہ سنتے آ رہے تھے ان کی دلی تمنا تھی کہ کبھی ان کو بھی وہاں جنگلوں میں شکار کا موقع ملے۔ روانگی سے قبل ان کا ارادہ ہوا کہ حج سے فارغ ہو کر تھوڑے عرصہ کے لئے افریقہ کے جنگلوں میں شکار کا لطف حاصل کیا جائے۔ اسی غرض سے انھوں نے اپنے ہمراہ لیجانے کے لئے مجھ کو تجویز کیا۔ اس لئے کہ میں ہمیشہ شکار میں ان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ ہم بمبئی سے روانہ ہو کر جدہ میں جہاز سے اترے۔

حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ گئے۔ جدہ واپس آئے وہاں سے جہاز کے ذریعہ ہم ممباسہ پہنچے چند روز وہاں قیام کیا۔ ایک سواحلی رہبر شکاری کا انتظام کیا۔ ضروری سامان اور خیمہ بھی خریدا گیا۔ تیاری کے بعد وہاں سے

ریل میں سوار ہو کر بوئی اسٹیشن پہنچے جو ممباسہ سے ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے وہاں سے خانصاحب کی سواری کے لئے ایک گھوڑا خریدا۔ اور تین قلی بوجھ اٹھانے کے لئے ساتھ لے لئے۔ کئی روز متواتر سفر کے بعد ہم سب اسی گاؤں میں آئے جہاں آج ہم دونوں موجود ہیں۔ اس وقت بھی ان جنگلیوں نے ہم کو آرام دیا تھا۔ ٹھہرنے کو جگہ دی اور دودھ مہیا کرتے رہے۔ تقریباً پچاس میل یہاں سے اوپر پہاڑ کی جانب پہنچ کر ہم نے جنگل میں کیمپ کر دیا۔ شتر مرغ۔ زیبرا۔ اور ہرن بہت شکار ہوئے۔ دو چیتے بھی مارے۔ ان جنگلوں میں شکار کی اس قدر کثرت دیکھکر ہمارے خان صاحب بہت محظوظ ہوئے۔

اب ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ افریقہ کے جنگل میں پہنچکر شیر ببر اور گینڈے کا شکار بھی ضرور کیا جائے۔ اس خیال کی تکمیل کے لئے دس بارہ میل جنگل میں اور بڑھ گئے۔ وہاں رات کو خیمے کے اندر سونا خطرے سے خالی نہ تھا۔ قریب کے درختوں پر مچان بنائے گئے۔ رات بھر شیروں کے دھاڑنے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ رات گذر گئی صبح ہوئی ناشتہ سے فراغت کے بعد خانصاحب گھوڑے پر سوار ہوئے۔ میں اور سواحلی شکاری مع بندوقوں کے ان کے ہمراہ تھے دو تین میل کے بعد جنگل میں لمبی گھاس میلوں تک تھی جس میں بڑی قسم کے ہرن زیبرا بکثرت تھے۔ زرافے بھی گاہے گاہے دکھائی دیتے تھے۔ چونکہ آج بڑے شکار کی تلاش تھی۔ ان پر گولی نہ چلائی گئی۔ خان صاحب اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے اپنی دوربین سے چاروں طرف نگاہ دوڑا رہے تھے۔ مگر شیر یا گینڈے کا پتہ نہیں تھا۔ شیروں کے نشانات ہر جگہ تھے شام کو واپسی میں ایک بڑے ہرن کا

شکار کیا۔ اٹھوا کر کیمپ لائے۔ شام کے کھانے کے بعد مچانوں پر پہنچ گئے۔
رات اندھیری تھی۔ دس گیارہ بجے تک تمام جنگل میں کامل سناٹا تھا آدھی رات کے
بعد شیر کے بولنے کی آواز آنے لگی۔ رات کے سناٹے میں اس کی ہیبت ناک گرج
سے جنگل میں زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ایک گھنٹہ کے بعد وہ خاموش ہو گیا
سب لوگ سو گئے دو بجے کے قریب زور کے دھماکے کی آواز سے سب کی آنکھ
کھل گئی۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں معلوم ہوا کہ شیر نے گھوڑے کو مار ڈالا
ہے۔ اندھیرے کی وجہ سے صاف دکھائی نہ دیتا تھا۔ دن کی روشنی ہوتے پر سب
نیچے آئے۔ گھوڑا مر چکا تھا۔ بہت کم حصہ اس کا کھایا گیا تھا گذشتہ شام جو ہرن
شکار کیا گیا تھا۔ وہ سالم گھوڑے کے قریب پڑا رہا۔ شیر نے اس کو چھوا
تک نہیں (شیر خود شکار کئے بغیر نہیں کھاتا ہے) اس روز دن بھر شکار نہ ہوا
جب رات ہوئی تو ہم اپنے مچانوں پر اس خیال سے جاگتے رہے کہ شاید شیر
اپنے شکار کو کھانے کے لئے دوبارہ آئے۔ مگر وہ نہیں آیا۔ رات بھر کے جاگے
ہوئے تھے دوسرے دن دیر تک پڑے سوتے رہے۔

اگلے دن صبح ہی خاں صاحب نے یہ کہا کہ آج آخری کوشش کی جائے۔
شاید جنگل میں شیر پر گولی چلانے کا موقع ملجائے۔ وہ ہم دونوں کو ساتھ لیکر
شکار کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستے میں ہم کو دو جنگلی ملے۔ انھوں نے بتلایا کہ
سامنے چھوٹی پہاڑی کے دوسری طرف کئی شیر اور ان کے ساتھ بچے دیکھے گئے ہیں
یہ سن کر خاں صاحب بہت خوش ہوئے۔ تیز قدمی سے اس جانب روانہ ہو گئے
ایک گھنٹہ میں ہم وہاں پہونچے۔

ایک جگہ درختوں کے درمیان بلند مقام پر کھڑے ہو کر خان صاحب نے دوربین سے دیکھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں ان کو معلوم ہو گیا کہ کچھ فاصلہ پر لمبی گھاس کے درمیان چند شیر موجود ہیں۔ ان کو دیکھتے ہی خان صاحب کی حالت کچھ عجیب سی ہو گئی۔ ان کے چہرہ پر کچھ گھبراہٹ کے آثار نمایاں ہو گئے۔ حالانکہ اسی شکار کا شوق ان کو یہاں تک لایا تھا۔ وہ دل کے بڑے قوی اور دلیر تھے ہندوستان میں وہ ہمیشہ مچان پر سے شیر پر گولی چلاتے تھے لیکن اس زبردست اور خونخوار جانور کے سامنے ہم پیدل تھے۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر ہم آگے بڑھے۔ ایک بلند جگہ پتھروں کے درمیان پہنچ کر ہم رک گئے۔ وہاں سے شیر صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اس وقت وہاں ہمارے سامنے صرف دو جانور تھے ایک شیر نر تھا جو کھڑا تھا دوسری مادہ تھی جو قریب لیٹی ہوئی تھی۔ تقریباً دو سو گز کا فاصلہ تھا۔ ہم محفوظ جگہ پر ہاں تھے۔ میں نے خان صاحب سے عرض کی کہ ایسی غیر محفوظ اور کھلی جگہ سے شیر پر فائر نہ کیا جائے بلکہ اس وقت شکار ملتوی کر دیں اور کسی دوسرے وقت کا انتظار کریں۔ خان صاحب کو اپنے نشانہ کا پورا بھروسہ تھا۔ میرے عرض کرنے کا کچھ خیال نہ کیا بلکہ یہ جواب دیا کہ تم دونوں تیار کھڑے رہو۔ میں نر پر جو سامنے کھڑا ہے گولی چلاتا ہوں اگر فائر کے بعد وہ ادھر کا رخ کرے۔ تو تم گولیوں سے اس کو روکو۔ میں اصرار نہ کر سکا۔ خاموش رہا۔ حالانکہ یہ طریقہ اس خونخوار جانور کے مقابلے میں بالکل غلط تھا۔ مگر مقدر کو کون مٹا سکتا ہے۔ آخر خان صاحب نے اپنی میگزین رائفل اٹھائی۔ نر کے سینہ کا نشانہ لیکر فائر

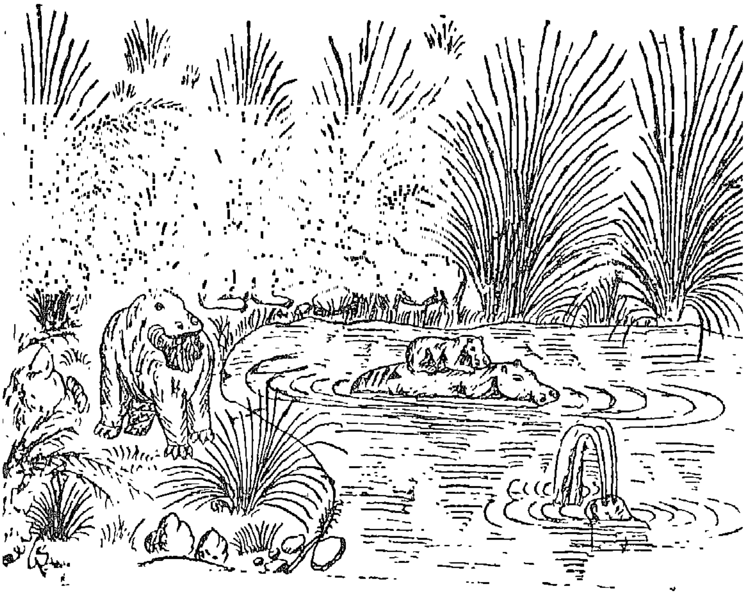
کر دیا۔ شیر زخمی ہو گیا اور غضبناک ہو کر ایک تیز جست کے ساتھ ہماری طرف لپکا۔ میں نے اور سواحلی نے اس پر گولیاں چلائیں۔ اس کی رفتار اس غضب کی تیز تھی کہ گولیاں اس کو نہ لگیں۔ اب ہم تینوں موت کے منہ میں تھے۔ کوئی درخت ہمارے قریب نہ تھا جس پر چڑھ کر اپنی جان بچاتے۔ ہم خوف سے بدحواس ہو کر بھاگے۔ خونخوار درندے نے ایک ہی جھٹکے میں پہلے سواحلی کے ٹکڑے کر ڈالے۔ وہ ختم ہو گیا۔ بھاگتے ہوئے میری پشت پر اس زور کا تھپیڑ لگا کہ میں اڑ کر دور کھائی میں جا گرا۔ گہرائی اور گھاس کی وجہ سے میں شیر کی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔ میری پشت اور گردن زخمی تھی۔ بے انتہا دہشت کی وجہ سے بے ہوشی کا عالم طاری تھا۔ اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا تھا۔ پسینے میں تر ہو رہا تھا جب تھوڑی دیر گذر گئی۔ تو میرے حواس قدرے درست ہوئے۔ میں اٹھا کھائی سے باہر آیا۔ میری بندوق کچھ فاصلہ پر پڑی تھی اس کو اٹھایا۔ سواحلی کو دیکھا تو وہ گوشت کا ایک لوتھڑا سا ہو کر رہ گیا تھا۔ زمین دور تک خون سے تر تھی۔ جمال صاحب کا کہیں پتہ نہیں لگا۔ وہ کیا ہوئے۔ یقیناً شیر ان کو اٹھا کر لے گیا اور وہ بھی ختم ہو گئے۔ کچھ فاصلہ پر ان کی رائفل پڑی ہوئی تھی۔ اور خون کے بے شمار دھبے نظر آئے۔ مجھے زخموں کی وجہ سے بہت تکلیف تھی۔

آہستہ آہستہ میں کیمپ کی جانب روانہ ہوا۔ تین چار گھنٹے میں وہاں پہنچا رات وہاں گذاری۔ دوسرے دن صبح قلیوں کو ساتھ لیکر وہاں سے روانہ ہوئے گو میری حالت سفر کے قابل نہ تھی مگر کیا کرتا مصیبت سے تیسرے روز اس گاؤں میں پہنچا۔ ان جنگلیوں کی دوا سے اور تمہاری خدمت سے میرے زخموں

کو فائدہ ہوا۔ اب میں بالکل اچھا ہوں اور سفر کے قابل ہوں۔

حقیقت میں یہ دونوں مصیبت زدہ تھے۔ موت کے منہ سے بچکر آئے تھے۔ دونوں کی حالت یکساں تھی اس لیئے قدرتاً ان کو آپس میں کافی محبت تھی۔ اب ان کا ارادہ وطن کی واپسی کا تھا۔ چنانچہ یہ اس ارادہ سے ساحل کی طرف روانہ ہوکر مختلف مقامات پر جنگل میں قیام کرتے ہوئے کچھ عرصہ کے بعد سمندر کے کنارے شہر ٹانگا میں پہونچے یہ شہر اس وقت جرمن کے قبضہ میں تھا۔ رحیم خاں کے پاس کچھ نقدی موجود تھی۔ مگر اس قدر نہ تھی کہ اس سے دونوں واپس وطن پہنچ سکتے۔ رحیم خاں کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ امر سنگھ کو تنہا چھوڑ کر خود چلا جائے۔

ایک ماہ متواتر ٹانگا میں ملازمت کے لیئے کوشش کرتے رہے تا کہ زاد راہ مہیا ہوسکے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پھر ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ زنجبار بڑی جگہ ہے وہاں ضرور ملازمت کا بندوبست ہوجائے گا۔ وہ دونوں زنجبار کو روانہ ہوگئے۔ مارچ سنہ ۱۹۰۰ء کا وسط تھا جب یہ زنجبار میں پہنچے تھے۔ میں خود (مصنف خوفناک دنیا) اپنے جنگلات کے سفر سے کامیاب واپس نزولی ہوتا ہوا جب اگست سنہ ۱۹۰۰ء میں زنجبار پہنچا۔ تو اس وقت ان دونوں کو وہاں پہنچے ہوئے پانچ ماہ کے قریب گذر چکے تھے بیکاری میں جو کچھ ان کے پاس نقد تھا وہ ختم ہوچکا تھا۔ وہ تنگ حال تھے۔ وہ مجھ سے ملے ان کے حالات سن کر مجھے نہایت صدمہ ہوا جس طریقہ سے میں نے ان کی مدد کی وہ میں زنجبار کے قیام میں لکھ چکا ہوں۔



هپو پوٹامس

ضمیمہ نمبر ۲

براعظم افریقہ کے دہشت ناک جنگل خونخوار درندوں اور وحشی انسانوں سے بھرے پڑے ہیں کوئی گھنا جنگل ان سے خالی نہیں ہر قسم کے درندے ہاتھی. گینڈے شیر ببر چیتے. ہپوپوٹامس گوریلا بن مانس. بھیڑیے. اژدہا. وغیرہ وغیرہ بے شمار ہیں لیکن ان سب میں انسان نما درندے سب سے زیادہ خطرناک ہیں. درندوں سے کسی نہ کسی طرح جان بچائی جا سکتی ہے. مگر ان وحشیوں سے جان بچانا ناممکن ہے وہ شیروں اور ہاتھیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ ان انسانی درندوں کی شکلیں نہایت خوفناک ہیں. سیاہ فام. قوی ہیکل اور بالکل ننگے. افریقہ کے دور دراز گھنے جنگلوں میں وہ رہتے ہیں ان کی زندگیاں ہمیشہ درندوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں ہر قسم کے جانوروں کو وہ اپنے نیزوں اور تیروں سے شکار کرتے ہیں اور چیر پھاڑ کر اپنے تیز دانتوں سے نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔

افریقہ کے گھنے جنگل ہزاروں لاکھوں مربع میل کے رقبوں میں پھیلے ہوئے ہیں بہت سے بلند پہاڑ ہیں جن کی بلند چوٹیاں ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہیں ان پہاڑوں میں بے شمار دلفریب اور خوشنما مناظر اور آبشاریں ہیں تند اور تیز رو دریا ہیں جن کے کناروں پر خطرناک دلدلیں ہیں یہ مقامات ایسے ہیں جہاں آج تک کسی انسان کا قدم نہیں گیا جنگلی جانور بھی عجیب و غریب قسم کے یہاں پائے جاتے ہیں جو دنیا کے دوسرے حصوں میں نہیں ہیں جن میں سب سے

زیادہ کلموں قابلِ ذکر ہے یہ خوفناک درندہ تقریباً پندرہ فیٹ تک لمبا ہوتا
ہے اور تین فیٹ کے قریب اونچا۔ منہ اس کا بہت لمبا اور تیز لمبے دانت بھیڑیے
کی طرح ہوتے ہیں تقریباً دس فیٹ لمبا گچھے دار دم اور رنگ گہرا سرخ ہوتا
ہے یہ عجیب قسم کا جانور نہایت خطرناک ہوتا ہے یہ ہاتھی اور شیر ببر بھی اس کے
خوف کھاتے ہیں اس کی بو پاتے ہی بھاگ جاتے ہیں ان جنگلوں میں گوریلا بن مانس
بھی بہت خطرناک درندہ ہے اس کا قد چھ فیٹ تک اونچا ہوتا ہے اس کے علاوہ
افریقہ کے ان جنگلوں میں پرندوں کی بے حساب قسمیں ہیں۔ گنی فاؤل مرغیاں جنگل
میں بکثرت ہیں اور چھوٹے بڑے قسم کے سانپوں کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔ ایسے
پُرخطر جنگلوں میں انسانوں کی آبادی بھی ہے اس میں شک نہیں کہ ان کی شکل صورت
ضرور انسانوں کی سی ہے لیکن درحقیقت وہ انسان نہیں بلکہ خونخوار درندے ہیں
یہ گھنے جنگلوں میں رہتے ہیں اور اپنی حدود سے باہر نہیں جاتے۔ ان کو دنیا میں
اپنے سوا دوسرے بسنے والوں کی کچھ خبر نہیں ہے۔ ان کی ضروریات زندگی بہت
محدود ہیں کپڑے کی ان کو ضرورت نہیں۔ خوراک کیلئے ان کے گرد بیش
جنگلی جانوروں کی کمی نہیں۔ جنگلی پھل ان کو بہت ملتے ہیں درختوں کی جڑیں بھی
کھاتے ہیں۔ مکئی کے بھٹے۔ شکر قند۔ جنگلی کیلے خودرو ملجاتے ہیں۔ یہ اپنی جھونپڑیاں
گھاس اور پتوں سے بنالیتے ہیں۔ ان میں ہر خاندان اور کنبے کے لوگ الگ الگ
جنگلوں میں دور تک آباد ہیں۔ ان انسانوں کے متعلق سب سے زیادہ عجیب
بات یہ ہے کہ یہ اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کو کھانے سے دریغ نہیں کرتے
اپنی خوراک کے لئے وہ دوسرے گروہ کے لوگوں کو پکڑ لاتے ہیں اور پھر ان کا

گوشت بڑے مزے لے لیکر کھاتے ہیں یہ ان کی بہترین غذا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اکثر وحشی اپنے بیماروں اور مردوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔

مرد بالکل ننگے رہتے ہیں۔ عورتیں ستر پوشی کے لئے ذرا سا چمڑہ لپیٹ لیتی ہیں۔ ہر خاندان میں جو عورت یا مرد عمر میں بڑا ہوتا ہے وہ سردار مانا جاتا ہے سب اس کی تعظیم کرتے ہیں۔

لیکن افریقہ کی تمام جنگلی قومیں آدم خور نہیں ہیں۔ وہاں جنگلوں میں لاتعداد قومیں آباد ہیں جن میں آدم خور وہی ہیں جو انتہائی دور جنگلوں میں رہتی ہیں اور جن کو انسان کے بجائے حیوان کہنا زیادہ موزوں ہے۔ ان آدم خور انسان نما حیوانوں کے علاوہ افریقہ کی دوسری قوموں میں ایک خاص تنظیم پائی جاتی ہے۔ ان میں ہر ایک اپنے سردار کے ماتحت ہے بیاہ شادی میں سب لوگ جمع ہوتے ہیں، ناچ گانے کے جلسے رچائے جاتے ہیں ان کی زندگی توہم پرستانہ رسومات سے لبریز ہیں۔ البتہ ان کے کام نہایت سادہ ہیں۔ مذہب کے نام سے وہ لوگ واقف نہیں ہیں اور نہ وہ اس سے واقفیت رکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی مہذب قومیں بھی آباد ہیں یا دنیا کس قدر وسیع ہے۔ وہ اپنے محدود خطہ کو ہی دنیا تصور کرتے ہیں۔

زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ دنیا ہمیشہ ترقی کرتی رہی۔ قوموں میں انقلاب رونما ہوئے ان کی زندگیاں بدل گئیں مگر ان جنگلی قوموں کی حالت نہ بدلی۔ دو ہزار برس قبل جو ان کی حالت تھی۔ آج بھی بالکل وہی ہے ان میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ البتہ جو جنگلی قومیں افریقہ کے مشرقی اور مغربی

ساحلوں کے قریب آباد ہیں انکی حالت رو بہ اصلاح ہے ان میں اکثر تبدیلیاں ہوئیں ۔ عیسائی تبلیغی مشن کی کوشش ان میں کامیاب رہی ان میں انسانیت پیدا ہوئی وہ لباس کے عادی ہوئے ۔ کچھ کام کاج کرنا بھی سیکھا ۔ مگر انتہائی دور دراز جنگلوں میں رہنے والے وحشی لوگوں کی حالت اس سے بالکل جداگانہ ہے

چالیس برس قبل جبکہ مشرقی افریقہ میں یوگنڈا ریلوے تیار ہو رہی تھی ۔ اس زمانہ میں وہاں شیروں ہاتھیوں اور اکثر جنگلی لوگوں نے سیکڑوں ہندوستانی خاص کر پنجابیوں کا نقصان کیا ۔

عام طور پر دنیا کے لوگ ان جنگلی قوموں کے حالات سے واقف نہیں ہیں وہ دنیا کے بسنے والوں سے بالکل الگ تھلگ ہیں ان کی دنیا ہی دوسری ہے لوگوں کو ان کے حالات سے واقفیت کیونکر ہو جبکہ ان کی رہائش دور دراز جنگلوں میں ہے وہاں تک کسی مہذب انسان کا گذر نہیں ہے اور اگر کسی نے وہاں پہونچنے کی کوشش کی بھی تو وہ زندہ واپس نہ آیا ۔ اکثر یورپ کے لوگوں نے غباروں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ اور پیدل صحرائے اعظم کے بے پناہ جنگلوں میں سفر کی کوشش کی ۔ مگر کامیاب نہ ہو سکے ۔ ۱۸۰۱ء میں فریڈرک نامی ایک پرتگیزی نے اپنے دو دوستوں کے ہمراہ ایک غبارے کے ذریعہ پرواز کی ۔ اور بہت مشکلات کے بعد افریقہ کے انتہائی دور دراز جنگلوں میں پہنچ گیا مدت تک وہ اور اس کے ساتھی جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے رہے ۔ وحشیوں اور درندوں سے بچتے ہوئے ۔ وہاں کے حیرت انگیز حالات دریافت کرتے رہے بے شمار عجائبات نباتات اور معدنیات کے خزانے ڈھونڈ نکالے ہوتے

ہیرے اور زمرد کی کانیں معلوم کیں۔ لیکن ان بے بہا دولت کے خزانوں سے
وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ ہر آن ہر لحظہ ان کے سامنے جان کے خطرے
کا سوال تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی دلیری اور ہمت بے حد قابل داد ہے
مگر اس قسم کا کام خودکشی ہے دیدہ دانستہ اپنے کو ہلاکت میں ڈال دینا ہے ان پُرخطر
جنگلوں میں جہاں بے حساب آفتوں کا سامنا ہے کسی انسان کا وہاں سے زندہ
سلامت بچ آنا ناممکن ہے۔ آخر فریڈرک اور اس کے ساتھیوں کا بھی یہی
حشر ہوا۔ وہاں ان کی بسر اوقات زیادہ تر جنگلی پھلوں پر تھی۔ ایک روز وہ بلند
پہاڑ کے ایک پوشیدہ مقام پر شکار کا گوشت آگ پر بھون رہے تھے وہاں
سے دھواں نکلتا ہوا دیکھ کر جنگلی لوگ وہاں پہنچ گئے۔ اس وقت فریڈرک
کا ایک ساتھی پانی کی تلاش میں جا چکا تھا۔ وہ تو بچ گیا۔ مگر باقی دو جنگلیوں کے
ہاتھوں جان سے مارے گئے۔ جنگلی ان دونوں کو کھا گئے۔ تیسرا ساتھی اپنی جان
بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ کئی برسوں کے بعد وہ واپس وطن پہنچا۔

ایک اندھیری رات میں جبکہ چاروں طرف سناٹے کا عالم تھا۔ آسمان پر
بادل گھرے ہوئے تھے۔ کچھ کچھ بوندیں بھی پڑ رہی تھیں۔ گاہے گاہے آسمان پر
بجلی چمک جاتی تھی رات کے ۸ یا ۹ بجے کا وقت تھا۔ ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا
چھایا ہوا تھا۔

ایک ہولناک وقت میں ایک پہاڑی کے قریب ندی کے کنارے
چند جھونپڑیوں کے سامنے میدان میں بڑی بڑی لکڑیوں کا ڈھیر جل رہا
ہے اس کے گرد دیو ہیکل انسانوں کا مجمع ہے۔ مردوں کے درمیان عورتیں

اور بچے بھی ہیں ان کا پورا خاندان جمع ہے۔ جنگل میں ان کا شور و ہنگامہ دور تک سنائی دیتا ہے۔ خوشی میں وہ لوگ آگ کے گرد ناچتے کودتے ہیں کسی بڑے جشن کی تیاری معلوم ہوتی ہے یہ لوگ کس قدر آزاد اور بے فکر ہیں۔ اس اندھیری رات میں آگ کی روشنی دور تک پھیل رہی ہے ایک طرف کچھ فاصلے پر بہت سے بڑے بڑے درخت کھڑے ہیں آگ کی روشنی میں وہ درخت صاف نظر آ رہے ہیں ۔ وہاں نظر پہنچتے ہی ایک دردناک نظارہ پیش نظر ہو جاتا ہے ۔ ان درختوں کی شاخوں سے بہت سے انسان بندھے ہوئے لٹک رہے ہیں جن کو یہ جنگلی آج ہی اپنی خوراک کے لئے پکڑ لائے ہیں اور ان کو آگ پر بھون کر کھانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ بدنصیب لوگ پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ ان ہی کی پگڑیوں سے ان کو جکڑ کر درختوں میں لٹکا دیا گیا ہے۔ یہ بے بس کل چھ آدمی ہیں جن میں دو سکھ نوجوان ہیں ۔ ایک ہندو اور تین مسلمان ہیں۔ ان تین مسلمانوں میں ایک ۱۸ برس کا نوجوان لڑکا ہے ـــ آخر یہ لوگ اس دور دراز جنگل میں کیسے پہنچے ؟

مستری امام الدین ضلع جھنگ پنجاب کا رہنے والا تھا۔ آدمی دلیر اور جسم کا مضبوط و تندرست تھا۔ لاہور سے بھرتی ہو کر بمبئی سے جہاز کے ذریعہ ممباسہ اور وہاں سے نیروبی پہنچا۔ اس کا بیٹا سردار محمد بھی اس کے ہمراہ تھا اپنے معاہدہ کے تین سال اس نے نیروبی ریلوے ورکشاپ میں پورے کئے۔ باپ اور بیٹا ملکر ۷۰ یا ۸۰ روپے ماہوار کما لیتے تھے۔

کچھ دن کے لئے کچھ روپیہ گھر بھیجتے رہے اور باقی روپیہ اپنے ساتھ وطن لے جانے کے لئے جمع کرتے رہے۔ راشن ان کو سرکار ہی ملتا تھا۔ دو سال خیریت اور کامیابی سے گذر گئے۔ تیسرے سال بری صحبت میں پھنس کر امام الدین کو جوا کھیلنے کی لت لگ گئی۔ آدمی بہت بھلا اور نیک تھا مگر جب کسی کے دن خراب آتے ہیں تو اس کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں جو کچھ روپے اس نے جمع کئے تھے وہ سب چند روز کے اندر جوئے کی نذر ہو گئے۔ ہر مہینہ جو کچھ وہ کماتا جوئے کی نذر کر دیتا۔ تین سال پورے ہو گئے۔ کارخانہ سے اس کی چھٹی مل گئی۔ اب وہ نہایت پریشان تھا۔ وہ پردیس تھا وطن واپس جانے کے لئے بے چین تھا۔ مگر وطن جائے کیسے روپیہ پاس نہیں جو کچھ تھا وہ برباد کر چکا تھا۔ روپیہ کے بغیر وہ کوئی دوسرا کام بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اب کرے تو کیا کرے۔ ہر طرح مجبور و لاچار تھا نیروبی میں پنجابیوں کی کثرت تھی۔ اور ہر شخص کے پاس روپیہ تھا۔ وہاں چند جوئے کے اڈے قائم ہو گئے۔ ایک پنجابی مستری نے چند ہی روز میں پانچ ہزار روپیہ جوئے میں جیت لئے۔ یہی لالچ امام الدین اور بہت سے لوگوں کی بربادی کا باعث ہوا۔ صرف امام الدین ہی تنہا اس پریشانی میں مبتلا نہ تھا بلکہ بہت سے اس کے ہموطن جوئے کی بدولت اپنا سرمایہ کھو کر حیران اور پریشان تھے۔ یہ سب کے سب آوارہ گرد اور بیکار پھر رہے تھے۔ آخر وہ اس زندگی سے تنگ آ گئے۔ سب نے ملکر یہ مشورہ کیا کہ ہاتھی دانت کی تلاش میں جنگلوں کا سفر کیا جائے۔ دو چار مہینے سفر

میں گذار کر وہاں سے ہاتھی دانت اور گینڈے کے سینگ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر کامیاب ہو گئے تو واپس وطن پہونچ جائیں گے۔ اگر جنگلوں میں مارے گئے۔ تو اس تکلیف کی زندگی سے رہائی مل جائے گی۔ اگر قسمت نے ساتھ دیا تو جنگلوں میں سے ہزارہا روپیہ کا سامان مہیا ہو جائیگا تجربہ کار لوگوں نے ان کو اس ارادہ سے منع کیا، اور تمام خطرات سے آگاہ کیا مگر وہ اپنی دھن سے باز نہ آئے۔ وہ شروع زمانہ تھا اس زمانہ میں جنگلوں پر زیادہ پابندیاں نہیں تھیں۔ دور دراز کے جنگلوں سے ہاتھی دانت اور گینڈے کے سینگ جیسی قیمتی اشیا اکثر ملجاتی تھیں۔ بہت لوگوں نے اپنی زندگی کو خطروں میں ڈال کر فائدے حاصل کئے۔

جب امام الدین اور اس کے ساتھی سفر میں جانے کا فیصلہ کر چکے تو ان کے پاس جو سامان تھا۔ انھوں نے فروخت کر ڈالا اور اس روپیہ سے جنگل کے سفر کی تیاری شروع کی ضروری سامان خریدا گیا۔ امام الدین شکار کا شوق تھا ٹوپی دار ایک نالی بندوق اس کے پاس موجود تھی اس نے کسی نہ کسی طرح کارتوسی ایک نالی بندوق بھی خرید لی ان کی پارٹی میں ایک سکھ نوجوان لابھ سنگھ پڑھا لکھا آدمی تھا وہ ہسپتال میں کمپونڈر رہ چکا تھا۔ بندوق وہ بھی چلا لیتا تھا کچھ دوائیں بھی ساتھ لے لیں۔ ہلکے بستر لئے کھانے کا سامان جس قدر وہ لیجا سکتے ساتھ لیا۔ نیروبی سے ٹکورونک (یوگنڈا کی طرف) ریل میں سفر کیا گیا۔ وہاں سے انھوں نے دوسرے دن شمال مغرب کی طرف رُخ کیا اور کوہ آلگن کی جانب پیدل روانہ ہو گئے۔ امام الدین اور اس کے بیٹے کے علاوہ اس پارٹی میں

تین مسلمان اور تھے ایک ہندو۔ اور تین سکھ تھے۔ یہ سب نو آدمی تھے آپس میں ان کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ کہ جو کچھ جنگلوں میں سے ملے گا اس کی قیمت وصول ہونے پر سب میں برابر کا حصہ تقسیم کیا جائے گا۔

دن کو وہ پیدل سفر کرتے اور رات کسی محفوظ جگہ یا درختوں پر گذارتے پہاڑ دریا ندی نالے اور دشوار گذار راستوں کو طے کرتے ہوئے یہ سب چلے جا رہے تھے۔ خوراک کے لئے ہرن یا دیگر جانوروں کا شکار آسانی سے کر لیتے۔ ایک ہفتہ سفر کے بعد شام کے وقت یہ ایک بستی کے قریب پہونچے یہ بستی عیسائی جنگلیوں کی آبادی تھی۔ یہ جنگلی اس پارٹی کے ساتھ دوستانہ پیش آئے۔ اس پارٹی نے بستی کے باہر ایک جگہ درختوں کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔ ہرن کا شکار کیا گیا۔ جنگلیوں کا مجمع دیر تک ان کے گرد جمع رہا۔ یہ نئے لوگ ان کے لئے تماشہ تھے۔ ان کی شکلیں ان کا لباس اور ان کے پگڑیوں کو حیرت سے دیکھتے تھے۔ ان کے لئے یہ ایک عجیب منظر تھا کئی روز متواتر پیدل سفر کی وجہ سے یہ سب بہت تھک گئے تھے۔ دو روز ان کا قیام رہا دوسرے دن بعد دوپہر انھوں نے لنگوٹ باندھ کر ورزش اور کشتی کے اکھاڑے جمائے جنگلی عورتوں مردوں اور بچوں کا ہجوم وہاں جمع تھا۔ ان کی کشتی کو دیکھ کر وہ لوگ بہت خوش ہوتے رہے۔ آخر میں ان جنگلیوں نے بھی اپنے کرتب دکھائے۔ جو بالکل جمناسٹک کے سے تھے۔ تیسرے روز صبح ہی یہ پارٹی وہاں سے اپنی منزل پر روانہ ہو گئی۔ یہاں ہاتھی دانت وغیرہ میسر نہ ہوئے ہاتھی اور گینڈے کے جنگل یہاں سے دور تھے البتہ شیر ببر چیتے۔ ہرن وغیرہ

ان جنگلوں میں بکثرت تھے۔

یہ سفر کرتے ہوئے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ دو ہفتے کے بعد انگن پہاڑ کے دشوار گذار راستوں اور گھاٹیوں سے گذرتے ہوئے جھیل کیوگا کے شمالی حصوں کے قریب کے گھنے جنگلوں میں پہنچ گئے۔ اب ان کے لئے سامنے قدم قدم پر خطرے تھے۔ جنگل میں درندوں کی کثرت تھی۔ اور وحشی لوگوں کا خوف تھا۔ بڑی مشکل ان کے لئے یہ تھی کہ ایسے پرخطر جنگلوں میں ان کے ہمراہ کوئی رہبر نہیں تھا۔ جو ان پیچیدہ جنگلوں سے واقف ہوتا مقامی لوگوں کی امداد ان کو حاصل نہ تھی۔

پہاڑ کھانے والے جانوروں کے شکار کا ان کو تجربہ نہ تھا۔ اس لئے جنگل میں ان کی زندگی محفوظ نہیں تھی نیزے ان سب کے پاس تھے۔ دو ہلکی بندوقیں بھی ساتھ تھیں مگر ان خوفناک درندوں کے لئے یہ ہتھیار کافی نہ تھے۔ اس لئے خطرے کے وقت یہ لوگ بجائے مقابلے کے درختوں کی طرف دوڑتے تھے۔ اکثر ایسا ہوا کہ درندوں کے حملوں سے یہ بال بال بچے۔ تین چار خطرناک حادثات ان کے ساتھ پیش آئے مگر یہ خوش قسمتی سے سلامت بچتے رہے۔

ان گھنے جنگل میں پہنچ کر یہ بھٹک گئے۔ راستے ان کے سامنے سے گم ہو گئے۔ صحیح راستہ ان کو نہیں ملتا تھا۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ کدھر جا رہے ہیں۔ اسی طرح ہفتوں گذر گئے۔ یہ کہیں سے کہیں جنگلوں میں پہنچ گئے اب ان کو واپسی کا راستہ بھی نہیں ملتا تھا۔ اسی طرح بھٹکتے پھرتے کچھ مدت کے بعد یہ جھیل البرٹ کے شمال کے ایک وسیع جنگل سے گذرتے ہوئے

شمالی بلجیئن کانگو کے گھنے جنگل میں داخل ہوئے ۔ یہ سائیں سائیں کرنے والے وحشتناک جنگل سیکڑوں میل تک چلے گئے ہیں اور آخر صحرائے اعظم سے مل گئے ہیں ان جنگلوں میں ہاتھیوں اور گینڈوں کی کثرت تھی یہ لوگ کئی بار ان کے حملوں سے بچے ۔ درختوں پر چڑھکر جان بچائی ۔ اس جنگل میں ان کے کھانے کا کوئی سامان نہیں تھا ۔ کئی کئی روز کے فاقے گذرنے لگے خوف کے مارے درختوں پر چھپے رہتے ۔ کوئی ایسی جگہ ان کو نہیں ملتی تھی جہاں یہ شکار کرتے یا اطمینان سے بیٹھ کر کھانا پکاتے ۔ عجیب مصیبت میں گرفتار تھے ۔ مردہ ہاتھیوں کے دانت اور گینڈوں کے سینگ بیشمار جنگلوں میں پڑے ہوئے ان کو ملے ۔ مگر ان وزنی چیزوں کو یہ اپنے ساتھ کب تک لئے پھرتے ۔ مجبوراً سب جنگل میں چھوڑ دیئے گئے ۔

اب ان کے سامنے موت اور زندگی کا سوال تھا ۔ اب ان کی ساری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح جنگلوں سے سلامت نکل جائیں ۔ واپسی کے راستے تلاش کرتے پھرتے مگر وہ نہ ملے ۔ دن بھر اسی کوشش میں گذارتے ۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی ۔ وہ سخت پریشان اور زندگی سے بیزار ہو گئے ۔

ایک روز یہ جنگل سے باہر کسی قدر کھلی جگہ میں پہنچے بھوک سے سب نڈھال تھے ۔ دوپہر ڈھل چکی تھی ۔ ایک ندی کے قریب پہنچ کر ڈیرا ڈال دیا خوراک کے لئے کوئی بڑا جانور ہرن وغیرہ سامنے نہیں تھا ۔ چند پرندوں کا شکار کیا گیا ۔ لکڑی جمع کیں ۔ آگ جلا کر شکار کا گوشت بھون کر اسے کھایا بہت دنوں کے بعد آج ان کو کچھ کھانا نصیب ہوا لیکن کھانا کھا کر پھر یہ

مصیبت اور قسمت کی گردش پر آہیں بھرنے لگے۔

شام کے پانچ بجے کے قریب پاس ہی کے جنگل میں ان کو وحشی لوگوں کے چیخنے اور شور و ہنگامہ کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ آج ان کو اس جنگل میں یہ پہلا موقع تھا کہ انھوں نے وحشیوں کی خوفناک آوازیں سنیں۔ سنتے ہی ان کے دلوں پر ہیبت چھا گئی۔ یہ خوفزدہ ہو کر اس طرف دیکھنے لگے۔ چند ہی منٹ گذرے تھے کہ ایک زخمی گورخر (جنگلی گھوڑا) ان کے قریب سے بھاگتا ہوا نکلا پانچ منٹ نہیں گذرے تھے کہ چار دیو ہیکل جنگلی انسان اپنے نیزے تانے انکے سروں پر پہنچ گئے۔ امام الدین اور لابھ سنگھ کے پاس بندوقیں تھیں باقی سب کے پاس نیزے تھے۔ تعداد میں یہ جنگلیوں سے دوگنے تھے مگر ان کی ڈراونی شکلیں دیکھتے ہی یہ بدحواس ہو گئے۔ سب لوگ مقابلہ کے لئے اٹھکر کھڑے ہو گئے فائر بھی ہوئے۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ وہ جنگلی زخمی ہوئے یا نہیں۔ مگر ان کے نیزوں سے یہ سب زخمی ہو گئے۔ ادھر ادھر جان بچانے کے لئے بھاگے زخمی تو تھے ہی اس لئے دور نہ جا سکے قریب جا کر چھپ گئے۔ وہ خونخوار جنگلی ان میں کے دو آدمیوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے بھاگے۔ جب ان کے حواس ذرا درست ہوئے تو ان کو معلوم ہوا کہ پارٹی کے دو آدمی غائب ہیں یعنی لابھ سنگھ اور امام الدین کا ایک رشتہ دار اب ان کی حالت بہت خراب تھی۔ یہ خوف سے تھرا رہے تھے۔ ان کو اپنی موت کا یقین ہو چکا تھا۔ بہت روئے چلائے مگر کیا کر سکتے تھے۔ گم ہو جانے والوں کی تلاش ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ سب زخموں کی وجہ سے نڈھال تھے۔

اب یہ سات آدمی باقی رہ گئے تھے۔ رات بسر کرنے کے لئے بدقت تمام درختوں پر چڑھ گئے۔ کچھ حصہ رات گذرتے ہی جنگل میں شیروں اور درندوں کا شور ہر طرف شروع ہو گیا۔ رات بھر یہ مصیبت کے مارے درختوں پر بیٹھے جاگتے رہے۔ صبح ہوئی۔ نیچے اُترے۔ ندی کے کنارے بیٹھ کر زخموں کو صاف کیا اور پھر کپڑے سے انھیں باندھ لیا۔ ان میں ایک شخص رام چند درندے سے زیادہ زخمی تھا۔ اس کی کمر میں گہرا زخم تھا۔ باقی لوگوں کے زخم زیادہ خطرناک نہیں تھے۔ خاص کر امام الدین خفیف زخمی تھا۔ اب یہ حیران تھے کہ کیا کریں۔ کدھر جائیں ان کو اپنے دوستوں کے غائب ہو جانے کا صدمہ بہت تھا۔ یہ چاہتے تھے کہ ان کو کسی طرح جنگلیوں کی قید سے رہائی دلائیں۔ آخر یہ لوگ وہاں سے اٹھے اور جنگلیوں کے پاؤں کے نشان لیتے ہوئے روانہ ہوئے۔ ان کو یہ امید تھی کہ شاید ان کے ساتھیوں کا کہیں پتہ نشان مل سکے اور ان کو واپس لانے کی کوئی تدبیر کارگر ہو سکے۔ چنانچہ یہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اور زیادہ زخمی کو سہارا دیتے بڑھتے جا رہے تھے۔

لیکن یہ ان کو خبر نہ تھی کہ رات جو دو آدمی غائب ہو گئے تھے۔ مردم خوروں نے ان کو رات ہی ختم کر دیا تھا۔ انسان کا گوشت ان کے لئے بڑی نعمت ہے زخمی گورخر کے بھاگ جانے کی انھوں نے ذرا بھی پروا نہ کی جبکہ ان کو کھانے کے لئے دو انسان مل گئے۔ جانوروں کا شکار تو ان کو ہر روز میسر ہے مگر انسان ان کو کبھی اتفاق سے ملتے ہیں۔ جب کبھی ان کو انسان جیسی نعمت مل جاتی ہے تو ان کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔ خوشی میں ناچنے کودنے اور

جشن مناتے ہیں۔ دو آدمی تو وہ رات کھا چکے تھے باقیوں کے لئے بھی ان کو پورا اطمینان تھا کہ صبح ہوتے ہی پکڑ لائیں گے۔ چنانچہ ان کی تلاش میں صبح ہی پندرہ بیس جنگلی اپنے ہتھیار لے کر روانہ ہو گئے۔ پہلے یہ سب اس مقام پر پہنچے جہاں گذشتہ شام دو آدمی گرفتار کیے گئے تھے۔ وہاں ان کو نہ پا کر ان کے پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے ان کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ یہ مصیبت زدہ آگے جا رہے تھے اور ان کے تعاقب میں ان کے شکاری ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ درمیان میں تقریباً تین میل کا فاصلہ تھا۔ ان غریبوں کا بچاؤ اب ناممکن تھا۔ ان بے بسوں کے سامنے پہاڑ کی بلندی آ گئی۔ وہ اپنے زخمی کو سہارا دیتے ہوئے۔ بلندی پر آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ اوپر میدان میں جنگلیوں کی جھونپڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ دھوپ تیز ہو چکی تھی۔ تھوڑا آرام لینے کے لیے یہ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اپنی بدقسمتی پر آنسو بہانے لگے۔ اپنی بیکسی و بے بسی کا احساس کر کے رونے لگے۔ اب ان کی حالت نہایت قابل رحم تھی تھوڑی دیر اسی حال میں ان کو یہاں گذری۔ آخر پھر اٹھے اور دوسری طرف راستہ کی تلاش شروع کی تاکہ جلد جنگلیوں کی بستی سے دور نکل جائیں۔ چند ہی قدم چلے ہونگے کہ یکایک جنگل میں شور ہنگامہ سنائی دیا۔ سنتے ہی انکے حواس جاتے رہے۔ موت آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ ایک سکتے کا عالم ان پر طاری ہو گیا۔ وحشی ان کے سروں پر پہنچ گئے۔ یہ خوف سے بھاگے۔ رام چند زیادہ زخمی تھا۔ وہ نہ بھاگ سکا وہیں بیٹھ گیا۔ ان درندوں سے بھاگ کر یہ کہاں جا سکتے تھے۔ تھوڑی دیر میں سب گرفتار ہو گئے کر دتے تھے اور

چلاتے تھے۔ امام الدین ان وحشیوں کو دیکھتے ہی تیس فیٹ کی بلندی سے نیچے
ندی میں کود گیا۔ پہاڑ کی طرف تیرتا ہوا دور نکل گیا۔ ایک جنگلی اس کو پکڑنے
کے لئے کودا۔ آدھ میل کے فاصلہ پر امام الدین خشکی پر کھڑا ہو گیا۔ جنگلی تیزی سے
ندی میں تیرتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا اور اپنا نیزہ تان کر اس کی طرف لپکا
امام الدین نے بندوق ہاتھ سے نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے بندوق میں گولی
کا کارتوس لگا کر جنگلی کے دماغ کا نشانہ لیا۔ اور فائر کر دیا گولی لگتے ہی جنگلی
پانی میں الٹ گیا۔ اور ندی میں بہتا ہوا چلا گیا۔ امام الدین کی جان بچ گئی۔
یہ ایک قریب کے اونچے درخت پر چڑھ گیا۔ دن بھر چھپا بیٹھا رہا بھوک
میں درخت کے پتے کھاتا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ دور جنگلیوں
کا غول اس کے ساتھیوں کو کندھوں پر اٹھائے لئے جا رہا ہے۔ اس کا جوان
بیٹا سردار محمد بھی ان میں تھا۔ دن بھر درخت پر بیٹھا اپنی مصیبت پر روتا
رہا۔ جب رات ہوئی اور اندھیرا چھا گیا تو یہ درخت سے اترا اور چھپتا چھپتا
جنگلیوں کی بستی کی طرف روانہ ہوا۔ دور سے جھونپڑیوں کے درمیان آگ کا
ڈھیر جلتا ہوا اس کو دکھائی دیا۔ جب یہ قریب پہنچا تو وہاں کا قیامت
خیز نظارا دیکھ کر اس کی روح فنا ہو گئی۔ یہ چلا چلا کر رونے لگا۔ دور سے
اس نے دیکھا کہ گھاس پھونس کی بہت سی جھونپڑیوں کے درمیان میدان میں
لکڑیوں کا ڈھیر جل رہا ہے اور جنگلی مرد عورت بچے سب بھوتوں کی طرح آگ
کے گرد ناچ کود رہے ہیں۔ قریب کے درختوں میں پانچ اس کے ساتھی اور
ایک اس کا لخت جگر بیٹا انہی کی پگڑیوں سے بندھے ہوئے لٹک رہے ہیں۔

آہ ۔ یہ نظارہ کس قدر لرزہ خیز تھا۔ ان سکھوں کے لئے یہ مصیبت کی گھڑی تھی۔ ہزاروں امیدیں لے کر یہ اپنے گھروں سے پردیس میں نکلے تھے۔ وہاں ان کے والدین بیوی بچے ان کے انتظار میں ہوں گے۔ مگر یہاں یہ اب صرف چند لمحوں کے مہمان تھے۔ ان کی موت قریب تھی۔ یہ ان درندوں کے چنگل میں پھنس چکے تھے اب ان کا زندہ بچنا ناممکن تھا۔ ان کی مصیبت پر اس وقت آسمان بھی آنسو بہا رہا تھا۔ کچھ کچھ بوندیں پڑ رہی تھیں ۔

امام الدین خوف سے لرز رہا تھا۔ اندھیرے میں ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آگ کا ڈھیر خوب روشن ہو گیا۔ تو ایک جھونپڑی کے اندر سے ایک بدصورت ڈائن بوڑھی عورت نمودار ہوئی۔ سب لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے ۔ وہ زور زور سے چلائی اور کچھ بولتی رہی۔ فوراً بعد بہت سے جنگلی اپنے شکار کی طرف لپکے اور سب کو درختوں سے کھولکر اس ڈائن کے سامنے لاکر زمین پر ڈال دیا۔ قیدیوں نے چیخنا اور چلانا شروع کر دیا ۔ ان کا آخری وقت آپہنچا تھا جنگلیوں نے ایک آدمی کو ان میں سے اٹھایا۔ اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اس کو آگ پر بھوننا شروع کیا۔ اور باقی سب جنگلی آگ کے گرد خوشی سے ناچنے اور گانے لگے ۔

اف کیا دلخراش نظارہ تھا۔ امام الدین اس کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکا چلاتا ہوا وہاں سے بھاگا۔ اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ان چھ بدنصیبوں کا حشر یکے بعد دیگرے یہی ہوا۔ مردم خور سب کو بھون کر کھا گئے ۔

امام الدین چھ ماہ تک ان جنگلوں میں بھٹکتا پھرتا رہا زندگی باقی تھی

وہ ہزاروں مصیبتوں کا مقابلہ کرتا ہوا آخر سمندر کے کنارے ایک بستی مالینڈی میں پہنچا یہ ایک چھوٹا سا بندرگاہ ہے۔ جو ممباسہ سے شمال میں واقع ہے وہاں سے وہ کسی کی مدد سے ممباسہ اور وہاں سے زنجبار پہنچا۔ جب میں ہاتھی دانت اور گینڈے کے سینگ اپنے ساتھ لیکر اگست ۱۹۰۰ء میں ممباسہ ہوتا ہوا۔ زنجبار آیا تو اس وقت امام الدین کو وہاں پہنچے ہوئے ایک ماہ گذر چکا تھا اور وہاں بیکار اور تنگ حال تھا۔ وہ ایک روز مجھ سے ملا اور مذکورہ بالا دردناک واقعات رو رو کر اس نے مجھے سنائے رحیم خان اور امر سنگھ بھی اسی شہر میں بیکاری کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ ان کے لئے میں نے چار پانچسو روپیہ کے سرمایہ سے عربوں کی ضرورت کا سامان خرید کر ان تینوں کو مال کی پھیری کے کام پر لگا دیا۔ وہ محنت اور دیانتداری سے کام کرتے رہے۔ ان کو کامیابی ہوئی۔ اور جلد واپس وطن جانے کے قابل ہو گئے۔

خوفناک دنیا حصہ اول

کا ضمیمہ نمبر ۳

افریقہ کے جنگل میں ایک رات

وسط اپریل سنہ ۱۹۰۰ء کو میں اپنے جنگلوں کے سفر سے واپس نیروبی پہنچ چکا تھا۔ اور واپسی پر تقریباً چار ماہ میرا قیام وہاں اور رہا۔ جنگلوں کے سفر اور شکار میں اس قدر تھک گیا اور اکتا گیا تھا کہ ایک ماہ تک مجھے شکار کا خیال بھی نہیں آیا۔ اس کے بعد پھر ہفتہ میں ایک بار قرب و جوار کے جنگلوں میں شکار کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اتوار کا دن پارٹی کے ہمراہ جنگل ہی میں گذرتا تھا چالیس برس قبل اس زمانہ میں نیروبی کے ارد گرد چہار جانب جنگل ہی جنگل تھے شکار کے لئے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

حکیم انور حسین خاں صاحب کچھ عرصہ سے نیروبی میں مقیم تھے۔ شکار کا انکو شوق تھا وہ ہماری پارٹی میں شامل تھے اور اچھے دلیر...... شکاری تھے ان کو افریقہ کے شیر ببر کے شکار کی بڑی تمنا تھی بار بار ان کا یہی تقاضہ تھا کہ کسی روز شیر کے شکار کے لئے چلا جائے۔

اتفاق سے ان دنوں کیمار ریلوے اسٹیشن پر ایک آدم خور شیر کے حملوں کا چرچا عام تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہاں اس نے بہت نقصان کیا۔ درجنوں آدمیوں کو کھا گیا۔ وہ اتنا دلیر اور بیباک ہو چکا تھا کہ دن کے وقت کام کرتے ہوئے آدمیوں کو اٹھا لے جاتا تھا۔ ایک روز آفس میں کام

کرتے ہوئے اسٹیشن ماسٹر کو اٹھا لے گیا بہت سے شکاریوں نے اس کو مارنے کی کوشش کی، مگر کسی کو اس کے شکار میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ حکیم صاحب کے دل میں بھی اس کے شکار کا خیال پیدا ہوا۔ انھوں نے قسمت آزمائی کے لئے وہاں جانے کا ارادہ کیا۔ اور مجھے بھی اپنے ہمراہ چلنے پر مجبور کیا۔

کیما ریلوے اسٹیشن کے گرد شیر بکثرت تھے۔ حکیم صاحب کے مدنظر شیر کا تھا لیکن ضروری نہ تھا کہ آدم خور شیر ہی کا شکار ہو۔

کیما اسٹیشن نیروبی سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر بجانب ممباسہ واقع ہے تیاری کے بعد ہم ٹرین میں سوار ہو کر کیما پہنچ گئے اور اسٹیشن پر ٹھہر گئے حکیم صاحب کے ساتھ ان کا ملازم تھا اور میرے ساتھ میرا ملازم قاسم بن منصور تھا۔ اس اسٹیشن پر آدم خور کے متواتر حملوں کی وجہ سے ہم نے ہر شخص کو خائف پایا۔ ہم نے دیکھا کہ دن کے وقت بھی کمروں کے دروازے بند رہتے ہیں خاص ضرورت کے بغیر لوگ باہر نہیں نکلتے۔ ہر شخص کی زبان پر تھا کہ یہ بھوت شیطان ہر وقت ہمارے سروں پر موجود رہتا ہے بہت سے لوگ ڈر کی وجہ سے یہاں سے بھاگ گئے تھے۔ آفتاب غروب سے قبل ہی کام بند ہو جاتے لوگ اپنے کمروں اور کوارٹروں سے باہر نہ نکلتے تھے۔ ہم بھی رات بھر اسٹیشن کے کمرے میں بند رہے دوسرے دن صبح ہم نے دو جنگلی قلیوں کا بندوبست کیا۔ اور وہاں سے شمال کی طرف میچاکو کی جانب روانہ ہو گئے کھانا اور ناشتہ ہمارے ساتھ موجود تھا۔ تقریباً دو میل فاصلہ جنگل میں طے کرنے کے بعد ہم ایک جگہ رک گئے۔ اور ناشتہ کیا۔ جب ہم ناشتہ کر رہے

تھے۔ تو تھوڑے فاصلہ پر ہم کو شیر دہاڑنے کی آواز سنائی دی۔ ہم نے کھڑے ہو کر اس طرف غور سے دیکھنا شروع کیا۔ بہت سے درختوں کے درمیان ایک شیرنی دکھائی دی۔ خیال ہوا کہ نر بھی وہاں ضرور ہو گا۔ اب حکیم صاحب کو اس کا شکار کرنے کیلئے بے چینی تھی۔ وہ جلد سے جلد وہاں پہنچ کر اس کا شکار کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ وہ تنہا کسی دوسرے کی مدد کے بغیر شیر کا شکار کریں۔ گو حکیم صاحب کو افریقہ کے جنگل میں شیر کے شکار کا یہ پہلا موقع تھا۔ مگر وہ دل کے بہت دلیر ثابت ہوئے۔ وہ بہت بہادر تھے۔ انھوں نے مجھ سے یہ کہا۔ کہ آپ اسی جگہ ہمارا انتظار کریں۔ میں شیر کے نزدیک پہنچ کر گولی چلاؤں گا۔ لیکن میں نے ان کے اکیلے جانے کی مخالفت کی۔ انھوں نے اس پر اصرار کیا آخر میں نے ان کو مجبور کیا۔ کہ وہ قاسم کو ساتھ لیتے جائیں۔ اس کے پاس بندوق ہے ضرورت کے وقت وہ آپ کی مدد کر سکے گا۔ اس پر وہ راضی ہو گئے۔ اپنے ملازم اور قاسم اور دونوں قلیوں کو ساتھ لیکر روانہ ہو گئے۔ میں اکیلا رہ گیا میری رائفل میرے پاس موجود تھی۔ میں نے حکیم صاحب سے یہ تاکید کر دی تھی کہ زمین پر کھڑے ہو کر گولی ہرگز شیر پر نہ چلائیں۔ بلکہ درخت کے اوپر محفوظ جگہ پہنچ کر فائر کریں۔

دو گھنٹے سے زیادہ عرصہ گذر گیا۔ مگر فائر کی آواز سنائی نہ دی میرے کان اسی طرف لگ رہے تھے آخر ۱۲ بج گئے مجھے تعجب تھا کہ ابھی تک فائر کیوں نہیں ہوا۔ اتنے میں ایک جنگلی جو وہاں سے گذر رہا تھا اور ریلوے

اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا۔ مجھے وہاں بیٹھا دیکھ کر میرے قریب آیا اور سواحلی زبان میں مجھ سے پوچھا کہ آپ یہاں کس غرض سے بیٹھے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ شیر کے شکار کے لئے یہاں آیا تھا۔ مگر کوئی شکار ابھی تک نہیں ملا ہے۔ اس نے یہ سنتے ہی فوراً دوسری طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں نے ابھی ابھی دریا کے قریب لمبی گھاس میں شیر کو دیکھا ہے چلیے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ وہ بہت آسانی سے شکار ہو جائے گا اس وقت میں نے بھی خیال کیا کہ یہاں فضول بیکار بیٹھا ہوں بہت ممکن ہے کہ شکار ہاتھ لگ جائے۔ میں اس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

جنگلی اپنے نیزے اور ڈھال سے مسلح تھا۔ وہ آگے چل رہا تھا میں اس کے پیچھے تھا۔ ایک میل چلنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا کہ ابھی کتنی دور اور باقی ہے۔ اس نے کہا کہ بہت نزدیک ہے۔ اس کا یہ بہت نزدیک دو میل سے کم نہ تھا۔ اب ہمارے سامنے پہاڑی تھی۔ اور گھنا جنگل تھا۔ اس وقت ہم لمبی لمبی گھاس میں گذر رہے تھے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لمبی گھاس میں اچانک شیر سامنے آجاتا ہے۔ اس کے پاؤں کی آہٹ نہیں ہوتی۔ یہی اندیشہ اس وقت مجھکو تھا۔ تین میل فاصلے طے کرنے کے بعد میرا ہمراہی جنگلی ایک جگہ رک گیا۔ اور مجھے اشارہ سے بتلایا کہ شیر ان درختوں میں ہے۔

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ دھوپ میں تیزی تھی میں نے خیال کیا کہ یہ وقت شیر کے آرام کرنے کا ہے وہ ضرور درختوں کے اندر ٹھنڈی جگہ سو رہا ہوگا

اور سورج غروب ہونے کے قریب وہ جنگل سے باہر آئے گا۔ ایک قریب کے
درخت پر میں نے بیٹھنے کا انتظام کیا اور اپنی رائفل لیکر اس پر بیٹھ گیا
تھوڑے فاصلہ پر جنگلی بھی ایک درخت پر چڑھ گیا۔ قریب ہی سامنے دریا
تھا۔ اس لئے یقین تھا کہ شیر جنگل سے نکل کر اسی طرف آئے گا۔ سانبر اور ہرن
کافی تعداد میں دکھائی دے رہے تھے۔ شام کے پانچ بجے دور فاصلہ پر جنگل
میں شیر کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ دور ہونے کی وجہ سے مجھے کچھ مایوسی ہوئی
ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ میں نے دیکھا کہ شیر لمبی گھاس میں اچھلتا
کودتا ہوا اسی طرف آرہا ہے۔ اور ایک ہرن اس کے منہ میں ہے جو اس نے ابھی
ابھی شکار کیا ہے۔ یہ شیر نر تھا جس کی ایال گھنی اور سیاہ تھی۔ وہ میرے
قریب نہیں ٹھہرا۔ بلکہ فاصلہ پر دریا کے قریب ایک درخت کے نیچے پہنچ
کر اپنے شکار کو کھانے میں مشغول ہو گیا۔ شیر مجھے تو نظر آرہا تھا مگر پورا
نہیں۔ صرف اس کا پچھلا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ اگلے حصے میں جھاڑیاں
حائل تھیں وہ اپنے شکار کے کھانے میں مصروف تھا۔ کچھ دیر میں اس انتظار
میں رہا کہ وہ پورا میرے سامنے آجائے۔ تو گولی چلاؤں جب وہ اپنی جگہ سے
نہ ہٹا۔ ادھر شام قریب ہوتی جارہی تھی تو میں زیادہ انتظار نہ کر سکا
گو فاصلہ زیادہ تھا۔ مگر میں نے اطمینان سے نشانہ لے کر فائر کیا۔ گولی اس
کے پیٹ میں لگی۔ اس نے گرجتے ہوئے اس طرف رخ کیا۔ اور منہ اٹھا کر
اس سمت کو دیکھا۔ میں نے فوراً دوسرا فائر اس کے اگلے پیر کیا
وہ مجھے نہیں دیکھ سکا۔ گرجتا ہوا جنگل میں جا گھسا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ اب جنگل میں سناٹا تھا۔ ہرن وغیرہ جانور اس کے خوف سے پہلے ہی غائب ہو چکے تھے۔ آفتاب قریب غروب کے تھا۔ جنگلی اپنے درخت سے اتر کر میرے پاس آیا۔ اور کہنے لگا کہ شیر مر گیا ہے۔ اس کو ابھی تلاش کیا جائے میں نے اس کو بہتیرا سمجھایا کہ شیر گولی سے اتنی جلدی نہیں مر سکتا۔ صبح سے قبل اس کو نہیں تلاش کیا جائیگا مگر اس نے ضد شروع کر دی کہ شیر ضرور مر گیا ہے اسکو ابھی تلاش کرنا چاہیئے کچھ اندھیرا ہو چکا تھا وہ اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ انسان ہوتا تو بات کی معقولیت کو سمجھتا۔ وہ جنگلی ہی تو تھا۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ جنگلیوں کے ہتھیار عموماً زہر آلود ہوتے ہیں ان سے شیر جلد مر جاتے ہیں۔ بالآخر ہم دونوں وہاں پہنچے جہاں شیر پر گولی چلائی گئی تھی۔ شکار کا بہت تھوڑا حصہ کھایا گیا تھا۔ وہاں سے خون کے نشانات دیکھتے ہوئے ہم کچھ دور گئے ایک چھوٹی سی جھیل ہمارے سامنے آگئی۔ پانی کے اندر بھی گھاس تھی تھوڑی دور پر کچھ خشکی کا حصہ تھا۔ خون کے نشان پانی کے کنارے تک موجود تھے جنگلی نے پتھر اٹھا کر اس خشکی کے حصہ پر پھینکنا شروع کئے۔ ہمیں یقین تھا کہ زخمی شیر پانی کے اندر سے گذر کر وہاں جھاڑیوں میں جا کر لیٹ گیا ہے چار پانچ پتھر پڑنے کے بعد ایک ہیبت ناک گرج کے ساتھ زخمی شیر ہماری طرف لپکا۔ درمیان میں اگر پانی حائل نہ ہوتا تو ہم دونوں میں سے ایک کی زندگی کا خاتمہ تھا۔ پانی کی وجہ سے ہم کو اتنا موقع مل گیا کہ ہم بھاگ کر قریب کے درختوں پر چڑھ گئے۔ میں دریا کے کنارے کی طرف بھاگا۔ میرے

سامنے ایک بڑا پرانا درخت بڑ کی قسم کا تھا میں فوراً اس پر چڑھ گیا شیر درخت کے نیچے تک آیا وہاں سے قریب ہی گھاس میں غائب ہو گیا دوڑ دھوپ اور درخت پر چڑھنے کی وجہ سے میرا دم پھول رہا تھا۔ میں دوبارہ شیر پر فائر نہ کر سکا۔ کچھ بلندی پر پہنچ کر میں ایک ڈال پر بیٹھ گیا سورج غروب ہو چکا تھا۔ چہار جانب اندھیرا پھیل گیا تھا لیکن تھوڑے ہی وقفے کے بعد ماہتاب اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ افروز ہوا جس کی روشنی سے تمام جنگل پہاڑ اور دریا منور ہو گئے۔

شیر کے حملے کے خوف سے میں عجلت میں اس پرانے درخت پر چڑھ تو گیا مگر اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو کر خوف معلوم ہونے لگا۔ درخت بہت بلند اور پھیلا ہوا تھا۔ اس کی بڑی شاخیں زمین تک لٹک رہی تھیں۔ جگہ جگہ اس میں بڑے بڑے سوراخ تھے۔ ان کو دیکھ کر مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کے اندر سانپ نہ ہوں۔ رات ہو چکی تھی۔ اب میں درخت سے اتر بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ زخمی شیر کے حملے کا خوف تھا۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن الغرض دو گھنٹے اسی تشویش میں گذر گئے۔ اب پوری تاریخ کا ماہتاب بلندی پر آ چکا تھا۔ اس کی روشنی پتوں کے اندر سے چھن چھن کر زمین اور درخت پر پڑ رہی تھی۔ جنگل میں شیروں اور چیتوں کی آوازیں زور شور سے آ رہی تھیں جنگل کا یہ سین نہایت بھیانک اور ہولناک نقشہ پیش کر رہا تھا۔ میں تنہا درخت پر بیٹھا تھا۔ بیٹھنے کی جگہ آرام دہ نہ تھی یعنی کمر کو ٹیک لگانے کی حاجت تھی اور میں بیٹھا جاگ رہا

کچھ وقت اسی حالت میں اور رہنا پڑا پھر تھوڑی دیر کے بعد پھر پھر پھڑاوں
کی آواز میرے کانوں میں آنا شروع ہو گئی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر
چاروں طرف دیکھا، کوئی چیز مجھے دکھائی نہ دی آواز دم بدم تیز ہوتی جا رہی
تھی تھوڑی ہی دیر بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ درخت کے تنے کی طرف سے
بل کھاتا ہوا اوپر کو آرہا تھا، اس کو دیکھتے ہی خوف سے تھرا گیا۔ اس سے
جان بچانے کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اگر درخت سے نیچے کود
جاتا ہوں تو زخمی شیر کا ڈر۔ اوپر اس بلا کا خوف۔ اب کروں تو کیا کروں کہاں
جاؤں چھرے کی بندوق اگر میرے پاس ہوتی تو اس پر فائر کرنے کی کوشش
کرتا۔ رات کے وقت رائفل کی گولی اس پر چلانا حماقت تھی۔ آخر میں نے
ہمت سے کام لیکر اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔ درخت کافی بلند تھا۔
میں جلدی سے اوپر کی ڈال پر پہنچ گیا۔ سانپ وہاں بھی میرے پیچھے آرہا تھا
کچھ دیر کے بعد میں درخت کے دوسرے حصے میں چلا گیا۔ جب اس سیاہ بلا نے
وہاں بھی میرا پیچھا کیا تو میں جست کر کے پھر اپنی پہلی جگہ آگیا۔ اسی طرح چند گھنٹے
مجھے ہیرا پھیری کرتے اور جان بچانے کی کوشش میں گذر گئے۔ کچھ وقفہ کے
بعد میری حیرت اور پریشانی کی حد نہ رہی۔ جب میں نے دیکھا کہ بہت سے
بڑے بڑے سانپ مختلف سمت سے مجھ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اب
میں سخت گھبرایا۔ اور خوفزدہ ہوا۔ اب اس درخت پر میرا ٹکنا محال تھا
اپنی موت اور زندگی کا خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے میں نے فوراً درخت سے
کود جانے کا ارادہ کیا۔ کارتوس نکال کر رائفل کندھے پر لٹکائی اور ڈال کو

پکڑ کر نیچے لٹک گیا۔ تقریباً ۲۰ فیٹ کی بلندی سے زمین پر گرا میری کمر اور ٹانگوں میں کافی ضرب آئی۔ اس لئے تھوڑی دیر تک میں جنبش نہ کر سکا پھر اٹھ کر وہاں سے بھاگا۔ تھوڑے فاصلہ پر جاکر ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اوپر پہنچ کر کچھ دیر بعد دل کی دھڑکن اور میرا سانس درست ہوا اور میں ایک تنے کے ساتھ کمر لگا کر بیٹھ گیا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا اور اطمینان کا سانس لیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ اوپر والے ڈال پر سے خر خر کی آواز میرے کانوں میں آنے لگی۔ میں پریشان ہو کر ڈال پر کھڑا ہو گیا۔ اور اوپر کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ کہ یہ کیا چیز ہے جو میرے سر پر غرا رہی ہے چاند کی روشنی میں مجھے دکھائی دیا کہ پتوں کے درمیان ایک سیاہ جانور جو بلی سے ذرا بڑا ہے بیٹھا ہے۔ یہ خنگی بلاؤ تھا جو بلی ہی سے ملتا جلتا جانور ہے منہ اس کا پتلا ہوتا ہے اور یہ پرندوں کا شکار کرتا ہے میں نے رائفل کا کندہ اس کے سر پر مارا وہ درخت سے نیچے کود گیا۔ میری ساری رات پریشانیوں میں گذری۔ اب صبح کا وقت قریب تھا۔ میں رات بھر جاگا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے بیٹھے ہوئے میری آنکھ لگ گئی۔ دو گھنٹے کے بعد جب میں جاگا۔ تو دیکھا کہ آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ اور میرا خنگلی ہمراہی درخت کے نیچے بیٹھا ہے میں درخت سے اتر آیا۔ اس وقت خنگلی نے مردہ شیر کی تلاش کا اصرار کے ساتھ پھر تقاضہ شروع کیا۔ ہاتھ کے اشارہ سے بتلا رہا تھا کہ وہ اس سامنے والے جنگل میں مردہ پڑا ہو گا۔ رات بھر کی مصیبت اور پریشانی کی وجہ سے میری طبیعت میں کسل اور تکان تھا

مشکل سے میں نے اس کو اس بات پر راضی کیا کہ پہلے وہ اکیلا جا کر مردہ شیر کو تلاش کرے۔ اگر وہ مل گیا۔ تو میں بھی اس کے ساتھ چلوں گا۔ وہ اکیلا چلا گیا۔ میں دریا کے کنارے پر گیا منہ ہاتھ دھویا۔ میری جیب میں کچھ بسکٹ تھے وہ کھا کر پانی پیا اور واپس آکر اس درخت پر چڑھ گیا۔ اور جنگلی کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ چار گھنٹے کے بعد وہ واپس آیا۔ اور کہا کہ میں نے بہت تلاش کیا۔ مگر زخمی شیر کا کہیں پتہ نہیں ملا۔ ہم وہاں سے واپس روانہ ہوئے میرا خیال تھا کہ حکیم صاحب گذشتہ شام شکار سے واپس آکر اسٹیشن پر میرا انتظار کرتے ہوں گے۔ اور ان کو تشویش ہو گی کہ میں کہاں غائب ہو گیا دو گھنٹے سفر کے بعد جب ہم کیما اسٹیشن پہنچے تو معلوم ہوا کہ حکیم صاحب اور ان کے ہمراہی ابھی تک واپس نہیں آئے ہیں۔ اس خبر سے مجھے فکر پیدا ہوئی۔ اور میں اسٹیشن سے باہر ٹہلتا رہا۔ تین بجے شام کے قریب وہ لوگ واپس آگئے مگر حکیم صاحب کی حالت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ وہ زخمی تھے ان کا ملازم اور قاسم ان کو سہارا دیکر لا رہے تھے ان کے کپڑے پھٹے ہوئے اور خون میں تر تھے لیکن تعجب یہ تھا کہ وہ خوش اور بشاش تھے۔ دیکھتے ہی مجھے مسکرا کر کہنے لگے کہ شکار مار لائے۔ میں نے دیکھا کہ قلیوں کے پاس مردہ شیرنی کا سر اور پورا چمڑا موجود ہے۔ حکیم صاحب کا شکار کامیاب تھا۔ اسی لئے وہ زخمی ہونے کے باوجود بھی خوش تھے۔ اور اپنی تکلیفوں کو بھولے ہوئے تھے۔ ایک کمرے میں انکو لٹا دیا گیا۔ گرم پانی سے زخم صاف کئے گئے۔ دوا ان کے ساتھ تھی جو لگا دی گئی۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ کل آپ سے جدا ہو کر وہاں درختوں کے

ہم قریب پہنچے۔ جہاں شیرنی کو دیکھا گیا تھا دور تک تلاش کرنے پر بھی اس کا پتہ نہ ملا۔ لیکن ایک جگہ ہم نے بہت سے انسانوں اور جانوروں کی ہڈیوں کے ڈھیر دیکھے۔ اور دیگر علامات سے بھی ہم کو یقین ہو گیا کہ شیروں کی آمد ورفت یہاں بکثرت ہے۔ ہم نے وہیں بیٹھنے کا ارادہ کیا قریب کے درختوں پر دو مچان بنائے گئے۔ ایک پر میں خود بیٹھ گیا۔ دوسرے پر قاسم اور ملازم کو بٹھادیا۔ دونوں قلی بھی ایک درخت پر چڑھ گئے۔ تمام دن ہمکو انتظار میں گذرا۔ کوئی جانور ہمارے سامنے نہیں آیا۔ ہم بیٹھے بیٹھے اکتا گئے۔ ماہتاب نکل آیا۔ اور روشنی تمام پھیل گئی۔ ہماری نظریں جنگل ہی کی طرف لگی ہوئی تھیں کچھ عرصہ اسی طرح گذر گیا۔ دس یا گیارہ بجے کے قریب سارا جنگل شیروں کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہر طرف شیر ہی شیر ہیں ہر لمحہ مجھے یہی یقین تھا کہ اب شیر میرے سامنے آرہے ہیں میں ہاتھ میں رائفل لیئے تیار بیٹھا تھا۔ مگر بدقسمتی سے کوئی بھی جانور ہمارے سامنے نہ آیا جس پر فائر کا موقع ملتا۔ تمام رات اسی انتظار میں بیٹھے گذر گئی طلوع آفتاب میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ جنگل میں سناٹا ہو چکا تھا۔ اور ہماری امیدوں کا بھی خاتمہ ہو گیا تھا۔ کہ اچانک ایک شیر ہمارے قریب ہی بولا۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہمارے سامنے آگیا۔ افسوس وہ مادہ شیرنی تھی۔ نر نہیں تھا۔ مگر تھی بہت زبردست پرانی شیرنی۔ آخر اس پر فائر کا فاصلہ کیا گیا۔ دن کی روشنی ہو چکی تھی اور وہ میرے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ میں نے رائفل اٹھائی اور دو فائر کیئے۔ وہ زخمی

ہوتے ہی غضبناک ہوکر ہماری طرف لپکی۔ مچان کے قریب پہنچی۔ میں نے
فوراً دو فائر اور کر دیئے۔ دوسرے مچان سے بھی دو فائر ہوئے۔ وہ سخت
زخمی ہوکر جنگل میں گھس گئی۔ دو گھنٹے کامل سکوت کے ساتھ ہم وہاں بیٹھے رہے
۹ بجے کے قریب ہم مچانوں سے اترے ناشتہ کیا، اس کے بعد زخمی شیرنی کی
تلاش میں ہم سب چل کھڑے ہوئے۔ وہ سخت زخمی ہو چکی تھی۔ اب اسکو
تین گھنٹے گذر چکے تھے۔ ہم کو یقین تھا کہ وہ اب تک زندہ نہ ہوگی۔ ضرور
مر چکی ہوگی۔ جنگل میں خون کے نشان کافی تھے۔ جو ہماری رہبری کر رہے تھے
تھوڑی دور جانے کے بعد ہم نے دیکھا کہ وہ جھاڑیوں کے درمیان لیٹی
ہوئی ہے۔ بے حس و حرکت پڑی ہے اس کو دیکھتے ہی یقین ہوگیا۔ کہ وہ مردہ
ہے وہ زخموں سے چور تھی۔ ہم اور قریب پہنچ گئے تھوڑی دیر کھڑے اسکو
دیکھتے رہے۔ اس میں دم باقی نہیں تھا دونوں جنگلیوں سے میں نے کہا۔ کہ
اس کی دم پکڑ کر اس کو جھاڑیوں سے باہر کھینچ لاؤ۔ جس وقت انھوں نے
دم پکڑ کر باہر گھسیٹا۔ تو اس نے دو تین لمبے لمبے سانس لئے۔ اور آنا فاناً
خوفناک گرج کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ جیسے وہ بالکل تندرست ہے میں اس
کی زد میں سامنے کھڑا تھا۔ ایک لخت اس نے مجھ کو دبا لیا۔ رائفل میرے
ہاتھ سے گر گئی میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر اور گردن کو بچایا
میرے بازو اور کندھے اس نے زخمی کر دیئے دونوں جنگلیوں نے اپنے نیزے
اس کے سینے میں پیوست کر دیئے۔ قاسم نے فوراً اس کے کان کے قریب
دماغ میں فائر کیا۔ اب وہ بے دم ہو کر گری اور مر گئی۔ میں نے اس کے پنجے

سے رہائی پائی۔ اس کو جنگل سے باہر لائے۔ اور ان سب نے ملکر اس کی کھال اتاری۔ سر جدا کیا۔ اور یہ دونوں مجھے لیکر آہستہ آہستہ یہاں پہنچے۔

آج کی رات بھی ہم نے اسٹیشن پر بند کمرے میں گذاری۔ آدم خور شیر رات بھر ادھر ادھر پھرتا اور بولتا رہا نرو بی جانے والی گاڑی علی الصباح یہاں پہونچتی تھی گاڑی کے آنے پر ہم اس میں سوار ہوئے۔ اور ۱۰ بجے واپس نرو بی پہنچ گئے۔ علاج کے لئے حکیم صاحب کو ہسپتال میں داخل کر دیا۔ وہ چند روز میں اچھے ہو گئے اس واقعہ کے دو ہفتہ بعد اسی کیمار ریلوے اسٹیشن پر ایک زبردست حادثہ ہو گیا مسٹر رائل سپرنٹنڈنٹ پولیس اس آدم خور کے ہاتھوں مارے گئے۔ جس کے تفصیلی حالات میں اس کتاب خوفناک دنیا حصہ اوّل کے باب انیسواں میں لکھ چکا ہوں۔

سید محمد علی شاہ سبزواری
ڈنٹیل کالج آرہ صوبہ بہار

مذہبی ، اخلاقی

طبی ، تاریخی ، ادبی

نیز

لغت کا قابل قدر ذخیرہ

مکتبہ سخن $\frac{16}{75}$ پانڈے ہولی وارا

اسرار کریمی پریس الہ آباد